جلد ۱

WWW.MUFTIAKHTARRAZAKHAN.COM

فتاویٰ مفتئ اعظم رضی اللہ عنہ

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدارِ اہل سنت، امام المشائخ، مفتی اعظم ہند

آلِ رحمٰن ابوالبرکات شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رضی اللہ عنہ قادری نوری

ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتئ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

جگر گوشۂ مفسر اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام

کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ

کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

فتاویٰ مفتی اعظم

تصنیف

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

صدرالمدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف

آن لائن پیشکش: تاج الشریعہ فاؤنڈیشن، کراچی، پاکستان

www.muftiakhtarrazakhan.com

سلسلہ اشاعت..........................(۷۶)

نام کتاب..مقدمہ فتاویٰ مفتی اعظم

مصنف:..محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

پروف ریڈنگ..................................مولانا محمد اویس قرنی، مولوی محمد سرتاج احمد

مولوی محمد نصیر احمد

کمپوزنگ وسیٹنگ............................محمد منیف رضا خاں برکاتی، مولوی محمد زاہد علی

محمد عفیف رضا برکاتی

تعداد اشاعت:...............................گیارہ سو(۱۱۰۰)

سنہ اشاعت:..................................(۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء)

باہتمام......................................امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

ہدیہ عام.....................................Rs: 3500/-

E-mail: mohdhanif92@gmail.com

Web: www.imamahmadrazaacademy.com

(ملنے کے پتے)

☆ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر رام پور روڈ بریلی شریف، پن243502

☆ رضا اکیڈمی، ۵۲/ڈونٹاڈ اسٹریٹ کھڑک، ممبئی پن400009

☆ کتب خانہ امجدیہ / ۴۲۵ مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶

☆ رضا دار الاشاعت، آنند وہار بریلی شریف (یو۔پی)

☆ قادری بک ڈپو، نواب چوک چھوٹی جامع مسجد اسٹیشن روڈ اسلام پور اتر دیناجپور (بنگال)

شرف انتساب

ان عظیم شخصیات کے نام

جنھوں نے فقہ اسلامی کی تدوین کے ذریعہ

امت مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا

یعنی

امام الائمہ، کاشف الغمہ ، مالک الازمہ، سراج الامہ،

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی

اور

ان کے جملہ اصحاب وتلامذہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

گر قبول افتد زہے عز وشرف

نیازمند:

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

اجمالی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

سیدی ومولائی حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے تحریر کردہ فتاویٰ میں سے کچھ فتاویٰ مصطفویہ کے نام سے تین حصوں میں سب سے پہلے عالی مرتبت الحاج انجینئر قربان علی صاحب خلف الصدق حضرت مولانا عرفان علی بیسل پوری نے طبع کرائے تھے، پھر ان سب کو یکجا کر کے ایک رسالہ اور چند فتاویٰ کے اضافہ کے ساتھ ایک جلد فقیہ ملت حضرت علامہ شاہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ بانی مرکز تربیت افتا اوجھا گنج ضلع بستی نے ایک جلد میں خوبصورت کتابت وطباعت کے ساتھ شائع فرمائے۔ ساتھ ہی مقدمہ کے اندر اپنا یہ عندیہ بطور خواہش ظاہر کیا کہ کوئی اس کو ترجمہ وغیرہ ضروری اضافوں کے بعد شائع کردے گا۔

لہٰذا چند برسوں سے تلاش وجستجو تھی کہ سیدی حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے وہ فتاویٰ جواب تک طبع نہیں ہوئے کہیں دستیاب ہو جائیں، ساتھ ہی وہ رسائل بھی مل جائیں جن کا ذکر تحریری اور زبانی سنتے آرہے ہیں مگر وہ اب تک یا تو طبع ہی نہیں ہوئے یا پھر ایک مرتبہ چھپ کر نایاب ہوگئے۔ ایک مرتبہ سیدنا اعلیٰ حضرت کے رسائل کی تلاش میں مخدوم گرامی نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا توصیف رضا خاں صاحب مدظلہ کے یہاں جانا ہوا تو وہاں قلمی رسائل تو وہی ملے جو مطبوعہ ہیں، البتہ علم جفر کے سلسلہ میں ایک کتاب ''مجتلی العروس'' ملی جو امام احمد رضا اکیڈمی سے اعلیٰ حضرت کی تحریر کا بعینہٖ فوٹو لے کر طبع کرادی گئی ہے۔ یہاں فتاویٰ کے کچھ رجسٹر بھی نظر آئے جن میں بعض فتاویٰ حضور مفتی اعظم کے بھی تھے، لہٰذا ان کو حاصل کر کے فوٹو کاپی کرالی گئی، عزیز مکرم مولانا صغیر اختر صاحب استاذ جامعہ نوریہ رضویہ نے ایسے تمام فتاویٰ پر اسی وقت نشان لگا دیئے تھے اور وہ اکیڈمی میں محفوظ تھے، مزید تلاش جاری رہی، دیگر مقامات پر مزید کچھ فتاویٰ کے بارے میں معلوم بھی ہوا مگر وہ ہمارے اصرار کے باوجود اپنی کچھ خاص مصلحتوں کے پیش نظر دے نہیں سکے۔ فتاویٰ کی تلاش کے ساتھ آپ کے رسائل کی بھی جستجو رہی۔ اس سلسلہ میں دور دراز کے سفر بھی کیے۔ عالی مرتبت الحاج محمد سعید صاحب نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی بھی ہمارے اس پروگرام میں نہایت سرگرم اور برابر کے شریک رہے، ہم نے ان کے ساتھ بہار کے مختلف مقامات کا دورہ بھی کیا اور اس دورہ میں حضرت کے کچھ مطبوعہ و نایاب رسائل بھی فقیہ عصر مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر پورنوی کے یہاں ملے، جن کی حصول یابی ہمارے سفر کی کامیابی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے بہ خندہ پیشانی وہ تمام رسائل عنایت فرمادیئے۔ ہم ان کے اس سلسلہ میں مشکور ہیں۔

حضرت کا ایک قلمی رسالہ عربی زبان میں حج ٹیکس کے سلسلہ میں ملا، یہ رسالہ نہایت اہم اور تحقیقات

عالیہ کا گنجینہ ہے، برسوں سے مختلف حضرات کے یہاں گردش کرتا رہااور ہم برابر سنتے آئے کہ اب چھپے گا اور تب چھپے گا۔ ترجمہ ہو رہا، کتابت ہو رہی ہے، پریس جانے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ۱۵/۲۰ سال سے یہ اسی طرح کس مپرسی کے عالم میں رہا اور آج تک کچھ بھی نہ ہوسکا۔ حالانکہ یہ رسالہ ایسا ہی اہم ہے جیسے سیدنا اعلیٰ حضرت کی مشہور زمانہ کتاب ’’الدولۃ المکیہ‘‘ اسی کی طرح یہ رسالہ بھی مکہ مکرمہ میں علمائے کرام کے استفتا کے جواب میں لکھا گیا جو سیدنا حضور مفتی اعظم کی عبقریت کا منہ بولتا ثبوت ہے، نہایت فصیح وبلیغ عربی میں آپ نے اس کو قلم برداشتہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کے مضامین اور تحقیقات کو دیکھ کر علمائے مدینہ منورہ نے فرمایا تھا: ’’ان هذا الا الهام‘‘ یہ کتاب تو الہامی ہی ہے۔

یہ کتاب نبیرۂ اعلیٰ حضرت عزیز گرامی قدر حضرت مولانا سمنان رضا خاں کے یہاں ہمیں قلمی ملی۔ انہوں نے ہمیں بلا پس وپیش عنایت کی، جس کے لیے ہم ان کے نہایت ممنون ہیں۔

کتاب تو ملی مگر ترجمہ نہیں مل سکا حالانکہ اس کا ترجمہ کیا جا چکا ہے، مترجم عزیز گرامی مولانا محمد یونس صاحب استاذ دارالعلوم گلشن بغداد رام پور سے رابطہ کیا کہ وہ ترجمہ ہمیں دے دو، اب فوراً اس کی اشاعت ہونا ہے، انہوں نے جواب میں کہا: میں نے ترجمہ کر کے جن صاحب کو دیا تھا وہ انہیں کے پاس ہے مگر بار بار تقاضوں کے باوجود وہ نہیں مل سکا ہے۔ لہذا میں مجبور ہوں اور اس کی کوئی کاپی بھی میرے پاس نہیں۔

چنانچہ جب کوئی امید نہ رہی تو پھر ہم نے خود ہی اس کا ترجمہ کرایا اور یہ کام مولانا محمد جابر خاں استاذ مدرسہ بدر العلوم جس پور نے انجام دیا۔

فتاویٰ مصطفویہ کے مقدمہ میں حضرت فقیہ ملت نے تحریر فرمایا ہے کہ ہم نے رضا اکیڈمی ممبئی کے بانی الحاج محمد سعید نوری صاحب سے کہا تھا کہ فتاویٰ پہلی فرصت میں معیاری انداز سے چھاپ دیئے جائیں۔ عربی عبارات کا ترجمہ بعد میں ہوتا رہے گا۔

لہذا ہم نے اپنے پروگرام میں اس کام کو اولیت دی اور تمام عربی وفارسی عبارات کے ترجمہ کا التزام کیا، دوسری جلد کا ترجمہ مولانا محمد جابر خاں نے اور تیسری جلد کا ترجمہ مولانا محمد عرفان صاحب استاذ الجامعۃ القادریہ رچھا نے انجام دیا، باقی جلدوں کی عبارات کا راقم الحروف نے۔ اصلاح وتصحیح حضرت مولانا عبد السلام صاحب رضوی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ نے فرمائی۔

تخریج کا التزام بھی کیا گیا، راقم الحروف کے ساتھ مولانا اویس قرنی اور مولانا محمد ندیم نے یہ کام کیا مگر بہت سی کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے کام ادھورا ہی رہا۔ پھر جب ماہ رمضان میں مولانا محمد جابر خاں مختلف تحریری کاموں کے لیے حسب سابق اکیڈمی آئے تو مکتبہ شاملہ کی مدد سے ایک ماہ شب وروز محنت کر کے بقیہ عبارات کی تخریج کی، پھر بھی حال یہ ہے کہ بعض کتابیں نہیں مل سکی ہیں اور مکتبہ شاملہ بھی اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ لہذا ان کے حوالے نہیں لکھے جاسکے۔ مگر اب ایسی کتابیں چند ہیں۔

جن کتابوں کی عبارات کی تخریج ہوئی وہ تین سو کے قریب ہیں اور درمیان کتاب میں کچھ ایسی کتابوں کے نام بھی ہیں کہ ان کی جگہ ہم نے دوسری کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ یعنی جس کتاب میں ہمیں وہ عبارت ملی اس کا حوالہ حاشیہ میں نیچے لکھ دیا۔ کتاب کے مصنف کا نام نہیں دیا گیا کہ ہر جگہ بار بار لکھنا بے فائدہ طول عمل تھا، اس لیے کہ اسی مقدمہ کے آخر میں ''ماخذ ومراجع'' کی فہرست دی گئی ہے اس میں مصنفین کے ناموں کی صراحت کر دی گئی ہے۔

حضرت فقیہ ملت نے فتاویٰ مصطفویہ کے نام سے جو مجموعہ شائع کیا تھا وہ مکمل اس میں آ گیا ہے، مگر ترتیب جدید کی وجہ سے اب ترتیب سابق پر نہیں۔ سابقہ مجموعہ میں کل فتاویٰ کی تعداد (۳۹۰) تھی اور رسائل تین (۳) تھے۔

موجودہ سیٹ میں تقریباً پانچ سو فتاویٰ ہیں۔ اگر چہ مسائل کا اضافہ بظاہر قلیل ہے مگر رسائل کا اضافہ چھ گنا سے بھی زیادہ ہے۔ یعنی اس سیٹ میں کل بائیس (۲۲) رسائل ہیں۔

پھر ترجمہ وتخریج اس پر مستزاد، اس لیے یہ چھ جلدیں آپ کے سامنے ہیں۔

ہم نے اپنی ترتیب میں ہر فتوے کی مناسبت سے ایک سرخی قائم کی ہے جو اس کا عنوان ہے اگر چہ اس فتوے میں اس مسئلہ کے علاوہ دوسرے ضمنی مسائل بھی ہیں۔ لہذا ہم نے کتاب کی دو فہرستیں بنائی ہیں، ایک فہرست عنوانات، دوسری فہرست مسائل۔ پہلی فہرست تو مختصر ہے ہی، ساتھ ہی دوسری فہرست بھی مختصر بنائی گئی ہے تا کہ مسائل کی تلاش میں زیادہ وقت نہ لگے۔ مزید سہولت کے لیے ہر جلد کا اجمالی خاکہ شروع جلد میں لکھ دیا ہے، اس میں تمام عناوین کتاب، ابواب، رسائل اور تعداد مسائل کی وضاحت بھی کر دی ہے، اب قارئین پوری جلد ایک نظر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ہر عنوان کتاب جدید صفحہ سے شروع ہوا ہے اور وہیں اس کے نیچے ابواب کی صراحت ہے۔ اسی طرح رسائل کے ناموں کے لیے بھی ایک صفحہ خاص کیا گیا ہے اور نام کے ساتھ اس کا سنہ تصنیف بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ بہت سے رسائل ایسے بھی ہیں جن کا خلاصہ، پس منظر یا ان کی بعض تفصیلات علمائے اہل سنت نے مقالوں کی شکل میں وقتاً فوقتاً تحریر فرمائی تھیں، رسالہ کی تقدیم کے طور پر ہم نے ان مقالات کو رسائل کے ساتھ ضم کر دیا ہے، تا کہ قارئین کو ان کے مطالعہ سے رسالہ کے سلسلہ میں بصیرت حاصل ہو جائے۔

اب تک سیدی حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے رسائل کی جو تعداد کتابوں میں تحریراً ملی ان میں سے اکثر رسائل اس مجموعہ میں شامل ہیں، یعنی یہ تعداد (۳۲) بیان کی جاتی ہے، ہمیں ان میں سے ۲۱ رسائل ملے جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ البتہ کچھ اہم رسائل اب بھی اس میں نہیں، جیسے:

(۱) اشد العذاب علی العابد الخناس، ''تحذیر الناس'' کے رد میں۔

(۲) صلیم الدیان، اذان ثانی کے سلسلہ میں جعلی حوالوں کا رد۔

(۳) سیف القہار اذان ثانی کے سلسلہ میں جعلی حوالوں کا رد۔

اسی طرح دیگر آٹھ رسائل۔ان کے لیے تلاش جاری رہے گی ، ہوسکتا ہے کامیابی ملے۔ یہ ہے اس کتاب کے بہت سے مضامین کی بازیافت کی تفصیلات ،اور ترتیب جدید کے احوال وکوائف۔

اب کچھ اشاعت کے سلسلہ میں :

کتاب پر کام شروع ہونے سے پہلے ہی عالی مرتبت الحاج محمد سعید نوری صاحب سے یہ گفتگو ہوئی تھی کہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف اور رضا اکیڈمی ممبئی کا بہت سے امور میں باہم تعاون ہے، لہذا اس کام کو بھی دونوں مل کر منظر عام پر لائیں گے۔سعید بھائی صاحب تو اسیر مفتی اعظم ہیں، ان کو تو حضور مفتی اعظم اور ان کے کاموں سے عشق ہے، لہذا ان کو اس اہم کام سے کب انکار ہوسکتا تھا۔اس لیے وہ شروع سے ہی ہمارے شریک سفر رہے اور اشاعت کی منزل میں بھی ساتھ ہیں۔اب یہ کتاب دونوں اداروں کے اشتراک زر سے منظر عام پر آرہی ہے۔ہم عالی جناب سعید بھائی صاحب کے اس تعاون پر نہایت ممنون ہیں۔

مزید یہ کہ امام احمد رضا اکیڈمی کو جزوی تعاون پیش کرتے ہوئے ہمارے دیگر احباب نے بھی ساتھ دیا، یعنی بولٹن (یو۔کے) سے جماعت رضائے مصطفیٰ کے ارکان محبان گرامی قدر حضرت مولانا محمد حنیف صاحب، حضرت مولانا محمد اقبال صاحب، حضرت مولانا نظام الدین صاحب، حضرت مولانا محمد مقصود صاحب اور جناب شفیق بھائی صاحب نے معاونت فرمائی۔اسی طرح گرامی وقار حضرت مولانا محمد شاکر صاحب رضوی ممبئی نے اپنے والدین ''مرحوم عبدالکریم نوری اور مرحومہ جنت حلیمہ بائی نوری'' کے ایصال ثواب کے لیے تقریباً پچپن سیٹ کی رقم پیشگی اکیڈمی کو عنایت فرمائی۔ہم اپنے ان تمام محسنین کے شکر گزار ہیں۔

اسی طرح حسب سابق شہزادۂ فقیہ ملت حضرت مولانا انوار احمد صاحب قادری مالک کتب خانہ امجدیہ کے بھی ممنون کرم ہیں کہ مختصر وقت میں یہ کتاب بحسن وخوبی طباعت کے مراحل سے گزار کر خاص حضور مفتی اعظم کے عرس پاک میں لے آئے تاکہ عرس کی روحانی محفل میں اس کا اجرا عمل میں آسکے۔اسی طرح اپنے ان تمام رفقائے کار کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس کام میں کسی بھی طرح ہمارے معاون ومددگار رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان تمام مخلصین محبین معاونین کو دنیا میں صحت وسلامتی کے ساتھ اخلاص وحسن عمل اور آخرت میں اجر جزیل سے نوازے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ۔ بجاہ النبی الکریم ، علیہ اکمل الصلاۃ واتم التسلیم ۔

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

ناظم اعلیٰ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

مؤرخہ ۲۸؍ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ ۲۳؍ اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز پنجشنبہ

تقدیم

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

بانی مرکز تربیت افتا اوجھا گنج ضلع بستی (یوپی)

باسمہ تعالیٰ ۔ والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ

نائب سید المرسلین، سند المحققین تاجدار اہل سنت، آفتاب رشد و ہدایت، واقف اسرار شریعت، دانائے رموز طریقت، امام الفقہا، مخدوم العلما، قطب عالم، حضور مفتی اعظم حضرت علامہ ''شاہ محمد مصطفیٰ رضا'' قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ والرضوان جن کے فتاویٰ کا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ دنیائے اسلام میں اگرچہ مفتی اعظم ہند کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن وہ صرف مفتی اعظم ہند نہیں تھے بلکہ اپنے زمانہ کے مفتی اعظم اسلام تھے۔ اس لیے کہ آپ کے افتا اور تفقہ فی الدین کی عظمت صرف ''ہندوستان'' تک محدود نہ تھی بلکہ ''عرب، افریقہ اور انگلینڈ وامریکہ'' وغیرہ بہت سے باہری ملکوں میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔

افتاء: لفظ افتا کا لغوی معنی ہے ''جواب دینا'' اسی معنی کے اعتبار سے ''قرآن مجید'' میں ''بادشاہ مصر'' کا یہ قول منقول ہے۔

﴿يٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِىْ فِىْ رُؤْيَاىَ﴾ [سورۂ یوسف : ۴۳]

یعنی اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو۔

اور اصطلاح میں افتا کا معنیٰ ہے حکم مسئلہ اور شرعی فیصلہ بتانا۔

حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''الافتاء بیان حکم المسئلة''. [التعریفات: ص ۲۶]

حکم مسئلہ کے بیان کرنے کو افتا کہتے ہیں۔

اور حضرت علامہ شامی قدس سرہ السامی لکھتے ہیں:

''الافتاء فانه افادة الحکم الشرعی''. [ردالمحتار ۴/۳۳۶]

یعنی شرعی فیصلہ سے آگاہ کرنے کو افتا کہتے ہیں۔

افتا کی اہمیت وعظمت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ’’خدائے‘‘ عزوجل نے ’’قرآن مجید‘‘ میں افتا کی نسبت خود اپنی جانب فرمائی ہے۔

ارشاد ہے:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ [سورة النساء:١٧٦]

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے خداوند قدوس نے سب سے پہلے افتا کے منصب سے اپنے مظہر اتم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا۔ آپ کے وصال فرمانے کے بعد صحابۂ کرام میں سے جو لوگ اس منصب پر فائز ہوئے، ان میں سے چند مشہور حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی ابن کعب، حضرت زید بن ثابت اورام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ [مقدمہ عجائب الفقہ ص ۲۸/از علامہ ارشد القادری قبلہ]

پھر صحابۂ کرام کے بعد تابعین کے دور میں حضرت علقمہ بن قیس نخعی، حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابراہیم بن یزید نخعی، حضرت حماد بن مسلم اور حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے مبارکہ سرفہرست ہیں جو افتا کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ لیکن ان میں سے حضرت امام اعظم ہی نے فن کی صورت میں افتا کا آغاز فرمایا اور آپ ہی نے سب سے پہلے تدوین فقہ کا کام کیا اور افتا کے قواعد وضوابط بھی مقرر فرمائے۔

اور جب تبع تابعین کا دور آیا تو افتا کی ذمہ داری ان کے سر آئی۔ اس زمانہ میں جن حضرات نے اس فریضہ کو انجام دیا ان میں سے مخصوص لوگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت امام مالک حضرت امام احمد بن حنبل حضرت امام شافعی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امام اعظم کے مقرر کردہ اصول وقواعد سے مسائل واحکام کے استنباط کو آپ کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف ہی نے فروغ دیا۔ اور امام اعظم کے اصول فقہ پر سب سے پہلے آپ ہی نے کتابیں لکھیں۔ پھر محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد نے اسے تنقیح وتہذیب کے بعد اتنے بام عروج پر پہنچا دیا کہ پھر اس میں کسی اضافہ کی حاجت نہ رہی۔ [فتاویٰ شامی:۱/۲۷]

صحابۂ کرام سے تبع تابعین تک مذکورہ بالا حضرات جو منصب افتا پر فائز ہوئے سب مجتہد اور مفتی

مطلق تھے۔ پھر حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کوئی مفتی مطلق نہیں ہوا۔ سب مفتی منتسب ہوئے مگر خدائے عز و جل نے ان کو بھی حسب درجہ ایک طرح کی اجتہادی قوت سے سرفراز فرمایا۔ اس لیے کہ اس کے بغیر وہ نئے نئے مسائل کو حل ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت علامہ شامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: **"التحقيق ان المفتی فی الوقائع لابد له من ضرب اجتهاد و معرفة باحوال الناس".** [ردالمحتار ۲/۳۹۸]

یعنی نو پید مسائل کو حل کرنے کے لیے مفتی کو ایک طرح کے اجتہاد سے متصف اور لوگوں کے احوال سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

دشواری افتا:

چوں کہ افتا کے لیے مفتی کا اجتہادی ایک گونہ صلاحیت سے متصف ہونا لازمی ہے۔ اس لیے یہ کام تمام دینی خدمات میں بہت زیادہ دشوار ہے۔ ترتیب یوں ہے کہ ان میں سب سے زیادہ آسان ہے تقریر۔ اس سے مشکل ہے تدریس۔ اور تدریس سے مشکل ہے تصنیف و تالیف۔ اور اس سے بھی مشکل ہے افتا۔ کیوں کہ فتویٰ معلوم کرنے والے عبادات اور معاملات وغیرہ کے بہت سے نو پید امور سے متعلق بھی ہر طرح کے سوالات کرتے رہتے ہیں اور مفتی کو ان کے جوابات دینے پڑتے ہیں۔ اسی لیے اس میں بیدار مغزی، ذہانت و فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کے ساتھ ایک طرح کی قوت اجتہاد بھی ضروری ہے۔

شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی تحریر فرماتے ہیں: فتویٰ دینا ساری دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے۔ اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں۔ فقہائے کرام نے اگر چہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی پھر بھی حوادث محدود نہیں۔ آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے۔ مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جا سکتا۔ جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔ [انوار مفتی اعظم ص ۲۵۲]

لیکن آج کل لوگ اس فن کو بہت آسان سمجھنے لگے ہیں کہ ہر مدرسے والے دارالافتا کا بورڈ لگا کر کسی کو مفتی بنا کے بیٹھائے ہوئے ہیں جن میں سے اکثر کے فتاوے دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوتا ہے کہ وہ غلط فتاوے لکھ کر مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور خود آسمان و زمین کے ملائکہ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

”من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض“. [کنزالعمال ۱/ ۱۱۱]

یعنی جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے ملائکہ کی لعنت ہے۔

عالم اور خود مدرسے والے یہ سمجھتے ہیں کہ درس نظامیہ کا ہر وہ فارغ التحصیل جس کی کچھ صلاحیت ہو وہ فتویٰ دے سکتا ہے حالانکہ درسی کتابیں پڑھنے سے علم الفتویٰ حاصل نہیں ہوتا مگر جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں داخل نہیں ہوتا۔ [فتاویٰ رضویہ ۴/ ۵۶۵]

اور تحریر فرماتے ہیں:

علم الفتویٰ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ مدتہا طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔

[فتاویٰ رضویہ ۱/ ۲۳۱]

مگر مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ نے اس گھر میں آنکھ کھولی جو تقریباً ڈیڑھ سو سال سے فقہ اور فتاویٰ کا عظیم مرکز رہا کہ آپ کے والد گرامی اعلیٰ حضرت کے جد امجد امام العلما حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۲ھ) اور والد ماجد امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے صرف یہی نہیں کہ فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ اپنے اپنے زمانہ کے مفتیان کرام وعلمائے عظام سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ رہے۔

آپ کے والد ماجد اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربہ القوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے ۱۳/ برس کی عمر ہی میں پہلا فتویٰ رضاعت کا لکھا اور پھر ایسے فاضلانہ ومحققانہ عربی، فارسی اور خاص کر اردو میں بے شمار فتاوے لکھے کہ علمائے عرب وعجم کو حیرت میں ڈال دیا۔ انھوں نے امام احمد رضا کو دل کھول کر خراج عقیدت پیش کیا اور آپ کو چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا۔ اعلیٰ حضرت کی تصنیف لطیف ”العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة“ کی بارہ ضخیم جلدیں اور بہت سی کتابیں و رسالے آپ کی فقہی مہارت وبصیرت پر گواہ ہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ پر اللہ ورسول۔ جلت عظمته وصلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کا خاص فضل وکرم رہا اور پیر ومرشد سید المشائخ حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی ۱۳۲۴ھ) کی خصوصی دعائیں رہیں جن کی برکت سے آپ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں فراغت کے سال ہی اٹھارہ برس کی عمر میں کسی کتاب کی مدد کے بغیر پہلا فتویٰ تحریر کر دیا۔ اور وہ اتنا اہم تھا کہ جس کو لکھنے کے ملک

العلما حضرت مفتی ظفر الدین صاحب بہاری فتاویٰ رضویہ دیکھ رہے تھے۔

اور پھر اس فتویٰ میں نہ ایک لفظ بڑھانے کی ضرورت تھی اور نہ گھٹانے کی۔ اسی لیے اصلاح کی خاطر جب اس فتویٰ کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ اسے دیکھ کر بے انتہا مسرور ہوئے۔ تصدیق فرمائی، آپ کو انعام دیا، فتویٰ لکھنے کی عام اجازت دی اور آپ کے نام کی مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی اس فتویٰ کے متعلق فرماتے ہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ اور ان کے آئینہ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتویٰ پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا اور نہ ایک لفظ بڑھایا۔ کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم ہند نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ اس میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ تھی۔

ع: آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا

[مفتی اعظم اور ان کے خلفاص ۸۳]

اور تحریر فرماتے ہیں: کہ ذہین سے ذہین علما برسہا برس تک مشاق کرنے اور ماہر فن مفتی سے اصلاح لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں۔ مگر جو بات دیگر ذہین وفطین اور ذکی علما کو برسہا برس میں تنقید، اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ حضرت مفتی اعظم کو پہلے ہی دن حاصل تھی۔ [انوار مفتی اعظم ص ۲۵۳]

اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہ رضوی دارالافتا میں اس موقع پر پہنچے تھے جب کہ اس سے پہلے ملک العلما حضرت علامہ مفتی ظفر الدین بہاری اور حضرت علامہ مفتی سید عبد الرشید عظیم آبادی رضاعت کے اس مسئلہ پر تبادلہ خیالات کر چکے تھے اور بات کچھ الجھنے پر ملک العلما فتاویٰ رضویہ سے روشنی حاصل کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم ہند کسی کتاب کی مدد کے بغیر فتویٰ لکھ کر رضوی دارالافتا کے مفتیان کرام پر سبقت لے گئے۔ [مفتی اعظم اور ان کے خلفاص ۸۲]

یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ آپ روز اول ہی مفتی اعظم اور فقیہ اعلم تھے۔

تفقہ فی الدین:

احکام شرعیہ کے علم حاصل کرنے کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اس کے بارے میں یوں حکم فرمایا ہے:

﴿فَلَوۡلَا نَفَرَ مِن کُلِّ فِرۡقَةٖ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٞ لِّیَتَفَقَّهُواْ فِی ٱلدِّینِ وَلِیُنذِرُواْ قَوۡمَهُمۡ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَیۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ یَحۡذَرُونَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔

اور خدائے عزوجل یہ عظیم نعمت اسی کو بخشتا ہے جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

((من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین)) . [بخاری:۱/۱۶]

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے تفقہ فی الدین عطا فرماتا ہے۔

خداوند قدوس نے حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ کو اس نعمت عظمیٰ سے بھرپور سرفراز فرمایا تھا بلکہ بقول حضرت ''علامہ نظامی'' الہ آبادی آپ کے ضمیر آپ کے خمیر اور آپ کی سرشت وفطرت کو تفقہ فی الدین کے سانچے میں ڈھال کر اسی فطرت پر آپ کو پیدا فرمایا تھا۔

[مفتی اعظم ہند نمبر استقامت ص ۴۶]

اس مختصر تقدیم میں آپ کے تفقہ فی الدین کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیان کرام کے سامنے آیا تو بیشتر حضرات متردد رہے، کچھ حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ۔روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ انجکشن کی سیال دوائیں معدہ میں بھی پہنچتی ہیں۔اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسد روزہ ہے۔اھ

اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ ''گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں رگ میں لگوایا جائے تو فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ میں نہیں پہنچتی ہیں۔اور رگ سے پہنچ جاتی ہیں'' اھ۔لیکن ''مفتی اعظم ہند'' نے ارشاد فرمایا:

انجکشن گوشت میں لگوایا جائے خواہ رگ میں، کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں۔ بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں۔اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اس کی تری مسامات کے ذریعہ بسا اوقات معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرما لگانے سے اس کا ذائقہ حلق میں محسوس اور رنگت تھوک میں دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا'' ۔اھ

[ماخوذ از پیغام رضا مفتی اعظم ہند نمبر ص ۵۷ مضمون حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر]

اور جب پہلے پہل لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنی گئی آواز پر اقتدا کا مسئلہ درپیش ہوا تو بعض عالموں نے اسے حقیقۃً اور حکما ہر طرح امام کی عین آواز سمجھ کر اقتدا کو جائز ٹھہرایا۔ مگر حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ نے حقیقۃً اور حکماً ہر لحاظ سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو متکلم کی آواز کا غیر قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں، مماثل آواز ہے اور نماز میں غیر امام کی اقتدا کرے تو یہ مفسد ہے''۔ [التفصیل الانور ص ۲۴]

اور ایک دوسرے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: اعتبار متکلم کی اس آواز کا ہے جو اس کے دہن سے نکلی اور فضا کی ہوا متحرک کرتی ہوئی بے کسی اور قوت دافعہ کے کان تک پہنچی، اس کی وہ آواز جو کسی قاسر سے ٹکرا کر سکون پا گئی۔ اور اس قاسر کی ٹکر کی قوت سے جو متحرک ہو کر پلٹی اس آواز کا اعتبار نہیں۔ جیسے گنبد سے ٹکرا کر جو آواز پلٹی ہے۔ یا کنویں کی پلٹی ہوئی آواز یا صحرا کی صدائے باز گشت نا معتبر ہے۔ آیت سجدہ پلٹی ہوئی آواز سے جسے مسموع ہو اس پر سجدہ اسی لیے واجب نہیں ہوتا کہ اب یہ تو پلٹی ہوئی آواز ہے۔ یہ اگر چہ دہن قاری سے نکلی ہوئی ہے مگر قاسر کے ٹکرانے سے یہ اس حیثیت کی نہ رہی۔ اب قاسر کی ٹکر کی قوت سے کان تک پہنچی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بجلی کی قوت سے فضا کی ہوائے قاسر جہاں تک دفع ہوگئی ہے بے کسی اور قاسر سے ٹکرائے ہوئے بے اس قاسر کی قوت دفع کے شامل ہوئے محض بجلی کے اس فعل سے کان تک پہنچی ہے۔ [التفصیل الانور ص ۲۵]

اور جب چاند پر پہلا قدم رکھنے کے لیے ''روس'' و ''امریکہ'' ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جدو جہد کر رہے تھے تو چاند کو خدائی درجہ دینے اور اس کی عبادت و بندگی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیان کرام بھی اسے روس و امریکہ کا جنون و بکواس کہہ رہے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ...

چاند آسمان کے اندر ہے اور آسمان تک کسی غیر مسلم کا پہنچنا محال شرعی ہے، اس لیے ''روس'' یا ''امریکہ'' کے چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو جانے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ اور بیشتر علمائے کرام گومگو کی کیفیت سے دو چار خاموش تھے۔ لیکن ''مفتی اعظم'' نے فرمایا:

جب چاند کی طرف نگاہ اٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا ہے۔ صحابی رسول رئیس المفسرین حضرت ''عبداللہ بن عباس'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق بھی سورج، چاند اور ستارے سبھی زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں جیسا کہ ''تفسیر مدارک میں ہے:

((عن ابن عباس ان الشمس والقمر والنجوم کلھا مسخرات بین السماء والارض)).

الغرض مشاہدہ اور روایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاند آسمان کے نیچے ہے اور جب آسمان کے نیچے ہے تو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے، کہ چاند پر پہنچنا محال شرعی ہو جائے۔ ہمارے نزدیک انسان کا چاند تک پہنچنا ممکن ہے اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند تک پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔

[ماخوذ از پیغام رضا مفتی اعظم ہند نمبر ۶۷ مضمون حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر]

اور اسی زمانہ میں جب کہ امریکہ والوں کے چاند پر جانے کا چرچا تھا ایک روز حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب جونپوری اور حضرت علامہ سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہما الرحمہ اور دوسرے علما حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ چاند وسورج وغیرہ کی باتیں چل رہی تھیں۔ حضرت نے فرمایا زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں۔ اور چاند وسورج چلتے ہیں۔

اس پر ''علامہ میرٹھی'' صاحب نے فرمایا کہ ''قرآن مجید'' میں ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ [سورة یٰسین :۳۸]

یعنی سورج اپنے مستقر میں چل رہا ہے۔

تجری سے معلوم ہوتا ہے کہ چلتا ہے اور مستقر لہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ تو چلتے رہنا۔ اور ایک قرارگاہ میں ٹھہرا رہنا۔ یہ دونوں باتیں کیسے صحیح ہوں گی۔

اس پر حضرت نے فوراً جواب دیا کہ...

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا گیا:

﴿وَلَكُمْ فِی الأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ [سوره البقرة : ۳٦]

تو کیا وہ زمین کے ایک حصہ پر ٹھہرے رہتے تھے؟ چلتے نہیں تھے؟۔ اپنے مستقر میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جائے رفتار سے۔ اپنی منزل سے باہر نہیں ہوتا۔ چلتا ہے مگر اپنے دائرہ حرکت میں۔ اس پر حضرت میرٹھی صاحب خاموش ہو گئے۔

[مفتی اعظم اور ان کے خلفا ص ۶۸، بحوالہ مفتی اعظم ہند تصنیف ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی]

مذکورہ بالا فتاوے اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ بے شک تفقہ فی الدین کی فطرت پر پیدا کیے گئے تھے۔

تطبیق اقوال:

فقہائے کرام کے اقوال جو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتے ہوں ان کے درمیان

موافقت ثابت کرنے کو تطبیق کہتے ہیں جو تفقہ فی الدین کا ایک اہم عنصر ہے۔حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی ذات گرامی میں یہ عنصر بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔یہاں پر اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''بہار شریعت'' حصہ دوم ص ۴۸ میں ہے۔اگر بے وضو شخص کا ہاتھ یا انگلی یا پورا یا ناخن یا بدن کا کوئی ٹکڑا جو وضو میں دھویا جاتا ہو بقصد یا بلا قصد دَہ دَردَہ سے کم پانی میں بے دھوئے ہوئے پڑ جائے تو وہ پانی وضو اور غسل کے لائق نہ رہا۔ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔

کسی نے ''بہار شریعت'' کے اس مسئلہ کو غلط قرار دیا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں فتاویٰ قاضی خاں مع عالم گیری جلد اول ص ۱۵ کی اس عبارت کو پیش کیا:

المحدث او الجنب إذا أدخل يده فى الاناء للاغتراف وليس عليها نجاسة لايفسد الماء ، وكذا إذا وقع الكوز فى الجب وادخل يده فى الحب الى المرافق لاخراج الكوز لايصير الماء مستعملا. اھ

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اس کی تطبیق میں آپ نے جو تحریر فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت دہ دردہ سے کم گھرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال دے گا تو وہ مستعمل ہو جائے گا۔اور فتاویٰ قاضی خاں کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا۔لہذا دونوں کتابوں کا مسئلہ صحیح ہے۔ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔جواب کی پوری تفصیل دلائل کے ساتھ اس مجموعۂ فتاوی کے ص ۱۳۶ر پر ملاحظہ ہو۔

دیوبندی فتوے کا رد:

کسی شخص نے دیوبندی مفتیوں سے پوچھا کہ جب سود مطلقاً حرام ہے تو اس ملک کے اندر بینک میں روپیہ رکھے ہوئے پر منافع لینا کیسا ہے؟۔دیوبندیوں کے مشہور مولانا انور شاہ کشمیری نے جواب دیا کہ...

جس ملک میں عمل داری مسلمانوں کی نہ ہو اور فیصلہ مقدمات کا شریعت پر نہ ہو اس ملک کو حنفی مذہب میں ''دارالحرب'' کہتے ہیں۔اور یہ دارالحرب قانون شریعت سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک خارج ہے۔''دارالحرب'' میں مسلم اگر غیر مسلم سے سود لے تو حنفی مذہب میں جائز ہے۔لوگوں سے کہتے ہیں کہ بینک میں سے سود لے لو اور غریبوں پر صدقہ کر دو کہ پادریوں کے مشن پر خرچ نہ ہو۔

اور مدرسہ امینیہ دہلی کے مفتی ''حبیب المرسلین'' نے جواب لکھا کہ...

ہند کے علاقہ میں سود کا لینا مطلق ناجائز ہے مگر غیر مسلم کی بینک میں سود کی رقم چھوڑنی نہیں

چاہیے بلکہ ان سے لے کر ایسے محتاجوں پر صرف کرنی چاہیے کہ جن کا ذریعہ بظاہر کچھ بھی نہ ہو اور بظن غالب یہ بات ثابت ہو کہ اگر یہ مال محتاج نہیں کھائیں گے تو ان کی جان تلف ہوگی۔

حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ سے ان جوابات کے متعلق دریافت کیا گیا۔آپ نے جوان کا رد فرمایا اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

پہلے نے حنفی مذہب میں بعض جگہ سود کو حلال بتایا حالاں کہ وہ حرام قطعی ہے، کہیں بھی حلال نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلقاً حرام فرمایا، ارشاد ہے:

﴿حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [سورۃ البقرۃ:۲۷۵]

اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دے کر مسلم کا غیر مسلم کو روپیہ دے کر اس سے نفع لینا جسے سود کہا حنفیوں کے نزدیک جائز بتا کر کہا کہ لے لے اور اپنے صرف میں نہ لائے غریبوں کو دے دے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے نزدیک سود لینا جائز ہے تو اس کا اپنے اوپر خرچ کرنا کس نے حرام کر دیا۔اور پھر جب وہ سود ہے تو اس کا لینا ایسا ہی ہے جیسے شراب اپنے پینے کے لیے نہ لے دوسروں کو پلانے کے لیے لے تو ان کے نزدیک جائز مگر جب کہ مفت ملے۔یعنی کوئی کافر اپنی خوشی سے کسی مسلمان کو شراب دے تو ان کے نزدیک اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اسے لے لے، خود نہ پیے ان غریب مسلمانوں کو پلا دے جو کافروں کی بھٹی سے خرید کر پیتے ہیں اور اپنا پیسہ کافروں کو دیتے ہیں۔یا یوں کہیے کہ ایسی بھٹی سے خریدتے ہوں جس کا روپیہ کسی مشن کے لیے ہو یا مشن ہی کی تجارتی شراب کی دوکان سے۔ **لاحول و لاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم** . اور دوسرے کا جواب بھی محض بے ہودہ ہے اور اس پر بھی وہی مواخذات ہیں جو پہلے شخص کے جوابات پر ہیں بلکہ اس سے زائد ہیں۔

حضرت ''مفتی اعظم ہند'' قدس سرہ کی اس تحریر سے ان کے تبحر علمی کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے اور دیوبندی مسلک کے یہ مشہور مولوی آپ کی جلالت علمی کے سامنے طالب علم معلوم ہوتے ہیں۔تفصیلی جواب مزید مواخذات کے ساتھ اسی کتاب میں ملاحظہ ہو۔

سنی فتویٰ کا رد:

کسی نے سنی مدرسہ کے مفتی سے سوال کیا کہ زید نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ تو میرے نکاح سے باہر ہے، میری بیوی نہیں رہی اور نہ میرے کام کی ہے۔پھر اس کو گھر سے نکال دیا۔دو سال سے وہ اپنے میکہ میں ہے۔تو ایسی صورت میں اس کی زوجہ نکاح میں رہی یا نہیں؟ ۔سنی مفتی نے چار عالموں کی تصدیقات سے فتویٰ لکھا کہ زید کی زوجہ کو طلاق ہوگئی۔اور تین حیض گزرنے سے غیر حاملہ کی عدت گزر جاتی

ہے۔دوبارہ نکاح بغیر حلالہ ہوسکتا ہے۔

جب یہ فتویٰ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے تحریر فرمایا کہ سوال اگر چہ بہت گول (مول) تھا مگر سوال دیکھتے ہی یہ خیال ہوا کہ شوہر نے یہ الفاظ بطور انشا نہیں کہے ہوں گے بلکہ اخباراً۔سائل سے واقعہ کی تفصیل پوچھی تو یہی معلوم ہوا کہ اس نے یہ اس لیے کہے تھے کہ عورت اس کی بے اجازت چلی گئی تھی۔جاہلوں میں یہ غلط بات مشہور ہے کہ اگر عورت بے اجازت شوہر گھر سے قدم نکالے تو وہ نکاح سے باہر ہو جاتی ہے۔شوہر نے اس باطل بات پر وہ کہا نہ یہ کہ اسے طلاق دینا مقصود تھا اور اس وقت طلاق دینے کے لیے یہ لفظ کہے۔ظاہر ہے کہ اس صورت میں اصلاً طلاق نہ ہوئی۔

اور اگر یہ واقعہ نہ بھی ہوتا بلکہ بطور خود اس نے یہ الفاظ کہے ہوتے جب بھی علی الاطلاق حکم طلاق صحیح نہیں ہوتا کہ یہ کنایات ہیں اور کنایہ محتاج نیت......تو علی الاطلاق حکم طلاق یقیناً محض باطل۔پھر حضرت نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں فقہائے کرام کی عبارتوں کو پیش فرمایا۔

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے اس فتویٰ میں بھی آپ کی وسعت نظر وشان فقاہت کا جلوہ نظر آتا ہے۔اور ساتھ ہی یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فقہائے کرام کا یہ قول بالکل صحیح ہے:

”من لم یعرف أھل زمانہ فھو جاھل“۔

یعنی جو اپنے زمانہ والوں کے احوال واقوال کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے۔

یہ فتویٰ دلائل وبراہین کے ساتھ اس مجموعہ میں ہے۔

ایمر جنسی دور کا ایک یادگار فتویٰ:

۹۷-۱۳۹۶ھ مطابق ۷۷-۱۹۷۶ء ایمر جنسی کے دور میں جب حکومت نے نس بندی کا جبری قانون نافذ کیا تو لوگوں کو پکڑ پکڑ کر زبردستی ان کی نس بندی کی جانے لگی اور گورنمنٹ کے ملازمین کو سخت تاکید کی گئی کہ خود نس بندی کراؤ اور پانچ دس آدمیوں کو پکڑ کر بھی لاؤ ورنہ تنخواہ روک دی جائے گی۔اور یا تو ملازمت سے نکال دیئے جاؤ گے۔حکومت کے اس ظلم وزیادتی کے سبب پورے ملک میں کھلبلی مچ گئی۔ ”کانگریسی مفتی“ جو پہلے انگریز اور پھر کانگریس کے اشارۂ ابرو پر ہر کام کرتے رہے، انھوں نے حکومت سے سودا کرلیا اور نس بندی کے جائز ہونے کا فتویٰ دے دیا۔

حکومت نے اس فتویٰ کو ذریعہ بنا کر نس بندی میں اور شدت پیدا کردی۔گاؤں اور دیہات میں گھوم گھوم کر نس بندی کی جانے لگی۔جب نس بندی ٹیم کی گاڑی گاؤں میں پہنچ جاتی تو لوگ گھر چھوڑ کر

بھاگ جاتے اور کھیتوں اور جنگلوں میں جا کر چھپ جاتے ۔علمائے حق نے جب اس پر احتجاج کیا تو حکومت سخت برہم ہوگئی اور ان میں سے بعض کو جیل میں ڈال دیا اور دوسرے علما کی سخت نگرانی کی جانے لگی۔

ایسے وقت میں پاسبان شریعت مجاہد اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان حکومت کے مقابل کلمۂ حق کہنے کے لیے کھڑے ہوگئے اور بڑی بے باکی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ جاری کر دیا کہ۔ نس بندی حرام ہے۔اور کئی وجوہ سے حرام ہے۔اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا حرام ۔ بے وجہ شرعی کسی نس یا عضو کا کاٹنا بھی حرام۔دوسرے کے سامنے ستر غلیظ کھولنا بھی حرام۔اور انسان کا خصی ہونا یا کرنا بھی حرام۔

پھر آپ نے حکومت کے خلاف لکھے گئے اس فتویٰ کو سائیکلو اسٹائل کرا کے پورے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔حکومت آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گئی تو اس نے ضلع کلکٹر کے ذریعہ مسلح فورس کے ساتھ حق گوئی کے اس سالار اعظم کی گرفتاری کے لیے ہدایتیں جاری کر دیں۔

لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر یو پی نے مرکزی حکومت کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر مفتی اعظم کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑ گئی تو ان کے ماننے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد سڑکوں پر نکل آئے گی اور پورا ہندوستان خون میں ڈوب جائے گا۔اس طرح حضرت کی گرفتاری کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

چند اور اہم فتاویٰ:

اس مجموعہ فتاویٰ میں حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے بہت سے اہم فتاوے ایسے ہیں جو آپ کے تبحر علمی اور فقیہانہ بالغ نظری پر شاہد عدل ہیں۔ہم ان میں سے یہاں چند فتاوے کی نشاندہی کرتے ہیں جن کے مطالعہ سے ہر شخص کا یہی فیصلہ ہوگا کہ حضرت مفتی اعظم ہند اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے صحیح جانشین اور ان کے مظہر اتم واکمل تھے۔

ایک سوال میں ''حضور سید عالم'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے انکار کرنے والے کی یہ دلیل پیش کی گئی ''بحرالرائق'' جلد۳ص۹۴ر میں ہے:

فی الخانیة وفی الخلاصة لوتزوج بشهادة الله ورسوله لاینعقد ویکفر لاعتقاده ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یعلم الغیب.

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے پہلے علم غیب کے ثبوت میں نو آیتیں اور گیارہ حدیثیں پیش کیں اس کے بعد فرمایا کہ مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ شہادت خدا ورسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ

ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا رہنا ہے۔

حدیث میں ہے:

((لانکاح الا بشھود))

اس میں مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے اس قول کا ضعیف ہونا فقہائے کرام کے اقوال سے ثابت کیا۔ پھر ردالمحتار، مضمرات، خزانۃ الروایات اور معدن الحقائق کی عبارتوں کو پیش فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم غیب رکھتے ہیں۔ اس طرح اور بھی بہت سے ائمہ کرام کے اقوال سے مسئلہ مذکور کو منقح فرمایا۔ یہ فتویٰ موجودہ جلد دوم میں ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اور حضرت کی خدمت میں یہ سوال پیش ہوا کہ جس نے عشا کے فرض جماعت سے نہیں پڑھے مگر تراویح باجماعت پڑھی۔ وہ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وتر کی جماعت میں وہ شامل ہو جائے اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوا، کیوں کہ وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے۔ اس واسطے وتر کی جماعت نہ چھوڑے۔ [صغیری]

حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ کے جواب کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

جس نے فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو کہ اس میں جماعت نہیں مگر تبعاً کہ وہ من جہۃ نفل ہے۔ وتر کی جماعت رمضان ہی میں یا بہ تبعیت فرض ہے۔ یا بہ تبعیت رمضان۔ یا بہ تبعیت تراویح۔ اور مشہور یہی ہے کہ بہ تبعیت جماعت فرض یا بہ تبعیت جماعت تراویح ہے۔ علما کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے فرض جماعت سے پڑھے وہ تراویح بھی باجماعت پڑھے یا نہ پڑھے۔ اگر چہ صحیح یہی ہے کہ وہ تراویح بہ جماعت پڑھ سکتا ہے۔

جماعت فرض کے تابع ہے جب تو ظاہر ہے کہ اگر فرض بہ جماعت نہ پڑھے ہوں تو وتر بہ جماعت نہیں پڑھ سکتا۔ اور بہ تبعیت رمضان ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ رمضان میں وتر جماعت ہی سے پڑھے بلکہ یہ کہ رمضان میں جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔ بہر صورت جماعت ہی سے پڑھنا اس سے کہاں نکلتا ہے۔ یونہی اگر بہ تبعیت جماعت تراویح ٹھہرائیں جب بھی۔ اور میں کہتا ہوں تبعیت فرض سے

جماعت وتر کچھ کہونہیں نکلتی۔ رمضان کے تابع کہوتو اس کے یہی معنیٰ ہیں کہ رمضان ہی میں وتر کی جماعت بہ تبعیت عشایا بہ تبعیت تراویح ہوگی۔ یہ نہیں کہ رمضان میں اس میں جماعت علی الاستقلال ہے۔ **فانہ لم یقل بہ احد.** یہ علمی فتویٰ ٹھوس حوالوں کے ساتھ تیسری جلد میں ہے جو تحقیقات کا بحر ذخار ہے۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت باسعادت ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۷ر جولائی ۱۸۹۳ء میں جمعہ کے دن بوقت صبح صادق ہوئی۔ اور ۹۲ر سال کی عمر میں ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء کورات میں ایک بج کر چالیس منٹ پر وصال ہوا۔(۱)

(۱) آپ کے تفصیلی حالات اسی جلد کے آخر میں ''حضرت مصنف کے حالات'' کے عنوان میں ملاحظہ ہوں۔

تصنیفات وترتیبات

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ درس وتدریس اور ہدایت وارشاد وغیرہ طرح طرح کی مصروفیات کے باوجود مختلف موضوعات پر تصنیفات وتالیفات کا ایک بے بہا خزانہ چھوڑ گئے ہیں جو آپ کے بے پناہ علم وفضل، ذہانت وطباعی اور علمی عبقریت پر شاہد عدل ہیں۔ ان کے متعلق مولانا افتخار احمد مصباحی رقم طراز ہیں:

وہ (حضرت مفتی اعظم ہند) ایک عظیم محقق ومصنف بھی ہیں۔ ان کی تحریر میں ان کے والد جلیل امام احمد رضا قدس سرہ کے اسلوب کی جھلک اور ژرف نگاہی نظر آتی ہے۔ تحقیق کا کمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا جمال بھی۔ فتاویٰ کے جزئیات پر عبور کا جلوہ بھی نظر آتا ہے اور علامہ شامی کے تفقہ کا انداز بھی۔ تصانیف میں امام غزالی کی تحقیق اور امام رازی کی تدقیق اور امام سیوطی کی تلاش وجستجو کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔

[پندرہ روزہ رفاقت پٹنہ بحوالہ مفتی اعظم اور ان کے خلفا ص ۹۳]

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی جن تصنیفات وحواشی کا اب تک علم ہوسکا وہ درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ مصطفویہ:

اس کتاب کا پورا تاریخی نام ہے ''**المکرمۃ النبویۃ فی الفتاوی المصطفویۃ**'' (۱۳۲۹ھ) ہے۔

یہ پہلے چھوٹے چھوٹے تین حصوں میں طبع ہوا تھا۔ اس کا پہلا حصہ ایمان واعتقاد کے بارے میں بغیر فہرست مضامین ایک رسالہ سمیت ۴۳ فتاویٰ کا مجموعہ تھا جو ۱۲۴ر صفحات پر مشتمل تھا۔ اور دوسرے

حصہ میں بھی بغیر فہرست نماز اور احکام مسجد سے متعلق ۱۷/فتاویٰ تھے۔ جو ۱۱۲/صفحات پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس کے تیسرے حصہ کا آغاز بھی طہارت و نماز کے بقیہ مسائل سے ہوا تھا۔ اور پھر ابواب فقہ کی ترتیب پر جنائز، زکاۃ، روزہ، حج، نکاح و طلاق، بیوع اور وقف، اجارہ و غصب اور حظر و اباحت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل فہرست مضامین کے ساتھ کل ۲۵۳/فتاویٰ کا گنجینہ تھا۔ یعنی پہلے تین حصوں میں کل ۳۶۷/فتاوے تھے۔ اور اب یہ مجموعہ فتاویٰ مکمل فہرست کے ساتھ تین رسائل اور ۳۹۰/مسائل پر مشتمل ہے۔

جناب قربان علی صاحب حامدی بیسل پوری کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے کے تین حصوں میں صرف ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۹ھ تک کے فتاویٰ ہیں۔

[عرض حال فتاویٰ مصطفویہ حصہ سوم ص ۱۲]

لیکن مابعد کے کچھ فتاوے بھی اس میں شامل ہیں جیسے کہ حصہ سوم ص ۱۸/کا وہ فتویٰ کہ جس میں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے دیہات میں بنام جمعہ دو رکعت پڑھنے والوں کو ظہر فرض با جماعت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس فتویٰ کے سوال میں حضرت مفتی افضل حسین صاحب مونگیری علیہ الرحمہ کے بریلی دارالافتا سے لکھے گئے فتویٰ کا ذکر ہے اور وہ ان دس برسوں میں بریلی شریف موجود ہی نہیں تھے۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتاوے بے شمار قرآنی دلائل، حدیث شریف کے بے بہا شواہد اور فقہائے عظام وائمہ کرام کی عبارتوں کے حوالہ جات سے مالا مال ہیں۔ بعض فتاویٰ میں حضرت نے سیر حاصل بحث فرما کر کلام کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ اور کچھ فتاوے اگرچہ مختصر ہیں مگر وہ بھی بہت جامع ہیں جو آپ کے فقہی تبحر پر شاہد عدل ہیں۔

(۲) اشد العذاب علی عابد الخناس (۱۳۲۸ھ)

مولوی قاسم نانوتوی (جن کو دارالعلوم دیوبند کا بانی جھوٹ مشہور کیا گیا ہے) [ملاحظہ ہو ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بستوی کی تصنیف ''دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟'']

اس رسالہ میں ان کی تصنیف ''تحذیر الناس'' کا رد بلیغ ہے۔

(۳) وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان (۱۳۳۰ھ)

یہ کتاب ۴۷/صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مولوی اشرف علی تھانوی کی تصنیف ''بسط البنان''

اور مولوی قاسم نانوتوی کی یہ تحذیر الناس پر بھر پور تنقید کی گئی ہے۔ پھر اس کے اندر تھانوی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں سے ۱۳۲؍سوالات کئے گئے ہیں جو بذریعہ رجسٹری تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے جن کے جوابات سے وہ پوری زندگی عاجز رہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کی پوری جماعت قیامت تک عاجز رہے گی۔

(۴) الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی (۱۳۳۱ھ)

یہ رسالہ گویا ''حسام الحرمین'' کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔ اس میں ''تفسیر نعمانی'' کے مؤلف پر حکم کفر وارتداد ہے۔ اعلیٰ حضرت اور حضرت صدر الشریعہ علیہما الرحمۃ والرضوان وغیرہما کی اس کتاب پر تصدیقات ہیں۔

(۵) النکتۃ علی مرآۃ کلکتہ (۱۳۳۲ھ)

یہ رسالہ مسئلہ اذان سے متعلق ہے۔ جو ۸؍صفحات پر مشتمل ہے، اس میں حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے بیان فرمایا ہے کہ اذان حدود مسجد یا فنائے مسجد میں ہو۔ داخل مسجد مکروہ وممنوع ہے۔ یہی ائمہ کرام کی تصریحات ہیں اور یہی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ حدود مسجد میں مسجد کی دیواریں، فصیلیں اور دروازہ سب داخل ہیں۔ اس رسالہ میں حضرت نے ائمہ عظام کی دس تصریحات پیش کی ہیں اور ان کی روشنی میں اذان سے متعلق علمائے کلکتہ کے شبہ کو دور فرمایا ہے۔

(۶) صلیم الدین لتقطیع حبالۃ الشیطان (۱۳۳۲ھ)

مولوی عبد الغفار خاں رام پوری نے اپنی کتاب اٰثار المبتدعین میں مسئلہ اذان سے متعلق سو کتابوں کا جھوٹا نام دے کر مسلمانوں کو دھوکا وفریب میں ڈالا تھا۔ یہ رسالہ اسی کتاب کا پہلا رد ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے اس میں مسئلہ اذان کو اپنی تحقیق وتدقیق سے ثابت کیا اور مولوی مذکور کے جھوٹ سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا۔

(۷) سیف القہار علی عبید الکفار (۱۳۳۲ھ)

یہ کتاب آثار المبتدعین کا دوسرا رد ہے۔ مولوی عبد الغفار خاں رام پوری نے بریلی شریف کے ایک مطبوعہ فتاویٰ پر کمال نافہمی کی۔ اس رسالہ میں اس کی بھر پور پردہ دری کی گئی ہے۔

(۸) نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار (۱۳۳۲ھ)

یہ رسالہ ۲۸؍صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق مولوی عبد الغفار خاں

رام پوری کی تیسری تحریر کا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے مدلل رد فرمایا ہے جس میں قاضی عطا علی صاحب بیسل پوری اور مولوی سید ظہیر حسن صاحب الہٰ آبادی کی تحریریں بھی کچھ شامل ہیں۔

(۹) مقتل کذب و کید (۱۳۳۲ھ)

یہ رسالہ ۷۶؍صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بھی مسئلہ اذان کے متعلق مولوی عبد الغفار رام پوری کی تحریر کا رد ہے۔

(۱۰) مقتل اکذب واجہل (۱۳۳۲ھ)

یہ رسالہ بھی مسئلۂ اذان سے متعلق ہے جو ۱۶؍صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے مولوی عبد الغفار خاں رام پوری کی پانچویں تحریر کا رد فرمایا ہے۔ اور مولوی صاحب رام پوری کی اس تحریر کا پہلی تحریروں سے بھی زیادہ اکذب واجہل ہونا اظہر من الشّمس کر دیا ہے۔

(۱۱) ادخال السنان إلى الحنک الحلقی بسط البنان (۱۳۳۲ھ)

یہ کتاب ۸۸؍صفحات پر مشتمل ہے جو حفظ الایمان کی کفری عبارت کی صفائی میں لکھے گئے رسالہ ''بسط البنان'' کا دوسرا ردو جواب ہے۔ اس کے متعلق خود حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں اس میں تھانوی صاحب سے ایک سو ساٹھ قاہر سوال نہیں (بلکہ) سر وہابیہ پر ایک سو ساٹھ جبال ہیں۔ چھ سال ہوئے کہ تھانوی صاحب کے یہاں رجسٹری شدہ گیا ہے اور آج تک بحمد اللہ لا جواب ہے۔

(۱۲) وقایۃ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنہ (۱۳۳۲ھ)

یہ رسالہ ۸۴؍صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جمعہ میں اذان ثانی کے متعلق کسی کانپوری دیوبندی نے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس میں اس کی جہالتوں اور سفاہتوں کا دو حصوں میں رد ہے۔ پہلے حصہ میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے سنی بھائیوں سے گزارش کی ہے کہ وہ ہر بد دین گمراہ سے دور رہیں اور ان کو اپنا دینی دشمن سمجھیں۔

(۱۳) الٰہی ضرب بہ اہل الحرب (۱۳۳۲ھ)

یہ رد کا دوسرا حصہ ہے جو وقایۃ اہل السنہ کے ساتھ ہے اور اس کے ص ۷۶؍سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ نے دیوبندیوں پر قہر کی بارش کی ہے اور کانپوری تحریر کا بھرپور رد بلیغ فرمایا ہے۔

(۱۴)الموت الاحمر علی کل انحس اکفر(۱۳۳۷ھ)

بقول نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی اس کا دوسرا نام ''ہشتاد بید و بند بر مکاری دیو بندی'' ہے۔ [انوار مفتی اعظم ص ۲۷۶]

یہ کتاب ۸۸؍صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں دیو بند کے مسلک پر بھر پور تنقید وتبصرہ کیا گیا ہے اور حق کی حقانیت کو خوب واضح کیا گیا ہے اور مذہب دیو بند پر بڑے بڑے ٹھوس اعتراضات اور مضبوط مواخذے کیے گئے ہیں۔اس کے اندر کل اسی (۸۰) سوالات ومواخذات ہیں۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم الانبیا ہونے اور ''مولوی اسماعیل دہلوی'' کی فقہی تکفیر کی بحثیں بھی نہایت تحقیق سے پیش کی گئی ہیں۔

(۱۵)الملفوظ چار حصے(۱۳۳۸ھ)

یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربہ القوی کے علوم ومعارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جو ان کے ارشادات و ہدایات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے۔ یہ اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں بلکہ ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے علم وحکمت کے جواہر پارے ہیں جنھیں حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے جمع فرما کر شائع کیا۔

(۱۶)القول العجیب فی جواز التثویب(۱۳۳۹ھ)

یہ رسالہ اذان کے بعد صلاۃ وسلام پکارنے کے متعلق چند فتاوے کا مجموعہ ہے۔ جو حجم کے اعتبار سے تو بہت چھوٹا ہے کہ صرف ۱۲؍صفحات پر مشتمل ہے لیکن مفاہیم ومعانی کے لحاظ سے نہایت ہی جامع ہے۔

(۱۷)الطاری الداری لہفوات عبد الباری(۱۳۳۹ھ)

یہ کتاب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی کے درمیان ہونے والی جملہ مراسلت کا مجموعہ ہے۔اعلیٰ حضرت نے مولانا کو ان کے غلط نظریہ سیاست کے متعلق ۲۲؍خطوط لکھے اور انھوں نے جواب میں ۱۶۔حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ نے ان سارے خطوط کو اس کتاب میں جمع فرما کر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں حسنی پریس بریلی شریف سے تین حصوں میں شائع کیا۔اور ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں شاہ پیر محمود احمد صاحب قادری کی ترتیب جدید اور ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی کی تنقیدات وتعاقبات کے ساتھ لاہور سے ایک جلد میں طبع ہوئی جو ۳۳۶؍صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

(۱۸)طرق الھدیٰ والارشاد إلی احکام الامارۃ والجھاد(۱۳۴۱ھ)

اس رسالہ میں جہاد، خلافت، ترک موالات، نان کوآپریشن اور قربانی گاؤ وغیرہ کے متعلق چھ سوالات کے جوابات ہیں۔اس میں صفحہ نمبر کے ساتھ کتاب تذکرۃ الرشید کے وہ جملے بھی جوانگریزوں کی تعریف اور مسلمانوں کی توہین میں کہے گئے ہیں درج ہیں۔اوراس پرحضرت علامہ ابوالشرف محمد شرف الدین اشرف الجائسی کا ایمان افروز ۱۳؍صفحات پر مشتمل پیش لفظ ہے۔آخر میں حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب اعظمی ،حضرت صدرالا فاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی، شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب لکھنوی، حضرت مولانا مفتی سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی اورحضرت مولانا حسنین رضا قادری نوری بریلوی وغیرہم جلیل القدر مفتیان کرام وعلمائے عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کی تصدیقات ہیں۔یہ رسالہ اس مجموعۂ فتاویٰ کی چھٹی جلد میں ہے۔

(۱۹)فصل الخلافہ۔

یہ رسالہ ۱۳۴۱ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔اس کا لقب سوراج درسوراخ ہے۔اس رسالہ میں مسئلہ خلافت اورترکوں کے ہاتھوں ختم خلافت پر بحث کی گئی ہے۔

(۲۰)حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ(۱۳۴۲ھ)

یہ رسالہ ۴۸؍صفحات پر مشتمل ہے،بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ انھوں نے یہ بتائی تھی کہ شریف مکہ ظالم ہےاوراس کے مظالم قرامطہ جیسے ہیں۔اوراُس وقت علمائے حج کی ممانعت فرمائی تھی۔لہذااِس وقت بھی اس کی ممانعت ہونی چاہیے۔حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اس رسالہ میں اس کا رد بلیغ فرمایا۔اورحج فرض ہونے کے بعدفوراًاس کی ادائیگی واجب ہے۔ اس کوواضح دلائل سے ثابت فرمایا۔

(۲۱)القسورہ علی ادوارالحمرالکفرہ(۱۳۴۳ھ)

اس کالقبی نام ’’ظفرعلی رمۃ کفر‘‘ ہےجس سے ۱۹۲۵ء کا عددنکلتا ہے۔اورعرفی نام ’’سیف الجبار علی کفرزمیندار‘‘ ہے۔اس میں حضرت مفتی اعظم ہندقبلہ قدس سرہ نے اخبارزمیندار میں شائع ہونے والے مندرجہ ذیل تین کفری اشعارکارد بلیغ فرمایاہے۔

یہ سچ ہےاس پہ خدا کا چلانہیں ہیں قابو   مگرہم اس بت کافرکورام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہےلندن میں   وہیں پہنچ کےہم اس سےکلام کرلیں گے

جومولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی   خدا خدا نہ سہی رام، رام کرلیں گے

اس رسالہ پر تمہید حمید حضرت مولانا سید ابوالبرکات سید احمد رضوی صدر انجمن حزب الاحناف لاہور کی ہے جو بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس فتویٰ پر حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی، حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا محمد حشمت علی صاحب لکھنوی اور حضرت مولانا مفتی تقدس علی صاحب رضوی بریلوی وغیرہم ۱۹/اکابر اہل سنت کی تصدیقات ہیں۔ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی تائید میں حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب صدرالمدرسین شمس العلوم بدایوں، حضرت مولانا مفتی اولادرسول محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشین آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب درس السنوی الحنفی مفتی کراچی اور حضرت مولانا مفتی محمد ریحان حسین صاحب مدرس ارشادالعلوم رام پور کے فتاوے بھی علمائے اہل سنت کی تصدیقات کے ساتھ آخر میں شامل ہیں۔ یہ رسالہ اس مجموعہ فتاوی کی جلد ششم میں ہے۔

(۲۲) سامان بخشش (۱۳۴۷ھ)

عرف گلستان نعت نوری ۱۳۵۴ھ۔

یہ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ کا نعتیہ دیوان ہے جو ۱۴۴/صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں حمد باری تعالیٰ اور نعت ومناقب کے ساتھ غزل ورباعیات بھی ہیں۔ آپ کی شاعری میں جگہ جگہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کی شاعری کا بھرپور عکس نظر آتا ہے۔ یہ دیوان ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۴ھ کے درمیان مکمل ہوا۔ اس لیے حضرت نے دونوں سنوں کے حساب سے اس کے دونام رکھے۔

(۲۳) طردالشیطان (عمدۃ البیان)

اس کے متعلق جناب ڈاکٹر عبدالنعیم صاحب عزیزی رقم طراز ہیں کہ نجدی حکومت نے (حاجیوں پر) جوٹیکس لگایا تھا اس کے رد میں حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔

(۲۴) مسائل سماع

یہ رسالہ ۳۲/صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں محفل سماع وسرور، راگ ورقص اور مزامیر ومعازف سے متعلق پہلا جواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربہ القوی نے نہایت جامع اور

مفصل طور پر تحریر فرمایا ہے جو ۱۹ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا جواب حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے جو ۱۳ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

(۲۵) مسلک مرادآباد پر معترضانہ ریمارک۔

حضرت مولانا سید شاہد علی صاحب رام پوری رقم طراز ہیں کہ صولت لائبریری رام پور کی فہرست مطبوعات اردو (مناظرۂ فرق) کے ص ۲۴ ر سطر ۱۱ر میں اس کتاب کو حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی تصنیف تحریر کیا ہے۔ اندراج ۳۹۷ ر ہے۔ مگر کتاب طلب کرنے پر نہ مل سکی۔

(۲۶) نہایۃ السنان (۱۳۳۲ھ)

یہ مولوی اشرف علی تھانوی کے رسالہ ''بسط البنان'' کا تیسرا رد ہے۔ ''ادخال السنان'' کے آخر میں تائیٹل پر اس رسالہ کا اعلان ہے۔

(۲۷) شفاء العی فی جواب سوال بمبئی۔

اس رسالہ میں سوال ہے کہ کیا تمامی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر عمل ممکن ہے؟ اور کیا اجماع امت و قیاس مجتہدین اصول مذہب سے ہیں؟ اگر ہیں تو ان کے منکرین کا حکم کیا ہے؟ اور کیا کتب فقہ کے احکام کی تعمیل کے بغیر اسلام کامل ہوسکتا ہے؟ اور کیا اہل قرآن و اہل حدیث اہل سنت و جماعت سے ہیں؟ اسی طرح کے بمبئی سے آئے ہوئے چند سوالوں کے ایک استفتا کا جواب ہے۔ جو اس مجموعہ فتاویٰ کی جلد ششم میں ہے۔

(۲۸) الکاوی فی العادی والغاوی (۱۳۳۰ھ)

(۲۹) القسم القاصم للداسم القاسم (۱۳۳۰ھ)

(۳۰) نور الفرقان بین جند الالہ واحزاب الشیطان (۱۳۳۰ھ)

(۳۱) تنویر الحجہ بالتواء الحجہ

(۳۲) وہابیہ کی تقیہ بازی

(۳۳) الحجۃ الباہرہ

(۳۴) نور العرفان

(۳۵) داڑھی کا مسئلہ

یہ آٹھ رسالے حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات میں شمار کیے گئے ہیں ۔مگر راقم الحروف کو ان کے متعلق کچھ تعارف حاصل نہ ہو سکے۔

حواشی

(۳۶) کشف ضلال دیو بند (حواشی و تکمیلات الاستمداد۔ (۱۳۳۷ھ)

یہ کتاب ۱۸۲/صفحات میں ہے جو کہ ۳۶۰/اشعار پر مشتمل اردو میں ایک قصیدہ ہے جسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربہ القوی نے نظم فرمایا ہے۔ان اشعار پر حواشی اور ان کی شرح مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمائی ہے۔

(۳۷) حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول

حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب رضوی شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی شریف کی روایت کے مطابق یہ حاشیہ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان ہی کا تحریر فرمودہ ہے۔

(۳۸) حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم

یہ ترتیب جدید کے لحاظ سے ہے۔اور سابق ترتیب کے اعتبار سے یہ جلد چہارم کا حاشیہ ہے۔ اس لیے کہ موجودہ جلد پنجم کے ص ۳/ پر یوں تحریر ہے:

"**العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه**" کی ۱۲/مجلدات سے کتاب النکاح کا حصہ چہارم بہ تصحیح و اضافہ فوائد: از فقیر ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری رضوی نور اللہ بالنور الصوری والمعنوی وحقق املہ واصلح عملہ۔

نوٹ: بعض لوگوں نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب حضرت مفتی اعظم کی طرف منسوب کی ہے مگر وہ صحیح نہیں۔شارح بخاری فقیہ عصر حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی تحریر فرماتے ہیں: کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کر دی جب کہ یہ کام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا ہے۔حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا کہ جب میں اجمیر جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا۔میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا اور عجلت میں نہ فہرست بنا سکا اور نہ فوائد لکھ سکا۔ٹائیٹل حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگا دیا۔ [انوار مفتی اعظم ص ۲۷۷]

(۳۹) حاشیہ تفسیر احمدی۔

(۴۰) حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ۔ بقول حضرت مفتی محمد اعظم صاحب رضوی شیخ الحدیث مظہر اسلام یہ دونوں حاشیے رضوی دارالافتا بریلی میں قلمی موجود ہیں۔

نوٹ: تصنیفات وحواشی کے یہ تعارف کتاب مفتی اعظم ہندوان کے خلفا اور انوار مفتی اعظم سے ماخوذ ہیں۔

محترم جناب قربان علی صاحب حامدی بیسل پوری اور جناب مولانا ڈاکٹر فیضان علی صاحب کی کوششوں سے جب فتاویٰ مصطفویہ حصہ اول ودوم مکتبۃ الرضا بیسل پور ضلع پیلی بھیت سے پہلی بار طبع ہوکر منظر عام پر آئے تو انھیں دیکھ کر بے انتہا افسوس اور بے پایاں رنج ہوا کہ حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلفا اور ان کے مریدین ومعتقدین نے ان علمی جواہر پاروں کے ساتھ بڑی بے اعتنائی اورلا پرواہی سے کام لیا ہے ورنہ یہ فتاوے اتنی خراب کتابت، لیتھو طباعت اور معمولی کاغذ پر نہ طبع ہوتے۔ انھیں دیکھ بھی حضرت کے مالدار مریدوں کو غیرت نہیں آئی یہاں تک کہ تیسرا حصہ بھی پہلے دوحصوں کی طرح انھیں مجبوراً خراب ہی چھپوانا پڑا جنھیں کسی کو دکھا کر یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کے فتاوے ہیں۔

اس لیے میری بہت دنوں سے تمنا تھی کہ حضرت کے فتاوے ان کی شان کے لائق اچھی کتابت اور معیاری طباعت کے ساتھ عمدہ کاغذ پر طبع ہوجائیں۔ اس سلسلے میں ہم نے کئی لوگوں سے کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ حضرت مفتی اعظم قبلہ کے ایسے مالدار مریدوں پر دباؤ بھی ڈالا جو اپنے آپ کو حضرت کا بہت بڑا شیدائی وفدائی ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی بھی فتاوی مصطفویہ چھپوانے کے لیے تیار نہ ہوا۔

یہ بہت بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضرت مفتی اعظم قبلہ کے عرس میں کھانے پینے اور اسٹیج کی سجاوٹ وغیرہ پر چالیس پچاس ہزار بلکہ لاکھ دو لاکھ تک خرچ کردینا ان کے مریدین کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن جب حضرت کی کوئی تصنیف چھپوانے کے لیے ان سے کہا جاتا ہے تو یہ بات ان کے حلق سے نہیں اترتی۔

فتاویٰ مصطفویہ اعلیٰ پیانے پر چھپوانے کے لیے رضا اکیڈمی ممبئ کے فعال ومتحرک سکریٹری جناب الحاج محمد سعید صاحب نوری سے بھی ہم نے کہا مگر جب ان کی طرف سے بھی خاموشی رہی تو ہمیں سخت حیرت ہوئی کہ وہ رضا اکیڈمی کی طرف سے بہت سی کتابیں چھپوا کر مفت بھی تقسیم کرتے رہتے ہیں تو اپنے پیرومرشد کے فتاوے چھپوانے کے لیے کیوں نہیں تیار ہوئے۔ یہاں تک کہ مجھے ان سے ایک طرح کا

ملال ہو گیا۔

پھر جب ۱۰؍شوال ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء کو رضا اکیڈمی کی جانب سے امام احمد رضا ایوارڈ لینے کے لیے ہم بمبئ گئے تو فتاویٰ مصطفویہ نہ چھپوانے کی وجہ ان سے دریافت کی۔ انھوں نے کہا کہ فلاں مفتی صاحب کا مشورہ ہے کہ اس کتاب کی ساری عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ ہو جائے اس کے بعد طبع ہو۔ ہم نے کہا جس طرح فتاویٰ رضویہ کی ساری جلدیں پہلے اپنی اصلی حالت پر چھپ گئیں اور اب وہ عربی عبارتوں کے اردو ترجمہ کے ساتھ طبع ہو رہی ہیں۔ اسی طرح اصل فتاویٰ مصطفویہ آپ ترتیب جدید کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر چھپوا دیں پھر بعد میں ان کی عربی عبارتوں کا ترجمہ ہوتا رہے گا۔(۱)

بحمدہ تعالیٰ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ انھوں نے کہا اس کے چھپوانے پر تو ہم پیسے خرچ کر سکتے ہیں لیکن ہم کوئی علمی کام نہیں کر سکتے۔ اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ ترتیب جدید اور اس کی کتابت کی تصحیح وغیرہ کا سارا کام مرکز تربیت افتا اوجھا گنج سے فی سبیل اللہ ہو جائے گا۔

واپسی میں اس کے تینوں حصے انھوں نے ہمیں اسٹیشن بھیجوا دئے۔ وطن پہنچ کر دارالافتا امجدیہ کے بہت ضروری کاموں سے فارغ ہو کر کتابت کی غلطیاں صحیح کرنے کے لیے ہم نے اس کو بغور پڑھنا شروع کر دیا۔ ۶؍ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۶؍مارچ ۱۹۹۸ء بروز جمعہ دن میں ۱۰؍بجے اس کا کچھ مطالعہ کرنے کے بعد ہم سو رہے تھے تو خواب دیکھا کہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ قدس سرہ دارالافتا امجدیہ اوجھا گنج میں تشریف لائے ہیں اور بہت خوش ہیں۔

جب خواب سے بیدار ہوئے تو اس کی مسرت افزا کیفیت سے ہم شرابور تھے۔ خواب کی تعبیر بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ہمارے اس کام سے بہت مسرور ہیں اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے فتاوے نئی آن بان کے ساتھ طبع ہو جائیں۔

اس مبارک خواب نے ہمارے کام میں تیزی پیدا کر دی۔ کتابت پرانے انداز کی تھی ہم نے جدید طرز کے طور پر جگہ جگہ اس میں پیرابندی کی۔ عزیزم مولانا مفتی محمد ابرار احمد امجدی نے ہماری نگرانی میں نئی ترتیب سے اس کو آراستہ کیا۔ اور آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال فقہا اور افکار ائمہ کو بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ حوالوں سے مزین کیا۔ اس کام کے لیے علیمیہ لائبریری جمدا شاہی کا دو بار انھیں سفر بھی کرنا پڑا۔ ہم نے اس کی فہرست تیار کی اور کاتب کا مکان چوں کہ اوجھا گنج سے دور ہے اس لیے بار بار

---

(۱) الحمدللہ آج پندرہ سال بعد بہت کچھ اضافوں کے ساتھ حضرت فقیہ ملت علیہ الرحمہ کا یہ فرمان پورا ہو گیا۔ ۱۲ مرتب

وہاں جانے آنے کی دشواریوں اور طرح طرح کی پریشانیوں سے گزرنے کے بعد اس کی کتابت مکمل ہوئی۔ پھر الحاج محمد سعید صاحب نوری کے اہتمام اور رضا اکیڈمی بمبئی کے خرچ سے طبع ہو کر یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں آئی۔

کتابت مکمل ہونے کے بعد جو فتاوے موصول ہوئے وہ ضمیمہ کے تحت اس مجموعہ میں شامل کئے گئے ہیں اور مبادیات کے صفحات اصل کتاب سے الگ کر دیئے گئے ہیں تاکہ ضرورت پر ان میں بہ آسانی حذف و اضافہ کیا جاسکے۔ پرانی طباعت اور نئی کتابت کے اغلاط کی تصحیح کے لیے پوری کتاب تین بار پڑھی گئی پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو آگاہ کیا جائے۔ آئندہ ایڈیشن میں اسے صحیح کر دیا جائے گا۔

جناب صوفی قربان علی صاحب حامدی اور جناب مولانا ڈاکٹر فیضان علی صاحب بیسل پوری کہ جن کی کوششوں سے حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ کے کچھ فتاوے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ اور وہ تمام حضرات کہ جنھوں نے فتاویٰ مصطفویہ کی ترتیب قدیم و جدید میں کسی طرح کا بھی تعاون پیش کیا۔ خدائے عزوجل ان سب کو اجر جزیل و جزائے جلیل سے سرفراز فرمائے۔ اور رضا اکیڈمی بمبئی کے بانی الحاج محمد سعید صاحب نوری اور اس کے جملہ ارا کین و معاونین کی ساری دینی و ملی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے اور انھیں حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ساری تصنیفات کو زیادہ سے زیادہ شائع کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ امین بحرمۃ سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین

جلال الدین احمد امجدی

۲۲/ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ/ ۲۹/مارچ ۲۰۰۰ء

مقدمہ

فقہ وفتاویٰ مختلف مراحل میں

از محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم

حضور سید عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اسلامی احکام کی اساس قرآن کریم تھا اور یہی آج بھی اصل الاصول ہے۔ عہد رسالت میں جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا۔ یا کوئی دینی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن حکیم اس کو بیان کر دیتا۔ بہت سے مواقع پر آیات قرآنیہ کے اسباب نزول یہی درپیش مسائل وواقعات ہیں۔ انہی کو شان نزول کہا جاتا ہے۔ پھر بیشتر موقعوں پر ایسا بھی ہوا کہ کسی شرعی حکم کی ضرورت لاحق ہوئی اور اس کی وضاحت قرآن کریم میں نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سنت کریمہ سے اس کی وضاحت کر دی۔ کیوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت وتعلیم اور اس کی تبیین وتوضیح کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

[سورة آل عمران:١٦٤]

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

ساتھ ہی آپ کو ایسی عظمت شان عطائی فرمائی کہ آپ کے اقوال وفرامین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی قرار دیا۔قرآن فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾[سورة النجم: ٣، ٤]

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

لہٰذا آپ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی احکام کی بنیاد جس طرح قرآن عظیم کی تعلیمات ہیں اسی طرح سنت رسول کو بھی اساسی حیثیت حاصل ہے اور یہ بھی مماثل قرآن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يوشك الرجل متكئا على أريكته يحدث بحديث من حديثي فيقول : بيننا وبينكم كتاب الله عزوجل ،فماوجدنا فيه من حلال استحللناه، وماوجدنا فيه من حرام حرمناه ،ألا وان ماحرم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مثل ماحرم الله ـ (السنن لابن ماجه ،عن المقدام بن معدى كرب الكندى، ١/٣)

عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ آدمی اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور اس کے سامنے میری حدیث بیان کی جائے گی تو وہ جواب میں کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی اللہ کی کتاب ہے، جو کچھ ہم اس میں حلال پائیں گے اسے حلال جانیں گے اور جو کچھ حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے۔آگاہ رہو کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام فرمایا وہ بھی ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا۔

اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطائے ربانی سے بہت سے فیصلے اس طرح فرمائے کہ گویا آپ اپنے اجتہاد سے فرمارہے ہیں۔مثلا:

ایک مرتبہ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون حاضر خدمت ہوئیں،عرض کرنے لگیں: یارسول اللہ! میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر ان کا اچانک انتقال ہوگیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں۔آپ نے فرمایا: اگر ان پر کسی کا دین ہوتا تو کیا تم ادا نہیں کرتیں؟۔بولیں ہاں،فرمایا:

((فالله أحق بالوفاء))

[صحیح بخاری: کتاب المناسک،۱۸۵۲،۱/۲۴۹]

تو اللہ تعالیٰ کا دین اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔

یہ اگرچہ آپ کی حدیث ہے جس کو اسلام میں اساسی مقام اور بنیادی حیثیت حاصل ہے مگر اجتہاد کی جانب صاف الفاظ میں اشارہ ہے۔ اور یہ اپنے امتیوں کو اس بات کی تلقین ہے کہ جب تم کتاب وسنت میں کوئی واضح حکم نہ پاسکو تو کسی حکم صریح کے ذریعہ اس کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کرنا، چنانچہ آپ نے ایک موقع پر واضح الفاظ میں اجتہاد کی ہدایت فرمائی۔ وہ یوں ہے کہ....

جب ملک یمن فتح ہوگیا تو وہاں شرعی احکام کی رہنمائی اور ان کو نافذ کرنے کے لیے آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو مقرر فرمایا، جب وہ یمن جانے لگے تو فرمایا:

بما تحكم؟ يامعاذ! قال: بكتاب الله ، قال: فإن لم تجد؟ قال: فبسنة رسول الله ، قال: فإن لم تجد؟ قال: أجتهد برأيي، فقال : الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .

اے معاذ! تم کس طریقے سے وہاں فیصلے کروگے، آپ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کی روشنی میں فیصلہ کروں گا، فرمایا: اور وہ حکم تمہیں قرآن میں نہ مل سکا تو کیا کروگے؟ عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اور سنت رسول میں بھی وہ مسئلہ نہ مل سکا تو کیا کروگے، عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی اور اس تائید ربانی پر نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو صحیح عمل کی توفیق بخشی۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مقدمہ آیا، آپ نے میرے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فیصلہ کرنے کا حکم صادر فرمایا، انھوں نے اپنی کم علمی کا عذر پیش کیا، فرمایا: اگر صحیح فیصلہ کروگے تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر کوشش کے باوجود غلطی ہوگئی تو ایک نیکی ضرور حاصل ہوگی۔

[مسند امام احمد بن حنبل۔۱۷۷۹۱]

یہی ہے وہ فقہ اور دین کی سمجھ ہے جس کو دوسرے موقع پر آپ نے یوں بیان فرمایا:

"من يرد الله به خيراً يفقهه فى الدين."

[مسند امام احمد بن حنبل: ۹۴/۳]

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

قرآن نے یوں خوش خبری سنائی:

﴿وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [البقرہ:۲۶۸]

اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی دی گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ بھلائی ہر شخص کا حصہ نہیں، لہٰذا فقہ اور دین کی سمجھ حاصل کرنے کی کوشش بھی ہر ایک پر لازم اور ضروری نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں، تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ ہے کہ فقہ وافتا میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ہر دور میں ایک جماعت کی ضرورت ہے جو اپنی فہم وفراست، بالغ نظری اور دینی سمجھ سے لوگوں کو مسائل شریعت سے آگاہ کرتی رہے۔ اس طرح کا شغف سب پر لازم نہیں۔

عہد صحابہ میں فقہ وفتاویٰ

عہد صحابہ میں فقہ واجتہاد کا عام رواج تھا۔ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وعمل سے اجتہاد کی سند مل چکی تھی لہٰذا صحابہ کرام نے اس سلسلہ کے بے شمار مسائل میں اپنے اجتہاد اور بالغ نظری سے لوگوں کی ہدایت کا سامان فراہم کیا۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جس وقت یمن کے قاضی تھے تو آپ کے پاس تین شخص ایک لڑکے کا مقدمہ لے کر آئے، ہر شخص مدعی تھا کہ یہ میرا ہے۔ آپ نے پہلے تو ہر ایک کو اس بات پر راضی کرنا چاہا کہ وہ دوسرے کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ مگر جب کوئی نہیں مانا تو آپ نے قرعہ اندازی کر کے لڑکا اس کو دے دیا جس کے نام قرعہ نکلا اور باقی دونوں کو حکم دیا کہ وہ اس سے ایک ایک تہائی دیت وصول کر لیں۔ [الفقیہ والمتفقہ للخطیب: من حکم باجتہادہ، ۱۸۸]

اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں جو صحابہ کے اجتہادات پر مشتمل ہیں۔مثلا
بنو قریظہ کے سلسلہ میں حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ اجتہادی تھا۔

بنو قریظہ کے واقعہ میں یہ بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ فوراً تیار ہو کر بنو قریظہ کی بستیوں کی طرف چلو اور اتنی تیزی کے ساتھ وہاں پہنچو کہ نماز عصر بھی وہیں ادا کرنا ہے۔مگر وقت عصر درمیان میں آگیا اور وہاں پہنچنے پر نماز قضا ہو جاتی۔لہذا کچھ صحابہ نے درمیان راہ میں نماز عصر پڑھی، اور کچھ نے منزل پر پہنچ کر قضا پڑھی، مگر دونوں میں سے کسی پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے عتاب نہ ہوا، صرف اس وجہ سے کہ دونوں جماعتوں نے اپنے اجتہاد سے جو چاہا فیصلہ کیا۔

عہد خلافت راشدہ

اس زمانہ میں خاص طور پر صحابہ کے اجتہادات کا آغاز ہوا۔اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد نزول قرآن کا سلسلہ بند ہو گیا اور آیات قرآنیہ کی توضیح وتفسیر جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے معلوم ہوتی تھی یعنی حدیث وسنت کے ذریعہ رہنمائی ملتی تھی وہ منقطع ہو گئی۔لہذا اب جدید حوادث ومسائل میں یا تو اجماع کی صورت تھی یا پھر اجتہاد وقیاس کا طریقہ تھا جس سے پیش آمدہ مسائل حل کیے جاتے تھے۔

چناں چہ حضور کے وصال کے بعد سب سے پہلا مسئلہ خلیفۂ رسول کا انتخاب، یہ اجماع کے ذریعہ ہی طے پایا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے کوفہ کے قاضی شریح کو جو حکم نامہ تحریر فرمایا وہ اس طرح تھا:

جب کتاب اللہ میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو، کسی دوسری جانب توجہ کی ضرورت نہیں۔اور اگر کوئی ایسا معاملہ سامنے آئے جس کا حکم قرآن میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو۔اور اگر ان دونوں میں نہ ملے تو جس پر لوگوں کا اجماع ہے اسی کے مطابق فیصلہ کرو، پھر اگر تینوں مصادر شریعت میں نہ مل سکے تو اجتہاد کر کے فیصلہ کرو۔

[جامع بیان العلم لابن عبد البر باب اجتہاد الرائے]

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ جن مسائل کے

سلسلہ میں قرآن وحدیث میں کوئی نص نہ ملے ان میں اہم شخصیتوں کو جمع کیا جائے اور مشورہ کے بعد جو طے پائے اسی کے مطابق فیصلہ سنایا جائے۔

[سنن الدارمی ۔ باب الفتیا ومافیھا من الشدۃ ۔ ۱/۵۳]

امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا مسئلہ حضرت عمر فاروق اعظم کی پہل پر ہی طے ہوا اور پھر اس پر سب کا اجماع ہوگیا۔

صدیق اکبر کے زمانہ اقدس میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جو اسی باہم مشورہ اور بحث ومباحثہ کے بعد طے ہوئے اور ان پر اجماع ہوگیا۔ جیسے منکرین زکاۃ سے جہاد۔ قرآن کریم کی جمع وتدوین۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو چھوڑا ان میں میراث کے اصول کا جاری نہ ہونا۔ حضور کی جائے وصال پر تدفین عمل میں آنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام باتوں پر اتفاق واجماع کے ساتھ بہت سے مسائل وہ ہیں جن میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف رہا اور اجماع منعقد نہ ہوسکا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جس کو جو حدیث پہنچی، یا انھوں نے خود حضور کو جیسا کرتے دیکھا وہ اسی پر گامزن ہوگئے۔ جب کہ دوسرے صحابہ نے اس کی تاویل کی۔ کتب حدیث میں اس طرح کے اختلافات بکثرت مذکور ہیں۔ مثلاً:

مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم، ابوہریرہ، براء بن عازب، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، اور سعد بن ابی وقاص کا یہی فتویٰ تھا۔

جب کہ حضرت مولیٰ علی، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس، ابو درداء اور عمران بن حصین اس کے خلاف تھے یعنی وضو نہیں ٹوٹتا۔

آگ سے پکی ہوئی چیزیں استعمال کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر، ابوطلحہ، انس بن مالک، ابوموسیٰ اشعری، ام المومنین عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، ابوہریرہ کا یہی مسلک تھا۔

جب کہ حضرات خلفائے اربعہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عامر بن ربیعہ، ابی ابن کعب، ابوامامہ باہلی، ابودرداء، مغیرہ بن شعبہ اور جابر بن عبداللہ اس کے خلاف ہیں کہ ان کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔

نکسیر اور کسی زخم وغیرہ سے خون نکل کر بہہ جائے پھر بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن ابی اوفی، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ اور ام المومنین عائشہ

صدیقہ کا یہی مسلک تھا۔

جب کہ صحابہ کرام عشرۂ مبشرہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، ابودرداء اور ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے خلاف ہیں۔

اسی طرح عمامہ اور اوڑھنی پر مسح کے بارے میں اختلاف ہوا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ اوڑھنی پر مسح کرتیں اور حضرت عروہ بن زبیر ان دونوں پر مسح کو جائز قرار نہیں دیتے تھے اور جمہور صحابہ بھی اسی کے قائل تھے۔

جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا نہیں، صحابہ میں اس سلسلہ میں بھی اختلاف تھا۔ بلی کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ نے تمام صحابہ سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس کا جوٹھا کتے کے جوٹھے کی طرح ہے۔

رفع یدین کا مسئلہ جو آج تک معرکۃ الآرا ہے، اس میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا موقف ترک رفع یدین تھا مگر دوسرے صحابہ رفع یدین کے قائل تھے۔

قراءت خلف الامام کے سلسلہ میں بھی اختلاف تھا، حضرت عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہ اس کے قائل تھے مگر حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ اور زید بن ثابت منع کرتے تھے۔

چوں کہ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد مجتہد تھی، لہذا یہ حضرات نص نہ ملنے پر اجتہاد کرتے اور اپنا مسلک لوگوں پر واضح کرتے۔ ایسے حالات میں نظر وفکر کے اختلاف کے سبب ایک ہی مسئلہ میں مختلف آرا سامنے آتیں اور یہ اختلاف شائع وذائع ہوجاتا جو آج بھی کتابوں میں مرقوم ہے۔

اس اختلاف کے باقی رہنے کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ صحابہ کرام اس طرح کے فروعی اختلافات کو مذموم نہیں سمجھتے تھے بلکہ پورے احترام اور فراخ دلی کے ساتھ ہر ایک دوسرے کو اختلاف کا حق دیتا تھا، کیوں کہ ہر ایک اپنے موقف پر دلیل رکھتا تھا خواہ وہ دوسرے کو تسلیم نہ ہو۔

جیسے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک بیوہ حاملہ کی عدت وضع حمل تھی اور غیر حاملہ کی چار ماہ دس دن۔

مگر حضرت علی اور حضرت ابن عباس کا اجتہاد یہ تھا کہ دونوں مدتوں میں جو طویل ہو وہی عدت کی مدت ہے۔

حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تیسرے حیض کے غسل کے بعد

پوری ہوتی ہے مگر حضرت زید بن ثابت فرماتے کہ تیسرا حیض شروع ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔

حضرت ابوبکر اور عبداللہ بن عباس کی رائے یہ تھی کہ باپ کی طرح دادا بھی سگے بھائیوں کو میراث سے محروم کر دے گا۔ مگر حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت کو اس سے اختلاف تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ یہ تھا کہ خلع حاصل کرنے والی عورت پر عدت واجب نہیں۔ صرف فراغت رحم کو جاننے کے لیے ایک حیض گزارنا ضروری ہے جب کہ دوسرے صحابہ مکمل عدت گزارنے کو واجب قرار دیتے تھے۔ (التعليق الممجد على مؤطا الامام محمد ملتقطاً)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس بات پر کافی زور دیا کہ اختلافی مسائل میں صحابہ ایک رائے پر جمع ہو جائیں، چناں چہ بہت سے مسائل میں اجماع بھی ہوا۔ جیسے:

اولاً: شراب نوشی کی کوئی سزا متعین نہیں تھی، آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی رائے اور قیاس پر فیصلہ ہوا۔

آپ نے فرمایا: تہمت کی سزا اسّی کوڑے ہیں، شراب پی کر آدمی بیہودہ گوئی اور تہمت اندازی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، لہذا شراب نوشی کی سزا تہمت کی سزا کے مثل ہونا چاہیے۔ اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ [مؤطا امام مالك :ص ٧٠٩]

لفظ ”بتـہ“ کے ذریعہ طلاق نیت پر موقوف تھی، ایک کی نیت کرتا تو ایک قرار دی جاتی اور تین کی نیت ہوتی تو تین۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم نے جب یہ دیکھا کہ لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھانے لگے اور غلط بیانی پر اتر آئے ہیں تو آپ نے اس کے تین طلاق ہونے کا فیصلہ فرما دیا۔

اسی طرح تراویح کی رکعات کے بیس ہونے پر اجماع ہوا۔

اسی طرح صحابہ کرام نے بہت سے ایسے مسائل میں بھی اجماع کر لیا جن کے سلسلہ میں نص موجود تھی۔ جیسے مولفۃ القلوب کو مصارف زکاۃ سے خارج کر دیا۔ شدید قحط کے زمانہ میں چور کی سزا موقوف کر دی۔ گم شدہ اونٹنی کو پکڑنے اور فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ کرنے کا حکم دیا اور جب مالک ملے وہ امانت اس کے حوالہ کر دے۔ [زرقانی علی المؤطا ١٢٩/٣]

چنانچہ حالات زمانہ کی تبدیلی سے بہت سے مسائل کی تبدیلی کا حکم اجماع صحابہ کی روشنی میں سامنے آیا اگر چہ ان مسائل کے تعلق سے نص موجود تھی۔

اس طرح صحابہ کے یہاں بہت سے جدید مسائل میں اجماع بھی ہوا اور بسا اوقات اپنے اپنے

اجتہاد اور نظریات کی بنیاد پر اختلاف آرا بھی۔ مگر فروعی مسائل میں ان کے یہاں اختلاف رائے کوئی بری چیز نہیں تھی ، وہ ان تمام چیزوں کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرتے ، ایک دوسرے کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے ، اگر کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو ایک دوسرے کے پاس مسئلہ کی تحقیق کے لیے بھیجتے اور اپنی رائے پر شدت اختیار نہیں کرتے۔

ایک مسئلہ کے سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم سے ملے اور حضرت علی و زید بن ثابت کا فیصلہ سنایا۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے فرمایا: اگر میں فیصلہ کرتا تو اس کے برخلاف ہوتا، انھوں نے کہا: آپ تو امیر المومنین ہیں، آپ کو اس کا اختیار ہے، لہٰذا آپ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ سنا دیں۔ آپ نے فرمایا: اگر میرے پاس قرآن و حدیث کا حکم ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا۔ لیکن میری بھی ایک رائے ہی ہے اور رائے کا سب کو اختیار ہے اور سب اس میں شریک ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں حضرات کے فیصلے کو برقرار رکھا۔

[اعلام الموقعین بحوالہ قاموس الفقہ: ۱/۳۵۱]

اس سے قبل بتایا جا چکا کہ مسائل میں اختلاف وجوہ اختلاف کے سبب رونما ہوتا تھا۔

جیسے قرآن و حدیث میں کوئی لفظ مشترک ہے اور شارع کی طرف سے اس کے کوئی ایک معنی متعین نہیں۔ جیسے قرآن نے تین ''قروء'' کو عدت قرار دیا، یہ لفظ دو معنی میں مشترک ہے۔ حیض اور طہر۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کے معنی حیض مراد لیے، اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے طہر۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی عمل کا مقصد و منشا متعین کرنے میں اختلاف رائے ہوتا، جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس کی رائے تھی کہ طواف میں رمل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس خیال کی تردید میں کیا تھا کہ مسلمانوں کو مدینے کے بخار نے کم زور کر دیا ہے لہٰذا یہ طواف کرنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں پاتے۔ دوسرے صحابہ اس کو ایک تشریعی عمل جانتے اور اس کا حکم ایک مستقل شرعی حکم قرار دیتے اور سنت بتاتے تھے۔

اسی طرح منیٰ سے مکہ لوٹتے وقت وادی ابطح میں ٹھہرنا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس اسے سنت نہیں سمجھتے تھے بلکہ حضور کا ایک طبعی فعل قرار دیتے تھے کہ اس ٹھہرنے کا مقصد آرام تھا، لیکن دوسرے صحابہ اسے سنت قرار دیتے تھے۔

ایک خاص سبب اختلاف رائے کا یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام اپنے اجتہاد اور طریقۂ استنباط میں مختلف

الخیال تھے۔بعض حضرات احادیث کے ظاہری الفاظ پر قناعت کرتے اور مسائل کے استنباط میں ان کی نظر الفاظ پر مرکوز رہتی ۔ جیسے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔مگر دوسرے بعض صحابہ کی نگاہ احادیث کے مقصد ومنشا پر ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اسی نظریہ کے حامل تھے۔

یہاں سے فقہا ومجتہدین کی دو جماعتیں رونما ہوئیں جو آگے چل کر فقہائے رائے اور فقہائے حدیث کے نام سے موسوم کی گئیں۔تفصیل آگے ملاحظہ کریں۔

ان نظائر وامثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تشریعی احکام میں اختلاف تابعین یاان کے بعد آنے والے ائمہ مجتہدین کے ذہنوں کی پیداوار نہیں ، بلکہ اس اختلاف کا نقطہ آغاز خود صحابہ کا زمانہ ہے جس کو خیر القرون ہونے کا شرف اور اختلاف امتی رحمۃ کی سند حاصل ہے۔

صحابہ کے اختلافات کی مزید تفصیل میں نہ جا کر ہم اپنے قارئین کو ہر دور اجتہادات واختلافات کے نمونے دکھائیں گے۔تاکہ مختلف بلاد وامصار میں رونق افروز ائمہ اعلام اور مجتہدین عظام کے علمی وفقہی کارناموں پر قرار واقعی روشنی پڑ سکے۔

جلیل القدر صحابہ کرام کی صحبت سے سرفراز ہونے والے اوران کے علوم ومعارف سے بلاواسطہ اور بالواسطہ اکتساب علم کرنے والے جو حضرات صفحۂ ہستی پر جلوہ نما ہوئے اور اپنے اپنے شہروں میں اساطین ملت شمار کیے گئے ان میں اصاغر صحابہ بھی ہیں اور اکابر تابعین بھی۔اسی طرح اصاغر تابعین اور تبع تابعین بھی۔ان کے اسما اور کارناموں کی فہرست نہایت طویل ہے یہاں خصوصیت کی حامل بعض شخصیات اوران کے علوم ومعارف، افکار وآراء اور خدمات جلیلہ کا بیان مقصود ہے۔

اس سے پہلے فقہ وافتا کی تعریف اور وضاحت میں یہ بات گزر چکی کہ فقہی بصیرت حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین پر لازم وضروری نہیں فرمایا، بلکہ ایک جماعت ایسی ہر زمانہ ہو جو دینی اور فقہی مہارت حاصل کر کے لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔

صحابہ کرام جنھوں نے براہ راست اللہ تعالیٰ کے رسول ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اکتساب فیض کیا مگر پھر بھی سارے صحابہ تشریعی احکام اور فقہی مسائل سیکھنے اور سکھانے میں یکساں نہیں رہے۔ بلکہ بیشتر صحابہ نے ضروری مسائل سیکھنے پر اکتفا کیا۔اس کے بعد انھوں نے اپنی جولاں گاہ دین ودنیا کے مختلف شعبوں کو بنایا۔بے شمار حضرات صحابہ جہاد میں مشغول رہے، بہت سے تجارت کرتے اور بعض کھیتی باڑی میں مصروف رہتے۔دراصل ملک وملت اور دین اسلام کے تقاضے مختلف تھے جن کے لیے

ہر طرح کے افراد کی ضرورت تھی۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام صحبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفیض ہو کر عادل وصادق ضرور ہیں مگر سب مجتہد اور تشریعی احکام کے ماہر نہیں اور نہ یہ میدان سب کی جولاں گاہ تھا۔

چنانچہ طبقات حنفیہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ مجتہدین صحابہ کی تعداد ڈیڑھ سو تک بھی نہیں پہنچتی۔ یہ حضرات، فتاوی کی قلت وکثرت کے اعتبار سے تین حصوں میں منقسم ہیں:

پہلی جماعت وہ جن سے کثیر فتاویٰ منقول ہیں یہ مکثرین کہلاتے ہیں، ان کی تعداد سات ہے۔

(۱) حضرت عمر فاروق اعظم (۲) حضرت علی مرتضیٰ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود (۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (۵) حضرت زید بن ثابت (۶) حضرت عبداللہ بن عباس (۷) حضرت عبداللہ بن عمر۔

دوسری جماعت متوسطین کی ہیں جن سے فتاویٰ کم تعداد میں منقول ہیں۔ جیسے:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، ام المومنین حضرت ام سلمہ، حضرت ابو ہریرہ۔ انس بن مالک، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد ابن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابوبکرہ، عبادہ صامت، معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تیسری جماعت جن سے دوچار مسائل منقول ہیں۔ ایسے صحابہ کی تعداد کثیر ہے۔ جیسے یہ حضرات:

ابودرداء، ابوسلمہ مخزومی، ابوعبیدہ بن جراح، سعید بن زید، نعمان بن بشیر، ابومسعود، ابی بن کعب، ابوایوب، ابوطلحہ، ابوذر غفاری، اسامہ بن زید، جعفر بن ابی طالب، براء بن عازب، مقداد بن اسعود، عمار بن یاسر، عمرو بن عاص، ضحاک بن قیس، حبیب بن مسلمہ، حذیفہ بن یمان، حسنین کریمین، حضرت بلال، ابوالیسر، کعب ابن عمرو، ابن بشار، قرظہ ابن کعب، نافع اخوابی بکرہ، ابوالسنابل بن بعک، جارود، العبدی، ابوجودرہ، ابوبرزہ الاسلمی، اسید بن حضیر، عبداللہ ابن انیس، ثمامہ ابن اثال، ابوالنادیہ السلمی، ضحاک بن خلیفہ المازنی، حکم بن عمر، وابصہ بن معبد الاسدی، عبداللہ بن جعفر، عوف بن مالک، عدی بن حاتم، عبداللہ ابن ابی اوفی، عبداللہ بن سلام، عمرو بن عبسہ، عتاب ابن اسید، عثمان بن ابی العاص، عبداللہ بن سرجس، عبد اللہ بن رواحہ، عقیل بن ابی طالب، عائذ بن عمرو، عبداللہ بن معمر، عمیر بن سعد، عبداللہ بن ابی بکر صدیق، عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق، عبداللہ بن عوف، سعد بن معاذ، ابومنیب، سعد بن عبادہ، قیس بن سعد، عبدالرحمٰن بن سہل، سمرہ بن جندب، سہل بن سعد، معاویہ ابن مقرن، سوید بن مقرن، معایہ بن مقرن،

معایہ ابن حکم ، ابوحذیفہ بن عتبہ، سلمہ بن اکوع ، زید بن ارقم ، جریر بن عبداللہ ، جابر بن سمرہ ، حسان بن ثابت ، حبیب بن عدی ، قدامہ بن مظعون ، عثمان بن مظعون ، مالک بن حویرث ابوامامہ باہلی ، محمد بن مسلمہ، خباب بن الارث ، خالد بن ولید، ضمرہ بن ابی العیص ، طارق بن شہاب، ظہیر بن رافع ، رافع بن خدیج ، ہشام بن حکیم ، ابوحکیم بن حزام ،شرحبیل بن السمک ، ام سلیم ، دحیہ بن خلیفہ، ثابت بن قیس ،ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ، سرق ،مغیرہ بن شعبہ، بریدہ بن حصیب ، رویفع بن ثابت ، ابوحمید، ابو اسید، فضالہ بن عبید، ابومحمد ، عتبہ بن مسعود، منکدر، عقبہ بن حارث ، سیاح بن روح ، ابوسعید بن محلی ، عباس بن عبدالمطلب ،صہیب بن سنان ، ماعز، الغامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔

سیدہ فاطمہ زہرا، امہات المومنین حضرت حفصہ ، حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ ،حضرت جویریہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔اور حضرت ام ایمن، ام عطیہ، اسماء بنت ابی بکر، ام شریک، ثوبیہ ام درداء ،عاتکہ بنت زید، سہلہ بنت سہل، فاطمہ بن قیس، لیلی بن کانف، زینب بنت جحش، رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

(الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ :۵۵۳،۵۵۴)

ان اکابر صحابہ وصحابیات کے علم وفضل سے فیضیاب ہونے والے حضرات بکثرت ہیں۔

خلافت راشدہ اور اس کے بعد جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو اب صحابہ کرام صرف حرمین طیبین اور حجاز تک ہی محدود نہیں رہ گئے بلکہ انھوں نے مختلف شہروں میں سکونت اختیار کرلی اور اپنے اپنے بلاد وامصار میں علم وعرفان کی شمع روشن کرکے بڑی تعداد میں لوگوں کے قلوب واذھان کو منور ومجلی فرمایا۔

مدینہ طیبہ میں علم فقہ

حضرت عبداللہ بن عمر نے مدینہ منورہ ہی میں اپنا قیام رکھا اور یہاں ان کے تلامذہ نے آپ سے اکتساب علم کیا۔ جیسے: نافع ،اسلم مولیٰ عمر، سعید بن مسیّب ،عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبداللہ، سلیمان بن یسار، سالم بن عبداللہ بن عمر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن حارث۔

ان حضرات کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں:

عبداللہ بن عمر

نام ونسب: نام: عبداللہ، والد کا نام: حضرت عمر

سلسلہ نسب: عبداللہ بن عمر بن خطاب بن نفیل قرشی عدوی، کنیت: ابوعبدالرحمٰن۔

اپنے والد کے ساتھ مکہ معظّمہ میں ایمان لائے، بالغ ہونے سے پہلے بدر میں بچپن کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔ اور حق یہ ہے کہ غزوہ احد میں بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی صغرسنی کی وجہ سے شریک نہیں کیا۔ غزۂ خندق میں شریک ہوئے۔

غزوۂ احد میں آپ ۱۴؍سالہ تھے۔ بڑے عابد زاہد محتاط اور متبع سنت تھے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں: ہم لوگوں کو دنیا نے اپنی طرف راغب کر لیا سوائے حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر کے۔ حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر جیسا متقی، ابن عباس جیسا عالم نہ دیکھا۔ حضرت نافع کہتے ہیں: ابن عمر نے ایک ہزار غلام آزاد کیے۔

اعلان نبوت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور ۷۳ھ میں حضرت ابن زبیر کی شہادت کے تین مہینہ بعد وفات پائی۔ بعض تابعین کا قول ہے: ۷۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی وصیت تو یہ تھی کہ آپ کو حل میں دفن کیا جائے۔ مگر حجاج نے ایسا نہ کرنے دیا تو آپ ذی طوی میں دفن کئے گئے، ۸۴ یا ۸۶ سال آپ کی عمر ہوئی۔ آپ کے بہت فضائل ہیں۔ [الاصابہ ۲/ ۱۰۹۵]

آپ نے اپنے والد کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، آپ جنگ قادسیہ میں بھی موجود تھے۔

اساتذہ:

حضرت عمر والد۔ حضرت زید چچا، حضرت حفصہ بہن، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعید، حضرت بلال، حضرت زید بن ثابت، حضرت صہیب، حضرت ابن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت رافع بن خدیج، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تلامذہ:

بلال، حمزہ، زید، سالم، عبداللہ، عبیداللہ، محمد بن زید، عبداللہ بن واقد، حفص بن عاصم بن عمر، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، نافع، اسلم مولیٰ عمر، عروہ بن الزبیر، موسیٰ بن طلحہ، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سعید بن المسیب، ابوبردہ بن ابی موسیٰ الاشعری، طاؤس، عطا، عکرمہ۔ ان کے علاوہ بکثرت آپ کے تلامذہ ہیں۔

فضائل:

امام مالک کہتے ہیں: آپ نے ساٹھ (۶۰) سال لوگوں کو فتویٰ دیا۔

ابن مسیّب کہتے ہیں:

آپ کے انتقال ہونے کے سبب روئے زمین میں جو کچھ ہے سب پر موت طاری ہوگئی تھی۔اس لیے کہ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی تھی۔[تہذیب التہذیب:۳/۲۰۱،۲۰۲]

حضرت مجاہد کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت عبداللہ بن عمر کی عمر ۲۲/سال تھی۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے اس وقت عبداللہ بن عمر کی عمر ۲۰/سال تھی۔

حضرت حفصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتی ہیں:

عبداللہ بن عمر کیا ہی اچھے آدمی ہیں کہ رات کے اکثر حصہ میں نماز پڑھتے ہیں یعنی رات کے تھوڑے ہی حصہ میں آپ سوتے۔

ابن عمر کہتے ہیں: میں فتح مکہ میں موجود تھا۔اس وقت میری عمر ۲۰/سال کی تھی۔میرے ساتھ فرس حرون اور رمح ثقیل تھا۔میں اپنے گھوڑے کو آہستہ ہانکتے ہوئے لے گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہاں ہے عبداللہ۔کہاں ہے عبداللہ۔ [تاریخ مدینہ ودمشق:۳۱/ ۹۷]

مزید کہتے ہیں:

جب میں بارگاہ رسول میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے مجھے بچہ ہونے کی وجہ سے بدر کے دن قبول نہیں کیا،تو مجھ پر حزن وملال کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے صرف اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے قبول نہیں کیا۔

پھر جب آپ اس قابل ہوگئے تو حاضر خدمت ہوئے،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت عطا فرمائی،اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کی۔[ایضا:۳۱/ ۹۶]

خود بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا،اس خواب کے بارے حضرت حفصہ جو میری بہن ہیں انہوں نے بارگاہ رسول میں بیان کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بھائی نیک آدمی ہے۔یہ یا یہ کہا کہ عبداللہ نیک آدمی ہے۔

زبیر ابن بکار کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے جو سنتے تھے اسے اپنے ذہن میں خوب محفوظ کر لیتے تھے۔اوراس کے بارے میں پوچھتے جس کو ذہن میں حاضر نہیں کر پاتے تھے۔ [ایضاً:۳۱/۱۲۱]

نافع مولیٰ ابن عمر

نام:نافع،والد کا نام:مالک

سلسلہ نسب:نافع بن مالک بن ابی عامر اصبحی ابوسھیل تیمی،مدینی۔

اساتذہ:

عبداللہ بن عمر،ابن مالک،سہل بن سعد،انس،سعید بن المسیب،قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق،وغیرہم۔

تلامذہ:

حضرت زہری۔ یہ آپ کے ہم عصر ہیں:محمد،اسماعیل،جعفر بن ابی کثیر،محمد بن طلحۃ التیمی، عبدالعزیز الدراوردی۔ [تہذیب التہذیب]

آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری سے روایات لیتے ہیں۔آپ سے مشہور محدثین ثقہ علما نے روایات لیں۔حضرت عمر کی اکثر روایات آپ سے مروی ہیں۔امام مالک فرماتے ہیں:جب میں ابن عمر کی احادیث نافع سے سن لیتا ہوں۔تو مجھے کسی اور سے سننے کی پرواہ نہیں ہوتی۔

وفات:

ایک سوسترہ(۱۱۷ھ)میں آپ کی وفات ہوئی۔ [وفیات الأعیان:۴/۵۴۶]

اسلم مولیٰ عمر

آپ کا نام:اسلم،کنیت ابوخالد ہے،ابوزید بھی کہتے ہیں:حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ہیں حبشی تھے۔

حضرت عمر نے آپ کو گیارہ ہجری میں خریدا۔بڑے متقی تابعی ہیں۔

اساتذہ:

ابی بکر،عمر فاروق،عثمان غنی،ابن عمر،معاذ بن جبل،ابی عبیدۃ بن الجراح،عبداللہ،حفصہ،

ابوہریرۃ،معاویۃ،کعب الاحبار۔

تلامذہ:

زید بن اسلم،قاسم بن محمد،مسلم بن جندب،نافع مولیٰ ابن عمر،وغیرہم۔
امام عجلی کہتے ہیں:آپ مدنی ہیں،ثقہ ہیں،عظیم تابعی ہیں۔
ابوزرعہ بھی کہتے ہیں:آپ ثقہ ہیں۔
ابوعبید کہتے ہیں:۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔
۱۱۴/سال آپ کی عمر ہوئی۔ [تہذیب التہذیب:۱/۲۲۹]
ابن سعد کہتے ہیں:آپ اہل مدینہ کے طبقہ اولیٰ میں ہیں۔
محمد بن عمر کہتے ہیں:آپ نے صدیق اکبر سے بھی روایت بیان کی ہیں۔

فقہائے سبعہ

مدینہ منورہ میں ان جلیل القدر فقہا کے درمیان وہ فقہائے سبعہ بھی ہیں جو اپنی فقہی عبقریت کی وجہ سے مرجع انام تھے۔امام عبداللہ بن مبارک بیان فرماتے ہیں:جو کوئی اہم مسئلہ آتا تو یہ سب حضرات ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے اور جب یہ حضرات اس مسئلہ کو طے کردیتے تو پھر قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کرتے:یہ حضرات حسب ذیل ہیں:

(۱)سعید بن مسیّب،(۲)عروہ بن زبیر،(۳)قاسم بن محمد،(۴)خارجہ بن زید،(۵)عبید اللہ بن عبداللہ،(۶)سلیمان بن یسار(۷)ساتویں فقیہ کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱)ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ حاکم ابوعبداللہ نے اکثر علمائے حجاز کا یہی قول بتایا۔
(۲)سالم بن عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن مبارک کا یہی قول ہے۔
(۳)ابوبکر بن عبدالرحمٰن حارث۔ یہ ابوالزناد کا قول ہے۔

سعید بن مسیّب

نام ونسب: نام:سعید،والد کا نام:مسیّب

سلسلۂ نسب:سعید بن المسیب بن حزن بن وہب ابن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ۔
آپ کی کنیت ابومحمد ہے،قرشی مخزومی مدنی ہیں۔
فقہائے مدینہ سے ہیں اور اپنے زمانہ کے سید التابعین ہیں۔خلافت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں

پیدا ہوئے، حدیث، فقہ، عبادت اور تقویٰ کے جامع تھے، بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات ہے۔صغرسنی میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات سننے کا شرف بھی حاصل ہے۔

اساتذہ:

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسیٰ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس، محمد بن سلمہ، حضرت ام سلمہ۔

وفات:

عبداللہ بن ابی فروۃ کہتے ہیں کہ آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی، اور اس سال بہت سے فقہائے کرام نے وفات پائی۔

ابونعیم اور علی بن المدنی کہتے ہیں کہ آپ نے ۹۳ھ اور حضرت حماد بن خالد الخیاط نے ۹۵ھ کے بارے میں کہا۔لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔

تلامذہ:

حضرت زہری، حضرت قتادہ، حضرت عمرو بن دینار، یحییٰ بن سعید الانصاری، حضرت بکیر بن الاشج، حضرت داؤد بن أبی ہند، حضرت سعد بن ابراہیم، حضرت علی بن زید بن جدعان، حضرت شریک بن ابی نمر، حضرت عبدالرحمٰن بن حرملہ۔

زہری، مکحول اور قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ سے بڑا عالم نہ دیکھا۔امام احمد بن حنبل نے فرمایا: سعید بن مسیّب کی مرسل روایات صحیح ہیں۔علی بن مدینی نے کہا: میں تابعین میں آپ سے زیادہ وسیع علم والا نہیں جانتا۔میرے نزدیک بزرگ ترین تابعی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن حرملہ کہتے ہیں: میں نے سعید بن مسیّب کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے تھے: کہ میں نے چالیس حج کیے۔

محمد بن یحییٰ بن حبان کہتے ہیں: سعید بن مسیّب اپنے زمانہ میں فتویٰ دینے میں مقدم رہتے تھے۔ اسی لیے آپ کو فقیہ الفقہا بھی کہا جاتا ہے۔

واقعہ حرہ کے موقع پر مسلم بن عقبہ اور اس کے لشکر نے جب مدینہ منورہ میں قتل وغارت کا بازار گرم کیا تو کچھ لوگ شہر چھوڑ گئے اور بعض گھروں میں روپوش تھے۔ باقی سب کو شہید کر دیا گیا تھا۔جن میں حضرات انصار مہاجرین اور تابعین کے علاوہ سترہ سو باشندگان مدینہ میں سات سو حفاظ قرآن اور ستانوے

سرداران قریش کو ذبح کر ڈالا گیا۔

حضرت سعید ابن مسیّب نے اس وقت مسجد نبوی میں پناہ لی اور ایک مجنون اور دیوانہ کی صورت میں یہاں محفوظ رہے۔ان ایام میں مسجد نبوی میں اذان نہ ہوئی لیکن روضۂ انور سے برابر اوقات نماز میں اذان کی آواز آتی ،فرماتے ہیں: میرے سوا کوئی مسجد میں نماز پڑھنے والا نہ تھا۔

امام احمد نے آپ کو افضل التابعین فرمایا۔حضور اور آپ کے خلفائے ثلثہ کے شرعی فیصلوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، چالیس سال تک ہر نماز کے لیے اذان سے پہلے مسجد میں موجود ہوتے۔

حضرت ابن حازم کہتے ہیں: سعید ابن مسیّب لگا تار روزہ رکھتے تھے۔

حضرت حرملہ روایت کرتے ہیں کہ آپ کی نماز چالیس سال تک فوت نہیں ہوئی۔

حضرت عثمان ابن حکیم کہتے ہیں: میں نے ابن مسیّب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تیس سال تک مؤذن نے اذان نہیں دی مگر میں مسجد میں ہی ہوتا۔امام واقدی کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کو خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن حرملہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابن مسیّب کے پاس گیا اس وقت مرض شدید میں مبتلا تھے اور حال یہ تھا کہ آپ نماز ظہر اشارے سے پڑھ رہے تھے تو میں نے سنا: آپ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾ پڑھ رہے تھے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۴۳۵ تا ۴۴۸]

عروہ بن زبیر

نام ونسب: عروہ بن زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی القرشی الاسدی۔

کنیت: ابوعبداللہ المدنی۔

اساتذہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، حجاج بن حجاج اسلمی، حسن، حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حکیم بن حزام، حمران بن ایان مولیٰ عثمان بن عفان، ابوایوب خالد بن زید انصاری، زبیر ابن عوام، زید بن ثابت، زبید بن صلت، عاصم بن عمر ابن الخطاب، عبداللہ بن ارقم۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، ان کے بھائی عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ بن زمعہ، عبداللہ بن عباس۔عبداللہ عمر بن الخطاب۔عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عبدالقاری، علی بن ابی طالب، قیس ابن سعد بن عبادہ، مروان بن الحکم، معاویہ ابن ابی سفیان۔

تلامذہ:

بکر بن سوادہ۔تمیم ابن سلمہ سلمی، جعفر بن محمد بن علی بن حسین، جعفر بن مصعب۔حبیب ابن ابی ثابت، حبیب مولیٰ عروۃ بن الزبیر، خالد بن ابی عمران قاضی افریقیہ، داود بن مدرک، زرقان بن عمرو بن امیہ الضمری، زمیل بن عباس مولیٰ عروۃ الزبیر، سلیمان ابن یسار۔

حالات زندگی:

اہل مدینہ کے طبقہ ثالثہ میں محمد ابن سعد نے ان کا ذکر کیا اور کہا کثیر حدیثوں میں ثقہ ہیں۔فقیہ عالم مامون تھے۔عجلی نے کہا: مدنی ثقہ ہیں اور نیک مرد تھے، وہ کسی فتنہ میں داخل نہیں ہوئے۔اعمش نے کہا: ابوالزناد سے مروی ہے: مدینہ میں چار فقہا تھے۔سعید ابن مسیّب۔عروہ ابن زبیر۔قبیصہ بن ذویب۔عبدالملک بن مروان۔خلیفہ بن خیاط نے کہا: عمر ابن الخطاب کی خلافت کے آخر میں ۲۳ھ میں عروہ ابن زبیر پیدا ہوئے۔مصعب ابن عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے چھ سال گزرے تھے جب حضرت عروہ ابن زبیر پیدا ہوئے، ان کے درمیان اور ان کے بھائی کے درمیان ۲۰ سال کا فاصلہ تھا۔

علی ابن المدینی سے روایت ہے: عروہ ابن زبیر اور ابن مسیّب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے ۹۲ھ میں وفات پائی۔زبیر ابن بکار نے کہا: عروہ ابن زبیر کی جب وفات ہوئی اس وقت وہ ۹۷ سال کے تھے اور یہ بھی کہا گیا ان کا وصال ۱۰۱ھ میں ہوا۔

قاسم بن محمد

نام ونسب: نام: قاسم، والد کا نام: محمد، کنیت ابوعبدالرحمٰن

سلسلہ نسب: قاسم بن محمد بن أبی بکر الصدیق بن أبی قحافہ۔

اساتذہ:

حضرت محمد بن ابی بکر، حضرت عائشہ۔یہ ان کی پھوپھی بھی ہیں، حضرات عبادلہ اربعہ، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت أبی ہریرہ، حضرت عبداللہ بن خباب، حضرت معاویہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت صالح بن خوات بن جبیر، حضرت اسلم مولیٰ حضرت عمر، حضرت فاطمہ بنت قیس وغیرہم، ابن مسعود سے ارسال بھی کرتے ہیں۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے مگر یہاں چند کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

حضرت عبدالرحمٰن، حضرت شعبی، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرو، حضرت یحییٰ، حضرت سعد، یہ دونوں سعید انصاری کے بیٹے ہیں، حضرت ابن ابی ملیکہ، حضرت نافع یہ مولیٰ ہیں ابن عمر کے، حضرت زہری، حضرت عبیداللہ بن مقسم، حضرت سعد بن ابراہیم، حضرت ایوب، حضرت حنظلہ بن ابی سفیان، حضرت عاصم بن عبداللہ۔ وغیرہ۔

ثقہ ہیں، بہت عظیم عالم، عظیم فقیہ، بہت سی حدیثیں ان سے مروی ہیں۔

[تهذیب التهذیب: ۴/ ۵۰۷]

آپ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں ہیں اور تابعی۔ اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے۔ یحییٰ ابن سعید قطان کہتے ہیں: ہم نے مدینہ منورہ میں آپ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ آپ سے بہت سے صحابہ کرام نے احادیث کریمہ روایت کیں حتی کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی۔

حضرت ابوالزناد کہتے ہیں:

میں نے قاسم بن محمد سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

[تاریخ مدینہ ودمشق: ۴۹/ ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۹]

ابوالزناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنت کا سب سے زیادہ جاننے والا قاسم بن محمد ہی کو دیکھا، ان کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا حتی کہ وہ لوگوں میں سنت ہی سے معروف ومشہور تھے۔ [تاریخ مدینہ ودمشق: ۴۹/ ۱۶۸]

یحییٰ ابن سعید قطان کہتے ہیں:

آپ اہل مدینہ کے فقہا میں شمار ہوتے ہیں۔ [ایضا: ۴۹/ ۱۷۱]

حضرت مالک ابن انس کہتے ہیں:

آپ بڑے عقلمند شخص تھے، آپ کے بیٹے آپ سے حدیث بیان کرتے ہیں۔

آپ کے گھر والوں میں گناہ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ [ایضا: ۴۹/ ۱۷۳]

ابوالزناد کے والد کہتے ہیں:

میں نے قاسم بن محمد سے زیادہ عقل مند فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔ [ایضا: ۴۹/ ۱۷۳]

حوشب ابن عقیل کہتے ہیں:

ایک شخص مقام حی سے مدینہ جارہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ

کون ہے تو انہوں نے کہا: قاسم بن محمد اور سالم، پھر میں نے کہا ان دونوں میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے۔

تو انہوں نے کہا: قاسم ابن محمد۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ حضرت قاسم نماز پڑھ رہے تھے۔ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا تم زیادہ جاننے والے ہو یا سالم بن عبداللہ؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی پاکی جو پہلے تمہارے سوال کو حل کردے یا جس چیز کے بارے میں تم نے پوچھا ہے اس کو پہلے حل کردے۔تو اعرابی نے کہا تم ہی بڑے عالم ہو۔آپ نے اللہ کی پاکی بیان کی اور وہی جواب دیا۔پھر اعرابی نے کہا تم ہی بڑے عالم ہو۔تو آپ نے فرمایا: سالم ہے۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں: قاسم بن محمد کو یہ بات کہتے ہوئے حیا آئی کہ میں سالم سے بڑھ کر ہوں، کیوں کہ اس میں خودنمائی ہوتی اور یہ بھی کہنا پسند نہیں آیا کہ سالم مجھ سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ کا شائبہ تھا۔

اصح قول یہ ہے کہ ان دونوں میں حضرت قاسم بن محمد ہی زیادہ علم والے تھے۔[ایضاً: ۱۷۳/]

ابن عون کہتے ہیں:

حضرت ابی دردا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: قاسم ابن محمد نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو عرفہ کے دن میدان عرفات میں سوال کررہے تھے۔قاسم بن محمد نے ان سے فرمایا: اے سائل! تیرا برا ہو کیا تم اس دن میں غیر خدا سے مانگ رہے ہو؟۔ [ایضاً: ۱۸۱]

عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں:

اگر میرے پاس کسی چیز کا معاملہ درپیش آتا تو میں اس کا انصاف نہیں کرتا اور یہ کہتا کہ اس کے لیے قاسم بن عبداللہ ہیں۔ [ایضا:۱۸۷]

حضرت یزید کہتے ہیں:

میں قاسم بن محمد کے وصال کے وقت موجود تھا، مقام قدید (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ) میں وصال ہوا اور مقام مشلل میں دفن کیا گیا، ان کے درمیان تین میل کا فرق ہے، ان کے بیٹے نے جنازے کو تختے پر رکھا اور چلے یہاں تک کہ مقام مشلل پہنچے۔[ایضا:۱۸۹]

ایک سو ایک (۱۰۱) ھ میں آپ کا وصال ہوا۔آپ حضرت امام جعفر صادق کے نانا ہیں۔

خارجہ بن زید بن ثابت

نام ونسب: نام: خارجہ، والد کا نام: زید ابن ثابت، سلسلۂ نسب: خارجۃ بن زید بن ثابت۔

کنیت: ابوزید۔ مدنی ہیں، آپ نے حضرت عثمان غنی کو پایا۔

اساتذہ:

والد حضرت زید، چچا حضرت یزید، حضرت اسامہ ابن زید، حضرت سہل بن سعد، حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی عمرہ، حضرت ام سعد بنت سعد ابن ربیع، حضرت ام العلاء انصاریہ۔

تلامذہ:

حضرت سلیمان، سعید ابن سلیمان ابن زید ابن ثابت، حضرت قیس ابن سعد ابن زید، حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عثمان بن عفان، حضرت محمد بن عبداللہ، حضرت مجاہد بن عوف، حضرت ابوزناد زہری، حضرت عثمان ابن حکیم، حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطب، حضرت یزید ابن قسیط، حضرت ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم۔

حالات: آپ انصاری، مدنی، تابعی، ہیں۔

حضرت ابوزناد فرماتے ہیں: آپ فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔

امام عجلی کہتے ہیں: آپ مدنی تابعی، ثقہ ہیں۔

ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن سعد کہتے ہیں: آپ کثیر الحدیث اور ثقہ ہیں۔

۱۹۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔ [تہذیب التہذیب:۲/۴۹،۵۰]

عبیداللہ بن عبداللہ

نام ونسب:

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ابن مسعود ہذلی۔ کنیت: ابوعبداللہ مدنی۔

اساتذہ:

حضرت عمار ابن یاسر، حضرت عمرو، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عثمان ابن حنیف، حضرت سہل بن حنیف، حضرت نعمان ابن بشیر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوطلحہ انصاری، حضرت ابوواقد لیثی، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت زید ابن خالد، عبدالرحمٰن ابن عبدالقاری، حضرت ام قیس بنت محصن۔

تلامذہ:

آپ کے بھائی حضرت عون، حضرت زہری، حضرت سعد ابن ابراہیم، حضرت ابوزناد، حضرت صالح ابن کیسان، حضرت عراک ابن مالک موسیٰ ابن ابی عائشہ، حضرت ابوبکر ابن ابی جہم عدوی، حضرت ضمرہ ابن سعید، حضرت طلحہ ابن یحییٰ ابن طلحہ، حضرت عبداللہ بن عبیدہ ربذی، حضرت عبدالمجید ابن سہل ابن عبدالرحمٰن ابن عوف،

حضرت امام واقدی فرماتے ہیں:

آپ جلیل القدر عالم تھے اور ثقہ آپ کثیر الحدیث، فقیہ اعظم بھی تھے، اور شاعر بھی تھے۔

امام عجلی فرماتے ہیں:

آپ نابینا تھے اور فقہا مدینہ میں ایک تھے، تابعی ثقہ ہیں۔

ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ آپ سادات تابعین ہیں۔

حضرت ابوجعفر طبری کہتے ہیں:

آپ علم اور معرفت بالاحکام میں مقدم تھے اور آپ ایک عظیم شاعر بھی تھے۔

حضرت عبدالبر کہتے ہیں:

آپ فقہائے عشرہ میں ہیں، پھر ان ساتوں میں ایک تھے جن پر فتویٰ پیش کیا جاتا تھا۔

آپ ایک جلیل القدر عالم اور فاضل تھے اور فقہ میں مقدم تھے، پرہیزگار اور اچھے شاعر تھے۔

صحابہ کرام کے بعد آج تک کوئی ایسا نہ ملا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کہتے ہیں:

اگر حضرت عبیداللہ زندہ رہتے تو میں ان کی رائے کے بغیر کوئی بھی فیصلہ صادر نہیں کرتا۔

[تہذیب التہذیب:۴/۱۸،۱۹]

سلیمان بن یسار

نام ونسب: نام: سلیمان، والد کا نام: حضرت یسار

سلیمان ابن یسار ھلالی۔ کنیت: ابوایوب، اور ابوعبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے اور ابوعبداللہ بھی۔

آپ مدنی ہیں، حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے آپ حضرت ام سلمہ کے مکاتب تھے۔

اساتذہ:

حضرت میمونہ، حضرت ام سلمہ، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ بن قیس، حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی، زید ابن ثابت، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت مقداد ابن اسود، حضرت ابورافع، یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، حضرت ابوسعید، حضرت ابوہریرہ، حضرت ربیع بن معوذ، حضرت سلمہ ابن صخر البیاضی، حضرت فضل ابن عباس۔

عبداللہ ابن حذافہ، ان سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، حضرت جعفر ابن عمرو ابن امیۃ ضمری، حضرت عبداللہ ابن حارث ابن نوفل، حضرت عبدالرحمٰن بن جابر بن عبداللہ۔ عراک بن مالک، حضرت مالک بن ابی عامر، حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن۔

تلامذہ:

حضرت عمرو بن دینار، حضرت عبداللہ بن دینار، حضرت عبداللہ بن فضل ہاشمی، حضرت ابوزناد، حضرت بکیر بن اشج، حضرت جعفر بن عبداللہ بن حکم، حضرت سالم ابونضر، حضرت صالح بن کیسان۔ حضرت عمرو بن میمون، حضرت محمد بن ابی حرملہ، حضرت زہری، حضرت مکحول، حضرت نافع مولیٰ ابن عمر، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری، حضرت یعلی ان حکیم، حضرت یونس بن سیف۔ اور بھی ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کرام ہیں۔

فضائل ومناقب:

حضرت ابوزناد کہتے ہیں: آپ مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں ہیں۔

حضرت حسن بن محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: حضرت سلیمان ابن یسار ہمارے نزدیک ابن مسیّب سے زیادہ سمجھ دار تھے۔ خود حضرت ابن مسیّب سائل سے فرماتے، کہ سلیمان ابن یسار کے پاس جاؤ، اس لیے کہ وہ زیادہ علم والے ہیں۔

حضرت ابوزرعہ کہتے ہیں: آپ ثقہ مامون ہیں: عظیم فاضل اور بہت بڑے عابد تھے۔

حضرت دوری، ابن معین سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔

حضرت امام نسائی کہتے ہیں: آپ احد الائمہ ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں: آپ ثقہ ہیں، اور بہت بلند رتبہ عالم اور کثیر الحدیث بھی۔

۱۰۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔

ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

آپ کی پیدائش ۲۴ھ میں ہوئی تھی۔

امام بیہقی کہتے ہیں: آپ کی پیدائش ۲۷ میں ہوئی تھی، یا اس کے بعد۔ حضرت سلیمان ابن یسار کی حدیث حضرت مقداد سے مرسل ہے۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف

نام ونسب: نام: ابو سلمہ، والد کا نام: عبد الرحمٰن

سلسلۂ نسب: ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف

آپ زہری مدنی ہیں۔

آپ کا نام عبد اللہ ہے اور اسماعیل بھی کہا گیا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام ہی آپ کی کنیت ہے۔

اساتذہ:

آپ کے والد حضرت عبد الرحمٰن، حضرت عثمان ابن عفان، حضرت طلحہ، حضرت عبادہ ابن صامت، حضرت ابو قتادہ، حضرت ابو درداء، حضرت ابن ابو اسید، حضرت اسامہ ابن زید، حضرت حسان ابن ثابت، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ثوبان، حضرت نافع ابن عبد الحارث، حضرت عبد اللہ بن سلام، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی، حضرت معاویہ، حضرت معیقیب دوسی، حضرت عبد اللہ ابن عدی ابن حمراء، معاویہ ابن حکم سلمی، حضرت مغیرہ ابن عمرو ابن عاص، حضرت ابن عباس حضرت زینب بن ام سلمہ، حضرت عبد اللہ بن ابراہیم ابن قارظ، حضرت جعفر ابن عمرو ابن امیہ ضمری، حضرت عطا ابن یسار۔

صحابہ اور تابعین میں اور بھی آپ کے اساتذہ کرام ہیں۔

تلامذہ:

آپ کے بیٹے حضرت عمر اور آپ کے بھتیجے حضرت سعد ابن ابراہیم ابن عبد الرحمٰن، حضرت عبد المجید ابن سہیل ابن عبد الرحمٰن، حضرت زرارہ ابن مصعب ابن عبد الرحمٰن، حضرت اعرج، حضرت عمرو ابن حکم ابن ثوبان، حضرت عروہ ابن زبیر، حضرت زہری، حضرت محمد ابن ابراہیم تیمی، حضرت یحییٰ ابن ابی کثیر، حضرت بکیر ابن عبد اللہ ابن اشج، حضرت اسود ابن علاء، حضرت ابو صخر حمید ابن زیاد، حضرت سالم ابو نضر، حضرت سعید مقبری، حضرت ابو حازم ابن دینار، حضرت سلمہ ابن کہیل، حضرت سلیمان احول، حضرت

امام شعبی ، حضرت عبداللہ بن ابی لبید ، حضرت عبداللہ بن یزید مولیٰ حضرت اسود ابن سفیان ، حضرت ابوزناد، حضرت عبداللہ ابن فیروز، حضرت عراک ابن مالک، حضرت عمرو ابن دینار، حضرت محمد ابن عبدالرحمٰن مولیٰ بنی زہرہ، محمد بن ابی حرملہ، حضرت موسیٰ ابن عقبہ، حضرت ہلال ابن علی ابن اسامہ، حضرت ابوبکر بن حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم، حضرت عمران ابن انس، حضرت محمد بن عمرو بن علقمہ، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری، اور بھی ان کے علاوہ بکثرت آپ کے تلامذہ ہیں۔

حضرت ابن سعد بیان کرتے ہیں:

آپ مدینہ کے طبقہ ثانیہ میں ہیں اور کہتے ہیں آپ ثقہ ہیں، کثیر الحدیث اور عظیم فقیہ بھی ہیں۔

آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔

امام واقدی کہتے ہیں: آپ نے ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابوزرعہ نے بھی آپ کو ثقہ کہا ہے۔

ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ آپ سادات قریش سے ہیں، ۹۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت ابوزرعہ کہتے ہیں: حضرت ابوسلمہ حضرت ابوبکر سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

[تہذیب التہذیب:۶/۳۵۱،۳۵۲]

سالم بن عبداللہ ابن عمر ابن الخطاب

نام ونسب: نام: سالم، والد کا نام: عبداللہ

سلسلہ نسب: سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب۔عدوی۔

کنیت: ابوعمر ہے اور ابوعبداللہ بھی کہا جاتا ہے۔

قرشی، عدوی، مدنی ہیں، اور اہل مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں اور افضل تابعین ہیں۔

اساتذہ:

آپ کے والد حضرت عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابورافع، حضرت ابوایوب، حضرت زید ابن خطاب، حضرت ابولبابہ اور ان کے علاوہ بھی۔

تلامذہ:

آپ کے صاحبزادے حضرت ابوبکر، حضرت ابوبکر ابن محمد بن عمرو ابن حزم، حضرت امام زہری،

حضرت صالح ابن کیسان، حضرت حنظلہ ابن ابی سفیان، حضرت عبیداللہ ابن عمر ابن حفص، حضرت ابوواقد لیثی صغیر، حضرت عاصم ابن عبیداللہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر ابن حزم، حضرت ابوقلابہ جرمی، حضرت حمید طویل، حضرت عمر ابن حمزہ ابن عبداللہ ابن عمر، حضرت عمرو ابن دینار مکی، حضرت عمرو بن دینار بصری، حضرت موسیٰ ابن عقبہ، حضرت محمد بن واسع اور بھی ان حضرات کے علاوہ آپ کے شاگرد ہیں حضرت ابن مسیّب فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کے مشابہ ہیں اور حضرت سالم حضرت عبداللہ کے بیٹے کے مانند ہیں۔

حضرت مالک فرماتے ہیں:

حضرت سالم ابن عبداللہ کے زمانہ میں کوئی کسی کے مشابہ و مانند نہ تھا جو نیک لوگ ذکر کیے گئے۔

حضرت ابن مبارک کہتے ہیں:

جب کوئی مسئلہ لے کر لوگ آپ کے پاس آتے اور سب اکٹھا ہو کر اس میں غور و فکر کرتے اور قاضی کوئی فیصلہ نہیں کرتا یہاں تک آپ کی طرف بڑھاتے آپ اس میں غور و فکر کرتے پھر فیصلہ صادر فرماتے۔آپ افضل التابعین ہیں۔

امام احمد ابن حنبل کہتے ہیں: ان کی سندیں صحیح ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں: آپ نے حضرت عائشہ سے سماعت نہیں کی۔

ابن سعد کہتے ہیں: آپ کثیر الحدیث اور ثقہ ہیں، لوگوں میں آپ کا مرتبہ نہایت ہی بلند و بالا تھا۔

حضرت ابونعیم اور ایک جماعت کا کہنا ہے: آپ نے ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ [تہذیب التہذیب:۲/۲۶۰]

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث

نام ونسب: نام: ابوبکر، والد کا نام: عبدالرحمٰن

سلسلۂ نسب: ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

حالات:

آپ قرشی مدنی ہیں اور فقہائے سبعہ میں ہیں۔

آپ کی کنیت: ابوعبدالرحمٰن ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام محمد ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام ابوبکر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کا نام اور آپ کی کنیت ایک ہی ہے۔

اساتذہ:

آپ کے والد حضرت عبدالرحمٰن، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت نوفل بن معاویہ، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام معقل اسدیہ، حضرت عبدالرحمٰن بن مطیع بن اسود، حضرت ابومسعود انصاری۔

تلامذہ:

آپ کے بیٹے حضرت عبدالملک، حضرت عمر، حضرت عبداللہ، حضرت سلمہ، آپ کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد بن عبدالرحمٰن، حضرت امام زہری، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت عبدالواحد بن ایمن، حضرت عبداللہ بن کعب حمیری، حضرت حکم ابن عتیبہ۔

حضرت ابن سعد فرماتے ہیں: آپ حضرت فاروق اعظم کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔

امام واقدی کہتے ہیں: آپ کا نام ہی آپ کی کنیت ہے۔

آپ ثقہ، فقیہ اعظم، جلیل القدر عالم اور کثیر الحدیث ہیں۔

کثرت نماز کی وجہ سے آپ کو قریش کا راہب کہا جاتا ہے، آپ نابینا تھے۔

امام عجلی فرماتے ہیں: آپ مدنی تابعی، ثقہ ہیں۔

حضرت ابن فراش جو ائمۃ المسلمین میں ہیں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عکرمہ اور حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن حارث ابن ہشام یہ سب کے سب آپ کو اجلہ ثقات میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابن مدینی اور ایک جماعت کا قول یہ ہے آپ نے ٩٣ھ میں وفات پائی۔

حضرت امام واقدی کہتے ہیں:

آپ کو سنۃ الفقہا کہا جاتا تھا۔ [تہذیب التہذیب: ٦/٢٩٦۔٢٩٧]

مکہ مکرمہ میں علم فقہ وفتاویٰ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مسکن مکہ مکرمہ کو بنایا اور یہاں اپنی درس گاہ سجائی، آپ کے فیض یافتگان میں جلیل القدر تابعین وائمہ کی ایک لمبی فہرست ہے۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت امام مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت طاؤس بن کیسان، کریب، مرضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے عظیم وجلیل ائمہ بھی ہیں۔

عبداللہ بن عباس

ولادت: آپ کی پیدائش شعب بن ہاشم میں ہجرت سے تین سال قبل ہوئی۔

سلسلہ نسب: عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ والدہ ماجدہ ام الفضل لبابہ بنت حارث۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ کے لقب حبر الامت اور ترجمان القرآن ہیں۔

علم وفضل:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "نعم ترجمان القرآن ابن عباس" ابن عباس کیا ہی اچھے قرآن کے ترجمان ہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں قیام پذیر تھے۔ میں نے رات میں حضور کے لیے وضو کا پانی رکھا۔ ام المومنین نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ پانی عبداللہ بن عباس نے رکھا ہے۔

یہ سن کر حضور نے دعا کی: الٰہی عبداللہ کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اپنی کتاب کی تفسیر۔

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ابن عباس سے فرمایا: "لقد علمت علما ماعلمناہ" بے شک تو نے ایسا علم جانا جس کو ہم نے نہ جانا۔

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: "لایلومنی احد علی حب ابن عباس" مجھے کوئی ملامت نہ کرے ابن عباس سے محبت کرنے پر۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے ابن عباس کی طرح کسی کو نہ دیکھا، جس دن

آپ کا وصال ہوا تو وہ دن مرگیا۔ بے شک آپ حبر الامۃ تھے اور حبر نام آپ کا کثرت علم کی وجہ سے رکھا گیا۔

حضرت مسروق کہتے ہیں: جب میں ابن عباس کو دیکھتا تو کہتا: اجمل الناس، اور جب آپ کلام فرماتے تو کہتا: افصح الناس، اور جب آپ حدیث بیان کرتے تو کہتا: اعلم الناس۔

قاسم بن محمد کہتے ہیں: میں نے ابن عباس کی مجلس میں کبھی کوئی ناحق بات نہ دیکھی۔ عبیداللہ بن ابی یزید سے مروی کہ ابن عباس سے جب کوئی سوال کیا جاتا، اگر قرآن یا سنت میں ہوتا تو اس سے بتاتے ورنہ اپنی رائے سے اجتہاد فرماتے۔

اساتذہ:

حضرت ابن عباس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ سے روایت کی۔ اور اپنے والد، ابی بن کعب، ابوذر غفاری اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم سے روایت کی۔

تلامذہ:

عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، ثعلبہ بن حکم، ابوامامہ بن سہل بن حنیف، عکرمہ، کریب، ابوعبداللہ شعبہ، مقسم، ابوالقاسم مولیٰ بنی ہاشم، عطا بن ابی رباح، عمرو بن دینار، سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد، نافع ابن جبیر بن مطعم، سلیمان بن یسار، ذکوان، ابوصالح، عروہ بن زبیر، علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، علقمہ بن وقاص، طاؤس بن کیسان، وہب بن منبہ، سعید بن جبیر، عمرو بن میمون الاودی، محمد بن سیرین، میمون بن مہران۔ بکیر بن عبداللہ ابن مزنی۔ خالد بن الحاج وغیرہم۔

وفات:

حضرت ابن عباس کی وفات سن ۶۸ھ میں ہوئی۔

نماز جنازہ محمد بن علی بن ابی طالب نے پڑھائی اور فرمایا آج اس امت کے عالم ربانی کا وصال ہوگیا۔

حضرت میمون بن مہران سے مروی ہے کہ میں ابن عباس کے جنازے میں حاضر تھا، جب نماز جنازہ پڑھنے کے لیے ان کو رکھا گیا تو ایک سفید پرندہ آیا اور ان کے کفن میں داخل ہوگیا۔ اس کو ڈھونڈا گیا نہیں پایا۔ تو جب ہم نے ان کو دفن کردیا ہم نے ایک آواز سنی جس کا کہنے والا نظر نہیں آتا تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔ ﴿یاأیّتھا النفس المطمئنة ،ارجعی إلی ربك راضية مرضية، فادخلی فی عبادی، وادخلی جنتی﴾

حضرت کریب

نام ونسب: کریب بن ابومسلم ہاشمی مکی مولی ابن عباس۔کنیت ابورشدین۔

وفات: یحییٰ بن معین کہتے ہیں کریب بن ابومسلم ابورشدین کا وصال مدینہ میں ۹۸ھ میں ہوا۔ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔

عثمان بن سعید کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین سے کہا،کریب تمہارے نزدیک زیادہ محبوب ہیں یاعکرمہ،تو یحییٰ بن معین نے فرمایا دونوں ثقہ ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے کہ حضرت کریب نے ہمارے پاس حضرت ابن عباس کی کتابوں کے ایک اونٹ کا بوجھ رکھا۔

اساتذہ:

ابن عباس،ام الفضل،میمونہ بنت الحارث،عائشہ،ام سلمہ،ام ہانی،زید بن ثابت وغیرہم۔

تلامذہ:

محمد۔رشدین ، سلیمان بن یسار، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن، شریک بن ابی نمر، محمد، موسیٰ ابراہیم بنوعقبہ، حبیب بن ابی ثابت ،سالم بن ابی الجعد،مکحول الشامی ،بکیر،حمید بن زیاد،سلمہ بن کھیل،محمد بن ابی حرملہ،محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب ۔مخرمہ بن سلیمان ، حسین بن عبداللہ،سلیمان بن موسیٰ ،صفوان بن سلیم ،عمرو بن دینار وغیرہم۔

طاؤس بن کیسان

طاؤس بن کیسان یمانی ابوعبدالرحمٰن حمیری جندی مولی ، بحیر بن ایسان من ابناء الفرس ۔اور کہا گیا ہے ان کا نام ذکوان اور طاؤس لقب ہے۔

ولادت: عہد عثمانی میں آپ کی ولادت ہوئی۔

فضائل:

عبدالملک بن میسرہ نے کہا کہ حضرت طاؤس نے فرمایا: میں نے پچاس صحابہ کو پایا۔

ابن جریج عطا سے اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں طاؤس کو جنتی سمجھتا ہوں۔

قیس بن سعد کہتے ہیں کہ طاؤس ہم میں ایسے تھے جیسے بصرہ میں ابن سیرین۔

ابن حبان نے کہا ہے کہ طاؤس یمنی غلام تھے اور تابعین کے سردار اور آپ نے چالیس حج ادا کیے اور آپ مستجاب الدعواۃ تھے۔ اور آپ کا وصال مزدلفہ یا منیٰ میں۔ ١٠١ھ میں ہوا۔

اساتذہ:

جابر بن عبداللہ، زید بن راقم، زید بن ثابت، سراقہ بن مالک، صفوان بن امیہ، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، معاذ بن جبل، عائشہ ام المومنین، ام کرز الکعبیہ، ام مالک بھزیہ۔

تلامذہ:

ابراہیم بن میسرہ طائفی، اسامہ بن زید لیثی، حبیب بن ابی ثابت، حسن بن مسلم بن یناق، حکم بن عتیبہ، سعید بن حسان، سلیمان بن تیمی، سلیمان احول، ضحاک بن مزاحم، عبداللہ بن طاؤس، عبدالکریم بن مالک جزری، عبدالملک بن جریج مسئالہ، عطا بن سائب، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، لیث بن ابی مسلم، مجاہد، زبیر مکی، زہری، مکحول شامی، وہب بن منبہ۔

عکرمۃ مولیٰ ابن عباس

نام ونسب: عکرمہ، والد کا نام: ابوعبداللہ، آپ مدنی ہیں، حضرت ابن عباس کے کاتب اور آزاد کردہ غلام ہیں۔ بربر قوم سے ہیں۔ حصین العنبری کے پاس تھے، انھوں نے ابن عباس کو دے دیا تھا۔

اساتذہ:

ابن عباس، علی بن ابی طالب، الحسن بن علی، ابی ہریرۃ، ابن عمر، ابن عمرو، ابی سعید، عقبہ بن عامر، حجاج بن عمرو بن غزیۃ، معاویۃ بن ابی سفیان، صفوان بن امیۃ، جابر، یعلیٰ بن امیۃ، ابی قتادۃ، عائشۃ، حمنۃ بنت جحش، یحییٰ بن یعمر۔

تلامذہ:

ابراہیم نخعی، جابر بن زید، شعبی، ابواسحاق سبیعی، ابولزبیر، قتادۃ، سماک بن حرب، عاصم احوال، حصین بن عبدالرحمٰن، ایوب، خالد الحذاء، داؤد بن ابی ھند، عاصم بن بہدلۃ، عبدالکریم جزری، یحییٰ بن سعید انصاری، عطا بن سائب، عمرو بن دینار، عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبدالعزیز بن ابی

رواد، عبدالملک بن ابی بشیر مدائنی، عثمان بن غیاث۔

حضرت عکرمہ جب مغازی بات کرتے تو لوگ سنتے، گویا کہ آپ کو اس میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

حضرت جریر اور حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ کیا تم سے بھی کوئی زیادہ جاننے والا ہے۔ تو انھوں نے کہا: ہاں وہ عکرمہ ہیں جو مجھ سے بھی بڑا عالم ہیں۔

اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں: میں نے حضرت شعبی کو یہ کہتے ہوئے سنا کوئی شخص عکرمہ سے بڑھ کر ایسا نہیں ہے جو کتاب اللہ کے بارے میں زیادہ جانتا ہو۔

حضرت سعید بن ابی عروبہ اور حضرت قتادہ کہتے ہیں: حضرت عکرمہ چار عظیم تابعین میں سے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: عطا، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن۔

حضرت سلام بن مسکین اور حضرت قتادہ کہتے ہیں: آپ کو علم تفسیر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مجاہد اور حضرت سعید بن جبیر کی ملاقات عکرمہ سے ہوئی، اس سے پہلے کہ آپ دونوں کسی آیت کے بارے میں عکرمہ سے پوچھتے۔ پوچھنے سے پہلے ہی آپ ان سے تفسیر بیان کر دیتے، کسی نہ کسی آیت کریمہ کی کہ فلاں آیت ایسے نازل ہوئی، فلاں آیت اس موقع پر نازل ہوئی۔

حضرت ابن معین کہتے ہیں:

جب میں کسی انسان کو دیکھتا تو مجھے یہ محسوس ہوتا: سب کچھ عکرمہ اور حماد ہی ہیں۔

ابن مدینی کہتے ہیں:

آپ عظیم عالم تھے۔ اور امام عجلی کہتے ہیں: آپ مکی ہیں، تابعی ہیں، ثقہ ہیں۔

امام بخاری کہتے ہیں:

ہمارے ساتھیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو عکرمہ کی طرح اپنی باتوں کو دلیل سے پیش کرے۔

امام نسائی کہتے ہیں: آپ ثقہ ہیں۔

اسی (٨٠) سال عمر ہوئی۔ ١٠٧ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ [ایضاً: ٤/ ١٦٥]

ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے، کہتے ہیں: ہمارے زمانہ کے علما میں آپ عظیم عالم تھے، فقہ میں بھی اور تفسیر میں بھی۔ [ایضاً: ٤/ ١٦٥]

جابر بن زید کہتے ہیں: کہ عکرمہ بہت بڑے عالم تھے ان کے علم کی خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے علم کی خوشبو خود لوگوں کو پہنچ جاتی تھی۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ عکرمہ امام الدنیا ہیں۔ [ایضا: ٤/ ١٦٥]

مجاہد بن جبیر

نام : مجاہد ،والد کا نام : جبیرکنیت : ابوالحجاج۔آپ مجاہد بن جبیر مکی مخزومی مقری تابعی جلیل ہیں۔سائب بن ابی سائب کے آزاد کردہ ہیں۔

اساتذہ:

علی ،سعد بن ابی وقاص،عبادلۃ اربعہ،رافع بن خدیج،اسید بن ظہیر،ابی سعید الخدری،عائشہ،ام سلمہ،جویریہ بنت حارث، ابی ہریرہ، ام ہانی بنت ابی طالب ، جابر بن عبداللہ،عبدالرحمٰن بن اَبی لیلیٰ ، عبداللہ بن سائب المخز ومی،اُبی عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود۔

تلامذہ:

ایوب سختیانی،عطاء،عکرمہ،ابن عون،عمرو بن دینار،ابواسحاق سبیعی ،ابوزبیر مکی،قتادہ،عبیداللہ بن ابی یزید،ابان بن صالح،بکیر بن اخنس،حبیب بن ابی ثابت،حکم بن عتیبۃ،سلمۃ بن کھیل،سلیمان اعمش۔

عبدالسلام بن حرب کہتے ہیں:حضرت مجاہد علم تفسیر کے جلیل القدر عالم تھے۔عطا مسائل حج میں عظیم عالم تھے۔

یحییٰ بن قطان کہتے ہیں:مجاہد کی مرسل روایات عطا کی مرسل روایات سے افضل ہیں۔

ابن معین اور ابوزرعہ کہتے ہیں:آپ ثقہ ہیں۔

ھیثم بن عدی کہتے ہیں:آپ کا ۱۰۰ھ میں وصال ہوا۔

آپ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اس وقت حضرت عمر کے دور خلافت کا زمانہ تھا۔

عطاء بن ابی رباح

نام ونسب : نام:عطاء بن ابی رباح،ان کا نام اسلم قرشی فہری ہے،کنیت ابومحمد مکی ہے۔آل ابی خیثم کے آزاد کردہ ہیں۔اور کہا جاتا ہے کہ بنو جمح کے آزاد کردہ ہیں۔

ولادت : ان کی پیدائش اورخلافت عثمان بن عفان میں ہوئی۔احمد بن یونس ضبی نے ذکر کیا ہے کہ عطاء ۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ:

اسامہ بن زید بن حارثہ،اوس بن صامت،ایاس بن خلیفہ بکری،ایمن، جابر بن عبداللہ، جابر بن

عمیر انصاری، حارث اعور، حسین بن ثابت، ذکوان زیات، زید بن ارقم، سعید بن مسیّب، شہر بن حوشب، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن سائب مخزومی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عتاب بن اسید وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تلامذہ:

ابان بن صالح، ابراہیم بن میمون بن صائغ، اسامہ بن زید، اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی، ایوب سختیانی، برد بن سنان، ثابت بن عجلان، جابر جعفی، حبیب بن شہید، حسین معلم، خالد بن یزید مصری، دوید بن نافع، سلمہ بن کھیل، اعمش، عامر احول، عبدالرحمٰن اوزاعی، عبدالکریم بن مال جزری، عطاء خراسانی، عمرو بن دینار، قتادہ، لیث بن سعد، مالک بن دینار، مجاہد، یہ آپ کے شیخ بھی ہیں، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، ابواسحاق سبیعی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔[مغانی الاخیار فی اسامی رجال معانی الاثار: ۲/۳۲۰]

حالات:

ابن سعد کہتے ہیں کہ عطا کالے رنگ کے تھے۔ پھر اس کے بعد عطا نابینا ہو گئے۔ عطا ثقہ، فقیہ، عالم، کثیر الحدیث تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ان کے والد نوبی تھے (یعنی حبشی) اور کھجور کے ٹوکرے بناتے تھے۔ ان کا ایک ہاتھ ابن زبیر کے ساتھ کٹ گیا تھا۔

حمزہ بن ربیعہ نے کہا: میں نے ایک شخص کو کہتے سنا کہ عطاء کی ماں کا نام برکت ہے، اور ان کے والد ابو رباح اسودان ہیں۔

وفات: ابوملیح رقی کہتے ہیں: عطا بن ابی رباح کا وصال ۱۱۴ھ میں ہوا۔ اور کہا جاتا ہے ۱۱۵ھ میں ہوا۔

فضائل:

یحییٰ سے روایت ہے کہ عطا معلم کتاب تھے۔ اور دار قطنی نے فرمایا کہ خالد بن نوف نے عطا سے روایت کرتے ہوئے کہا وہ کہتے ہیں میں نے دوسو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پایا۔

عمرو بن سعید اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں، کہ میری ماں نے مجھے حضرت ابن عباس سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا تو ابن عباس نے فرمایا: اے اہل مکہ تم میرے پاس آ کر جمع ہوئے ہو جب کہ تمہارے پاس عطا ہیں۔ عمرو بن سعید کی اپنی ماں سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے ان کی ماں سے فرمایا کہ سید المسلمین عطا بن ابی رباح ہیں۔

اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: کہ وہ مسائل حج کے عالم تھے، اور آپ نے ستر سے زیادہ حج کیے۔

ابوحنیفہ کہتے ہیں: کہ میں نے جن حضرات سے ملاقات کی ہے ان میں عطا بن ابی رباح سے افضل کسی کو نہ دیکھا، اور میں نے جن لوگوں سے ملاقات کی ہے ان میں جابر جعفی سے بڑا جھوٹا نہ دیکھا۔ ابن جریج نے کہا کہ مسجد عطا کا بچھونا بیس سال رہی، سب لوگوں سے اچھی نماز ادا کرتے تھے۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں: سعید بن مسیّب کی مرسلات اصح المرسلات ہیں، اور ابراہیم نخعی کی مرسلات تو ان میں کوئی حرج نہیں، اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو حسن اور عطاء بن ابی رباح کی مرسلات سے اضعف ہو کیوں کہ یہ دونوں ہر ایک سے حدیث لے لیتے تھے۔

بصرہ میں علم فقہ کی اشاعت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت انس بن مالک نے بصرہ میں بے شمار حضرات کو اپنے فیضان علمی سے مستفیض ہونے کا شرف بخشا، ان میں حضرت حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین جیسے علم وعرفان کے کوہ گراں تھے۔

حسن بصری

نام: حسن بصری یہ حسن بن ابوالحسن یسار، ابوسعید، مولیٰ زید بن ثابت انصاری ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ابو یسر کعب بن عمرو سلمی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور یہ بھی قول ہے کہ حسن جمیل بن قطبہ کے آزاد کردہ ہیں۔ کنیت: ابوسعید ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: حسن بن ابی حسن یسار ابوسعید مولیٰ زید بن ثابت۔

ولادت:

حسن بصری کی والدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ باندی تھیں اور یسار ان کے والد تھے۔

حالات:

محمد بن سلام نے کہا ہم کو ابوعمرو شعاب نے حدیث بیان کی کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسن کی ماں کو کام سے بھیجتیں تو حسن بچپن میں رونے لگتے تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو اپنا دودھ پلا کر خاموش کرتیں، اور ان کو اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جاتیں، جب حضرت عمر کے پاس لے کر گئیں تو انہوں نے ان کو دعا دی اور عرض کیا: اے اللہ اس کو دین کا فقیہ بنا اور لوگوں میں محبوب بنا۔

فضائل:

آپ اپنے زمانے میں علم وعمل کے سردار تھے۔ معتمر سلیمان کہتے ہیں: میرے والد فرماتے تھے کہ حسن اہل بصرہ کے شیخ ہیں۔

حمید بن ھلال کہتے ہیں: ہم سے قتادہ نے فرمایا: تم اس شیخ کو لازم پکڑلو کیونکہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جس کی رائے ان سے زیادہ مشابہ ہو حضرت عمر کی رائے سے۔

انس بن مالک نے فرمایا: تم حسن سے پوچھو کیوں کہ وہ حافظ ہو گئے اور ہم بھول گئے۔

محمد بن سعد کہتے ہیں: حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع، عالم، رفیع، فقیہ، ثقہ، حجت مامون، عابد، ناسک، کثیر العلم، فصیح، جمیل، حسین اور خوش مزاج تھے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا بیان کیا جاتا ہے کہ زمین کبھی سات لوگوں سے خالی نہیں ہوئی جن کے ذریعہ لوگ سیراب کئے جاتے ہیں اور ان سے بلائیں دور کی جاتی ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ حسن ان سات میں سے ایک ہیں۔ حضرت عوف فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کے راستہ کے متعلق حسن سے زیادہ جاننے والا کسی شخص کو نہ دیکھا۔

اساتذہ:

عمران بن حصین، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمٰن بن سمرہ، سمرہ بن جندب، ابوبکرہ ثقفی، نعمان ابن بشیر، جابر، جندب بجلی، ابن عباس، عمرو ثعلب، معقل بن یسار، اسود بن سریع، انس، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تلامذہ:

ایوب، شیبان نحوی، یونس بن عبید، ابن عون، حمید طویل، ثابت البنانی، مالک بن دینار ہشام بن حسان، جریر بن حازم، ربیع بن صبیح، یزید بن ابراھیم تستری، مبارک بن فضالہ، سلام بن مسکین شمیط بن عجلان، صالح ابو عامر خزاز، عباد بن راشد، ابو جریر عبداللہ بن حسین قاضی سحستان، معاویہ بن عبد الکریم ضال، ہشام بن زیاد شھیب بن شیبہ، ایوب اشھب، وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

وفات:

صالح فرماتے ہیں: جب حضرت حسن کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ استرجاع کرنے لگے، آپ کے بیٹے نے کہا جو آپ کے پاس کھڑا تھا اے میرے والد آپ نے ہمیں غمگین کردیا تو کیا آپ نے کسی شی کو دیکھا، تو آپنے فرمایا: ہاں! وہ میرا نفس ہے اس جیسی مصیبت مجھے نہ پہنچی۔

علامہ ذہبی کہتے ہیں: حسن بصری کے بعد ابن سیرین سودن باحیات رہے۔

حضرت ہشام بن حسان سے ایک شخص نے آ کر کہا کہ حسن کا وصال ہوگیا تو محمد نے ان کے لئے دعائے رحمت کی اور محمد کا رنگ بدل گیا، آپ کلام کرنے سے رک گئے اور آپ نے سورج ڈوبنے تک کلام نہ کیا۔

حضرت محمد بن سیرین

آپ کے والد حضرت انس بن مالک کے مکاتب غلام تھے آپ چالیس ہزار درہم دے کر آزاد ہوئے۔اور ایک قول بیس ہزار درہم کا بھی ہے۔

آپ میسان کے قیدیوں میں سے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عین تمر کے قیدیوں میں سے تھے۔

جرجرایا کے رہنے والے تھے۔سیرین کی کنیت ابوعمر تھی۔

آپ کی ماں کا نام صفیہ تھا جو حضرت ابوبکر کی آزاد کردہ باندی تھیں۔

ولادت: جب خلافت عثمانیہ میں دو سال باقی تھے تو آپ کی ولادت ہوئی۔

فضل وکمال:

ابن عوف کہتے ہیں کہ جب انس بن مالک کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی مجھے ابن سیرین غسل دیں اور میری نماز جنازہ پڑھائیں۔

جب آپ کا وصال ہوا اس وقت ابن سیرین قید میں تھے۔تو لوگ امیر کے پاس آئے ،قید سے مہلت مانگی تو اس نے ابن سیرین کو جانے کی اجازت دے دی۔

آپ نے حضرت انس بن مالک کو غسل وکفن دیا اور ان کی نماز جنازہ قصر انس میں مقام طف میں پڑھائی، پھر قید خانہ آ گئے اور اپنے اہل کی طرف نہ گئے۔

ابن مدینی کہتے ہیں: اصحاب ابوہریرہ چھ تھے:

ابن مسیّب۔ابوسلمہ۔اعرج۔ابوصالح۔ابن سیرین۔طاؤس۔

معاذ بن عون کہتے ہیں: میں نے دنیا میں تین لوگوں کی طرح کسی کو نہ دیکھا۔

عراق میں محمد بن سیرین کی طرح۔حجاز میں قاسم بن محمد کی طرح۔شام میں رجاء بن حیوۃ کی طرح۔اور ان تینوں میں ابن سیرین کی طرح۔

اساتذہ:

انس بن مالک، زید بن ثابت، حسین بن علی ابن ابی طالب، حذیفہ بن یمان، رافع بن خدیج،

سلیمان بن عامر، سمرہ بن جندب، ابن عمر، ابن عباس، معاویہ، ابوسعید، ابوقتادہ، ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، ام عطیہ، عبداللہ بن شقیق، قیس بن عباد، مسلم بن یسار، یونس بن جبیر، کعب بن عجرہ، ابودرداء، کثیر بن افلح، وغیرہم۔

تلامذہ:

شعبی، ثابت، خالد حذاء، ابن عون، یونس بن عبید، مالک بن دینار، مہدی بن میمون، اوزاعی، جریر بن حازم، اشعث بن عبدالملک، حبیب بن شہید، عاصم احول، قرہ بن خالد، ھشام بن حسان، یحییٰ بن عتیق، عمران القطان وغیرہم۔

وفات:

آپ کا وصال ۹؍شوال جمعۃ المبارکہ کے دن۔ ۱۱۰ھ بصرہ میں حضرت حسن بصری کے بعد ہوا۔

[تہذیب التہذیب ۵/۱۳۰]

اسی طرح شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے نور علم سے روشنی پھیلائی۔ اور مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنما نے اپنے ساغر علم سے تشنگان علم کو سیراب کیا۔

کوفہ میں علم فقہ کی اشاعت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کو رونق بخشی اور اپنے علم وفضل سے کوفہ کو مالا مال کردیا۔ یہاں آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

ان میں حضرت اسود بن یزید، حضرت علقمہ بن قیس نخعی، حضرت ابراہیم نخعی، رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں۔

ان صحابہ کرام اور پھران کے تلامذہ نے مختلف شہروں میں جب فقہی مسائل کا شہرہ عام کیا تو ایک عالم ان کے علمی وفقہی انوار وتجلیات سے جگمگا اٹھا۔

مگر صحابہ کرام جب حجاز مقدس تک محدود تھے تو اس وقت بھی ان کے درمیان فقہی مسائل اور فتاویٰ میں کس قدر اختلاف تھا، اس کی ایک جھلک گزشتہ صفحات میں قارئین ملاحظہ فرما چکے، اب جب کہ اسلامی فتوحات کا پرچم دور دراز شہروں اور ملکوں پر لہرانے لگا اور صحابہ کرام کے مقدس قافلے مختلف بلاد

وامصار میں پہنچے تو یہ اختلافات بھی ان کے ساتھ گئے اور سب نے اپنے اپنے مقامات پر اپنی تحقیقات کو تلامذہ کے سینوں میں پیوست کر دیا۔ لہذا اب ان اختلافات کی مزید کثرت ہوگئی۔

اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ ان کے بلاد وامصار میں دوریاں بہت زیادہ تھیں، کسی جدید اختلاف کو دور کرنے کے لیے رابطوں کا بالعموم فقدان تھا۔ لہذا یہ اختلافات بڑھتے رہے اور پھر ہر مقام کے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتے رہے۔ اب آسان صورت یہی تھی کہ ہر جگہ کے لوگ اپنے یہاں کے ائمہ کی پیروی کرتے اور دوسروں کے اختلافات میں نہ پڑتے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ہر شہر کے احوال وکوائف، رسوم ورواج اور کاروباری طور طریقے، جدا تھے، لہذا فکری وعملی رجحانات میں اختلاف بھی ناگزیر تھا۔ چنانچہ اس شہر کے فقہا وائمہ نے ان کو پیش نظر رکھا اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ حکم شرع سے آگاہ فرمایا۔

چوں کہ صحابہ کرام دو مختلف جماعتوں میں منقسم تھے، ایک اصحاب رائے، دوسرے اصحاب حدیث۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا۔ ٹھیک اسی طرح ان کے تلامذہ میں بھی یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے بلکہ اس طرز استنباط میں مزید اضافے اور اس پر مرتب ہونے والے آثار واحکام میں شب وروز ترقی ہوتی رہی۔

پہلے یہ دونوں مکتب فکر مدینہ طیبہ اور حجاز میں تھے مگر اس کے بعد اصحاب حدیث کا مرکز حجاز اور اصحاب رائے کا مرکز عراق بالخصوص کوفہ ہوگیا۔ شروع میں اصحاب رائے اور اصحاب حدیث کے درمیان فرق یہ تھا کہ اصحاب رائے نصوص قرآن وحدیث کے مقاصد ومصالح کو سامنے رکھ کر فقہی مسائل کا استخراج فرماتے اور اصحاب حدیث ظاہر الفاظ پر اپنی نگاہیں مرکوز رکھتے اور انھیں سے استنباط مسائل کرتے۔ اب جب کہ زمانہ رسالت سے دوری بڑھی تو ایک نئی بحث کا بھی اضافہ ہوگیا، یعنی سند روایت اور اس کی تحقیق۔ ظاہر ہے کہ سند روایت کا جب سلسلہ دراز ہو تو یہ بحث بھی ناگزیر ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اصحاب حدیث نے ظاہر الفاظ کے ساتھ سند حدیث کی تحقیق کو بھی نظر وفکر کا محور بنایا اور صحت وضعف کو پیش نظر رکھ کر احکام کا فیصلہ کیا۔ مگر اصحاب رائے فقط اس پر قانع نہیں تھے، ان کے یہاں اصول روایت کے ساتھ اصول درایت کی رعایت بھی لازمی تھی، وہ حدیث کو اس کی سند کے ساتھ اس طور پر بھی پرکھتے تھے کہ وہ قرآن کے مضمون سے ہم آہنگ ہے، اس کے مخالف اور اس سے متعارض تو نہیں، دین اسلام کے جو مسلمہ اصول ہیں ان سے متصادم ہے یا موافق۔ دوسری مشہور احادیث کے مباین ہے یا مطابق۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تھا تو اس کے اسباب کیا تھے۔ ان تمام چیزوں کی رعایت فقہائے رائے کی نظر میں اہم تھی۔ لہذا منصف مزاجی سے اگر بغور جائزہ لیا جائے تو فقہائے حدیث کے مقابلہ میں

فقہائے رائے کا نہج اور طریقہ دشوار ترین، زیادہ درست اور دور رس نتائج پر مشتمل تھا۔

اسی لیے فقہائے حدیث کے یہاں عام دستور یہ تھا کہ وہ انھیں مسائل تک محدود رہتے جو وقوع پذیر تھے اور نصوص قرآن وحدیث میں ان کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا جس کا ذکر ان مصادر شریعت میں نہ ملتا اور ان سے اس مسئلہ کا حل معلوم کیا جاتا تو وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے اور جواب دینے سے انکار کر دیتے۔ اس طرح لوگ ان کی رہنمائی سے محروم رہتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کے پاس ایک صاحب آئے اور ایک مسئلہ دریافت کیا۔ انھوں نے جواب میں کہا: میں نے اس سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس نے کہا: آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے بتائیں میں اس پر راضی ہوں۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ اس نے بار بار اصرار کیا تو فرمایا: اگر میں تمھیں اپنی رائے بتا دوں اور پھر تم چلے جاؤ، اس کے بعد میری رائے بدل جائے تو میں تمھیں کہاں تلاش کروں گا۔ [تاریخ الفقہ الاسلامی۔ ۷۷]

یہ واقعہ اگر چہ ان کی غایت احتیاط کی دلیل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح امت کی رہنمائی کا حق ادا ہو سکتا ہے؟۔

فقہائے رائے کا ایک طرز یہ بھی تھا کہ ان کی مساعی جمیلہ فقط انھیں وقوع پذیر مسائل تک محدود نہیں تھیں جن کے بارے میں نص موجود نہ ہو۔ بلکہ ان کا اجتہاد ان مسائل سے متعلق بھی ہوتا تھا جن کا وجود اب تک نہ ہوا مگر ان کا امکان تھا۔ لہذا ان کے واقع ہونے سے پہلے ہی فقہائے رائے ایسے مسائل کے استنباط میں مشغول رہتے تاکہ پیشگی تیاری رہے اور آنے والے واقعہ میں فوری طور پر امت کی رہنمائی کا سامان موجود ہو۔ اسی فقہ کو ''فقہ تقدیری'' کہتے ہیں۔

مگر فقہائے رائے کے اس طرز اجتہاد سے اصحاب حدیث راضی نہیں تھے بلکہ اس طریقہ کو اپنانے پر ان کو مطعون کرتے۔ حالانکہ آج اسی فقہ تقدیری کی بدولت امت مسلمہ کی مشکلات کا حل کتابوں میں تحریر ہے اور ان گنت مسائل کی گتھیاں سلجھا کر فقہائے کرام نے آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور آج مفتیان اسلام اسی کی روشنی میں جدید مسائل حل فرما رہے ہیں۔

تاریخ اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ حجاز اور عراق میں دو الگ الگ فقہی مکاتب فکر کا وجود وظہور اور پھر شیوع کوئی اچانک اتفاقیہ طور پر نہیں ہوا، بلکہ اس کے پس پشت کچھ عوامل واسباب تھے، چنانچہ انھیں اسباب کی بدولت یہ دونوں نظریے تیزی کے ساتھ پروان چڑھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں قدیم عہد سے ہی سادہ زندگی گزارنے کا رواج تھا، ان کے یہاں عیش وعشرت سے ہمیشہ دوری رہی، لہذا ان کی تہذیب وتمدن میں ایک حد بندی تھی، اس لیے ان کے یہاں بہت زیادہ مسائل نہیں کھڑے ہوتے، اور جن حالات سے ان کو گزرنا پڑتا ان کا حل آسانی سے قرآن وحدیث میں مل جاتا۔ چنانچہ وہاں کے فقہا ان کی رہنمائی میں نصوص تک محدود رہتے۔

اس کے برخلاف عراق ہمیشہ سے مختلف تہذیبوں کا مرکز رہا اور وہاں کے رہن سہن میں تعیش، ناز ونعم اور تکلفات رچے بسے تھے، پھر جب عراق اسلامی مملکت کے دائرہ میں آیا تو یہ علاقہ عرب وعجم کی تہذیبوں کا سنگم بن گیا۔ اس لیے یہاں دن بہ دن مسائل درپیش آتے اور نت نئے واقعات رونما ہوتے۔

ان حالات میں یہاں کے ارباب حل وعقد اور فقہائے اسلام کو ان کے حل کے لیے عمومی مقاصد اور مصالح کو سامنے رکھ کر نصوص قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرنے میں بسا اوقات اپنے خداداد اجتہاد سے کام لینا ضروری تھا۔

دوسری ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حجاز میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم مرجع انام تھے، یہاں کے لوگ ان سے احکام شرع میں رہنمائی چاہتے، چوں کہ یہ حضرات اصحاب حدیث میں شمار ہوتے ہیں لہذا یہ ان کی ہدایت کے لیے ظاہر نصوص سے استنباط مسائل کرتے تھے اور حجاز میں ان کی پیروی کی جاتی تھی۔

اس کے برخلاف عراق میں جن حضرات صحابہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی وہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات اصحاب رائے کے اولین مقتدا اور پیشوا تھے، بلکہ حضرت عمر فاروق اعظم بھی، کیوں کہ انہیں کے انتخاب سے حضرت ابن مسعود کوفہ پہنچے اور آپ نے یہاں تک فرمایا کہ ابن مسعود کی مجھے ضرورت تھی مگر میں نے اپنے اوپر اہل کوفہ کو ترجیح دی۔ اہل عراق کو انہیں کے علوم سے سیرابی حاصل ہوئی۔ ان حضرات نے شروع ہی سے اپنی فقہ کو وہاں رواج دیا اور اہل عراق کی ضروریات اور ان کے مسائل کا حل پیش کیا گیا۔ چنانچہ انہی مقتدایان اسلام کی پیروی میں حجاز وعراق میں مختلف فقہی مکاتب کو رواج ملا۔

تیسری وجہ یہ بھی سامنے آئی کہ عراق میں مختلف فرق باطلہ کا ظہور ہوا۔ خوارج، روافض، نواصب سب یہیں کی پیداوار ہیں، روافض حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو تمام صحابہ پر فوقیت دیتے اور خلافت کو اہل بیت ہی کا حق قرار دیتے تھے۔ نواصب ان کے بالکل خلاف اہل بیت پر سب وشتم کرتے اور بنوامیہ نے جو اہل بیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے ان سب کو درست قرار دیتے۔ خوارج کا گروہ ایسا

منہ زور اور بے راہ رو تھا کہ حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت معاویہ کو کافر کہتا بلکہ چند صحابہ کو چھوڑ کر سب کو کافر قرار دیتا تھا۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت سے فرقے رونما ہوئے اور انھوں نے اپنے آپ کو حق پرست ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے معانی ومطالب کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور ان کی بے جا تاویلات کر کے اپنے آپ کو راہ راست پر بتایا، اور یہاں تک ہی نہیں بلکہ بے راہ روی کی انتہا کر دی اور اپنے حق پرست ہونے کا ثبوت پیش کرنے کے لیے حدیثیں گڑھنا شروع کر دیں، اپنے دل سے جیسی چاہتے اور جب چاہتے حدیث وضع کر لیتے اور اس کا خوب خوب پرچار کرتے۔

وضع حدیث کا فتنہ اتنا سنگین تھا کہ اس سیلاب میں اسلامیات کا سارا ذخیرہ بہہ جاتا مگر ہمارے ائمہ کرام نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دودھ پانی علاحدہ علاحدہ کر دیا۔ اہل عراق کو اس سے نمٹنے کے لیے انتھک کوششیں کرنا پڑیں۔ ان حالات میں ہمارے فقہائے رائے نے بھی اپنا طریقہ مضبوطی کے ساتھ اختیار کیا اور حدیث کی تحقیق میں اصول روایت کے ساتھ اصول درایت کو بھی اپنایا اور قبول حدیث کے لیے نہایت سخت رویہ برتا جس کو بعد میں بہت سے اپنے ہی ائمہ وعلما نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فقہائے رائے حدیث کے مقابلہ میں بھی قیاس کرنے سے نہیں چوکتے حالانکہ یہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ مکمل تفصیل آ رہی ہے۔

اس کے برخلاف حجاز میں وضع حدیث کا فتنہ بالکل نہیں تھا یا پھر برائے نام تھا۔ لہٰذا علمائے حجاز اور فقہائے حدیث کو ان مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور وہ اپنے منہج پر اجتہاد واستنباط میں مشغول رہے۔

اس سے پہلے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب رائے کے مقتدا وپیشوا تھے، حضرت علی مرتضی اور حضرت عبداللہ بن مسعود بھی آپ کے ہم خیال اور دوش بدوش رہنے والوں میں تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت فاروق اعظم کے حکم سے سترہ (١٧) ہجری میں کوفہ شہر بسایا تو وہاں کا معلم بنا کر حضرت عمر فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفے بھیجا اور ساتھ ہی اہل کوفہ کو لکھا کہ مجھے ابن مسعود کی ضرورت یہاں مدینے میں ہر وقت تھی مگر میں نے یہ ایثار کیا ہے اور اپنے اوپر آپ لوگوں کو ترجیح دی ہے کہ ابن مسعود کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ آئے اور پھر کوفہ کو اپنے علم وعرفان اور فضل وکمال کے انوار سے جگمگا دیا۔

عراق میں فقہائے رائے کی یہ اولین درس گاہ تھی جس کی مسند درس وافتا کو رونق بخشنے والی وہ

ذات گرامی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شب وروز کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود

آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں اور سابقین اولین میں سے شمار ہوتے ہیں، آپ اس وقت ایمان لائے جب چار یا پانچ لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے، آپ صاحب الہجر تین ہیں، پہلے حبشہ پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمہ وقت حاضر رہتے، صاحب النعلین والوسادہ والمطہرۃ آپ کا لقب تھا، یعنی حضور کی خدمت کے لیے نعلین پاک، پاکیزہ تکیہ اور وضو کے لیے مشکیزہ ومسواک سب آپ کے سپرد ہوتیں۔ سفر وحضر، خلوت وجلوت اور شب وروز ہر وقت معیت رسول کا شرف حاصل رہا۔ سیرت، چال، ڈھال اور عادات وخصائل میں حضور سے بہت مشابہ تھے، کاشانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے روک ٹوک آنے جانے کی اجازت تھی۔ اس لیے بعض جدید الاسلام صحابہ یا باہر سے آنے والے صحابہ کرام بہت دنوں تک یہی سمجھا کیے کہ آپ اہل بیت نبوت کے فرد ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن سے آکر مدینہ طیبہ میں قیام کیا، ان کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت ابن مسعود کو حضور کی خدمت میں اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو اہل بیت سے سمجھتے رہے۔

یہی وجہ تھی کہ خلفائے اربعہ کے بعد آپ کو افقہ الصحابہ کہا گیا اور خود صحابہ کو بھی اس پر اتفاق تھا۔

حضرت امام مسروق فرماتے ہیں:

”وجدت علم أصحاب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينتهي الىٰ ستة : الى علي، وعبد الله ، وعمر ،وزيد بن ثابت، وأبي الدرداء ، وأبى بن كعب ، ثم وجدت علم هؤلاء الستة انتهى الى : على ، وعبد“.

حضرت امام مسروق بن اجدع تابعی کبیر نے فرمایا:

صحابہ کرام کا علم چھ حضرات میں جمع ہوگیا تھا۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابودردا، حضرت ابن مسعود، پھر ان چھ حضرات کا علم دو شخصوں میں جمع ہوگیا، حضرت علی، حضرت ابن مسعود۔ [ردالمحتار ١/١٦٤]

[مقدمۃ التحقیق علی المبسوط ١/٢٥]

آپ کو بارگاہ رسالت سے وہ اعزاز ملا کہ پھر مزید کسی دوسرے کی عزت افزائی کی چنداں ضرورت نہیں۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں اپنی امت کے لیے ہر وہ چیز پسند کرتا ہوں جس کو عبداللہ بن مسعود پسند کریں۔اور ہر وہ چیز مجھے ناپسند ہے جوان کی پسندیدہ نہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابن مسعود کی ذات علم فقہ سے بھری ہوئی ایک گٹھری ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں: صحابہ میں سب سے زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چال ڈھال میں مشابہ ابن مسعود تھے۔

امیر المومنین مولی المسلمین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کی علمی خدمات کو خوب خوب سراہا اور کوفہ کے علمی ماحول سے نہایت خوش ہوئے۔جس کی ایک جھلک اس اقتباس سے عیاں ہے:

حتی ان علی بن أبی طالب کرم الله وجهه لما انتقل الیٰ الکوفة ، سر من کثرة فقهائها وقال: :" رحم الله ابن أم عبد. قد ملأ هذه القرية علما" وفي لفظ: "أصحاب ابن مسعود ، سرج هذه القرية " ولم يكن سيدنا علی بأقل عناية بالعلم منه، فوالی تفقيههم، الی أن أصبحت الکوفة لامثيل لها فی أمصار المسلمين،فی کثرة فقهائها،ومحدثيها، والقائمين بعلوم القرآن، وعلوم اللغة العربية فيها.

[مقدمۃ التحقیق علی المبسوط ۱/۲۴]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابن مسعود کے تلامذہ اس شہر کے چراغ ہیں۔شہر کوفہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علوم و معارف کے سبب ایسا مرکز علم وفن ہوگیا تھا کہ اسلامی شہروں میں اتنے فقہا، محدثین، قاری قرآن اور علمائے لغت عربی کسی دوسرے شہر میں نہیں تھے جتنے یہاں تھے۔

ابن جریر نے کہا: صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جس کے تلامذہ ایسے مشہور ہوئے ہوں جیسے حضرت ابن مسعود کے، جنہوں نے اپنے استاذ کے فتاویٰ اور علم فقہ کو مدون کیا ہو۔[ایضاً]

آپ کوفہ ۲۰ھ میں آئے اور ۳۰ھ تک مسلسل دس سال کا عرصہ آپ نے یہاں گزارا، اس مدت میں آپ سے اکتساب علم کرنے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی۔

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ان کے استقبال کے لیے آئے تو سارا میدان ان کے شاگردوں سے بھر گیا۔ انھیں دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ابن مسعود! تم نے کوفہ کو علم وفقہ سے بھر دیا اور تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

[نزہۃ القاری شرح بخاری کا مقدمہ: ۱/۱۱۲]

کوفہ میں بعض تلامذۂ ابن مسعود

۱۔عبیدہ بن قیس سلمانی، متوفی ۷۲ھ	۲۔عمرو بن میمون اودی، متوفی ۷۴ھ
۳۔زر بن جیش، متوفی ۸۲ھ، مخضرمی	۴۔ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی، متوفی ۷۴ھ
۵۔سوید بن غفلہ مذحجی، متوفی ۸۲ھ، مخضرمی	۶۔علقمہ بن قیس نخعی، متوفی ۶۲ھ
۷۔مسروق بن اجدع، متوفی ۶۳ھ	۸۔اسود بن یزید بن قیس نخعی، متوفی ۷۴ھ
۹۔شریح بن حارث کندی، متوفی ۸۰ھ	۱۰۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، متوفی ۸۳ھ
۱۱۔عمر بن شرحبیل ہمدانی	۱۲۔مرہ بن شرحبیل
۱۳۔زید بن صوحان	۱۴۔حارث بن قیس جعفی
۱۵۔عبدالرحمٰن بن اسود نخعی	۱۶۔عبداللہ بن عتبہ بن مسعود
۱۷۔خیثمہ بن عبدالرحمٰن	۱۸۔سلمہ بن صہیب
۱۹۔مالک بن عامر	۲۰۔عبداللہ بن مغیرہ
۲۱۔خلاس بن عمرو	۲۲۔ابووائل شقیق بن سلمہ
۲۳۔عبیدہ بن فضلہ	۲۴۔ربیع بن خیثم
۲۵۔عتبہ بن فرقد	۲۶۔صلہ بن زفر
۲۷۔ہمام بن حارث	۲۸۔حارث بن سوید
۲۹۔زاذان ابوعمرو کندی	۳۰۔زید بن وہب
۳۱۔زیاد بن جریر	۳۲۔کردوس بن ھانی

۳۳۔یزید بن معاویہ نخعی

ان میں اکثر وہ ہیں جنھوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم اور ام المومنین حضرت سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا۔ کوفہ میں ان کی جلالت شان کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔ [مقدمۃ التحقیق علی المبسوط ۱/ ۲۷]

بالخصوص حضرت علقمہ اور حضرت اسود نہایت ممتاز تھے۔

اسود بن یزید

نام ونسب: نام: اسود بن یزید بن قیس نخعی۔

کنیت: ابوعمرو ہے اور ان کو ابوعبدالرحمٰن کوفی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عبدالرحمٰن یزید کے بھائی، علقمہ بن قیس کے بھتیجے، عبدالرحمٰن کے والد ہیں۔

تعلیم:

حضرت اسود بن یزید نے عبداللہ بن مسعود سے تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ:

بلال بن رباح، حذیفہ بن الیمان، سلمان فارسی، عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالب، عمر ابن الخطاب، معاذ بن جبل، ابوبکر صدیق وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تلامذہ:

ابراہیم بن سوید نخعی، عبدالرحمٰن بن الاسود، ابواسحاق سبیعی ابو بردہ بن ابی موسیٰ، ابوحسان اعرج وغیرہم، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

شمائل وفضائل:

آپ نے اسّی حج کئے۔ اسماعیل بن علی فرماتے ہیں کہ اسود بن یزید نے اسی مرتبہ حج کا سفر کیا۔ اورآپ کے بیٹے عبدالرحمٰن ابن اسود کا یہ عالم تھا کہ روزانہ سات سو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ آپ کے بارے میں ابوطالب نے ثقة من اهل الخير کہا۔ آپ ثقہ راوی ہیں اور محمد بن سعد نے فرمایا كان ثقة وله احاديث صالحة ۔ اسود بن یزید کا انتقال سرزمین کوفہ پر ۷۵ھ میں ہوا۔ یہی راجح قول ہے اور ایک قول ۷۴ھ کا ہے۔ محضرم، ثقة، مکثر، فقیہ ہیں۔

[مغانی الاخيار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار ۱/ ۷۱]

اسود بن یزید جلالت علم فقہ اور اس میں حضرت مسروق کی نظیر ہیں۔ ان دونوں کی عبادت کی

مثال بیان کی جاتی ہے۔آپ کا عبادت میں یہ حال تھا کہ حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ اسود بن یزید رمضان کی ہر دو رکعت میں ایک قرآن مجید پڑھتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان سوتے تھے، غیر رمضان میں ہر چھ رات میں ایک قرآن پڑھتے تھے۔

جب حضرت شعبی سے اسود کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ صوام،قوام اور حجاج تھے، تینوں مبالغہ کے صیغہ بیان کئے۔اور علقمہ بن مرثد فرماتے ہیں: جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو آپ رونے لگے،آپ سے کہا گیا کہ حضور یہ جزع فزع کیسی ہے(آپ کیوں رو رہے ہیں)اسود بن یزید نے فرمایا: باخدا اگر اللہ کی جانب سے مجھے مغفرت عطا کردی جائے پھر بھی حیا مجھے غمگین کردے گی ان کاموں کی وجہ سے جو میں نے کئے۔مثلا ایک شخص ہے،اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان ایک غلطی ہوتی ہے تو وہ اسے معاف کردیتا ہے وہ غلطی معاف ہونے کے باوجود بھی وہ شرمسار رہتا ہے۔(یہی میرا حال ہے)

حضرت شعبہ بروایت حکم فرماتے ہیں: اسود بن یزید ہر دن روزہ رکھتے تھے۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: کہ اسود بن یزید جب نماز کا وقت ہوتا اپنے اونٹ کو بٹھاتے اگرچہ پتھر پر ہو۔حضرت حماد بروایت ابراھیم فرماتے ہیں کہ اسود روزہ رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی زبان گرمی سے کالی پڑھ جاتی تھی۔ [سیر اعلام النبلا ٤/٣٢٦]

حضرت علقمہ بن قیس

آپ علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی ہیں۔نہایت عظیم فقیہ تھے،حضرت اسود بن یزید کے چچا،اور فقیہ عراق حضرت ابراہیم نخعی کے ماموں تھے۔حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں ولادت ہوئی ،قبیلہ ''نخع'' سے ہیں جو اہل عرب کا یمنی قبیلہ تھا،حضور کا دیدار نہیں کرسکے، لہذا مخضرمین میں آپ کا شمار ہے صحابی نہیں۔قرآن کریم اور علم فقہ کی تعلیم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عمر فاروق اعظم ،حضرت علی مرتضی اور حضرت ابو درداسے حاصل کی اور خاص طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود سے اکتساب علم وفیض کیا۔[ردالمحتار ا/۱۶۴]

آپ فقیہ کوفہ سے مشہور تھے،اپنے وقت کے امام فقہ، حافظ حدیث، تجوید قرآن کے ماہر اور جلیل القدر مجتہد تھے۔حضرت ابن مسعود کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ حضرت ابن مسعود کے انتقال کے بعد لوگوں کا کہنا تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھا اس نے حضرت ابن مسعود کو دیکھ لیا۔خود حضرت ابن مسعود بھی فرماتے تھے:

علقمہ علم میں مجھ سے کم نہیں۔

ان کی علمی جلالت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام بھی آپ سے مسائل پوچھتے تھے۔

نہایت خوش الحان قاری تھے، اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود بطور خاص ان کی قراءت سماعت فرماتے اور نہایت مسرور ہوتے۔ ان تمام خوبیوں کی وجہ سے حضرت ابن مسعود نے ان کو اپنا قرب خاص عطا فرمایا اور آپ کے وصال کے بعد حضرت علقمہ ہی آپ کے جانشین ہوئے۔

حضرت ابراہیم نخعی

آپ کا نام: ابراہیم، کنیت: ابوعمران، اور والد کا نام: یزید ہے۔ سلسلۂ نسب ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود بن عمرو بن ربیعہ بن دہل ہے۔ نخعی ہیں یعنی قبیلۂ ''نخع'' کی طرف منسوب ہیں جو نخع بن عمرو کی جانب نسبت کیا جاتا ہے۔ حضرت علقمہ بن قیس نخعی کے بھانجے ہیں۔ فقیہ عراق کے لقب سے مشہور ہوئے، کیوں کہ آپ نے حضرت علقمہ کی سچی نیابت کا حق ادا کیا۔

آپ کے تلامذہ میں عظیم محدث امام اعمش، منصور، ابن عون اور مغیرہ بن مقسم شمار ہوتے ہیں، اور فقہ میں خاص طور پر حضرت حماد بن ابی سلیمان آپ کے تلمیذ رشید ہیں۔ آپ نے بچپن میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ نہایت پاکباز، صالح اور سادہ مزاج تھے۔

امام اعمش نے فرمایا: علم حدیث میں آپ خیر وصلاح کے مالک تھے۔ امام شعبی نے بوقت وصال کہا: آپ نے اپنے سے بڑا عالم اور فقیہ کسی کو نہیں چھوڑا۔ شعیب راوی کہتے ہیں: میں نے کہا: حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں، فرمایا: ہاں، اور یہی نہیں بلکہ بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں بھی کوئی نہیں۔

[تاریخ بخاری ۱/۳۳۴]

آپ کی روایتیں عام طور سے حضرت مسروق، حضرت اسود اور حضرت علقمہ سے ہیں مگر آپ ارسال زیادہ کرتے تھے۔ اور اپنے ان اساتذہ کے نام ذکر نہ کرکے بلا واسطہ حضرت ابن مسعود کا نام لیتے۔ ایک مرتبہ آپ کے شاگرد حضرت امام اعمش نے کہا: آپ جب حضرت ابن مسعود سے روایت کریں تو بیچ کے راوی کا نام بھی ذکر کردیا کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا: اگر میں درمیانی راوی کا نام لے کر بیان کروں تو سمجھ لو کہ میرے اور ان کے درمیان وہی ایک راوی ہیں۔ اور جب ذکر نہ کروں تو جان لو کہ یہاں ایک سے زیادہ راوی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناقد حدیث حضرت یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

میرے نزدیک حضرت ابراہیم کی مراسیل امام شعبی کی مراسیل سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔

[تهذيب التهذيب ، ١/١٧٦]

آپ کی اہلیہ بیان کرتی ہیں:

آپ صوم داوودی رکھتے تھے، یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: آپ نہایت ذہین، حافظ حدیث اور سنتوں پر عمل کرنے والے تھے۔

مغیرہ نے کہا: آپ سے کوئی ایسا شخص ملنا چاہتا جس سے آپ ملاقات نہیں کرنا چاہتے تو لڑکی باہر آکر یہ کہہ دیتی کہ آپ ان کو مسجد میں تلاش کر دیکھو۔ [سیر اعلام النبلا ۴/۶۲۲]

امام اعمش نے فرمایا: حضرت ابراہیم نخعی نقد حدیث میں ماہر تھے۔

آپ عظیم فقیہ تھے اور اس کی شہادت جلیل القدر ائمہ نے دی۔

حضرت سعید بن جبیر سے کوفہ کے کسی شخص نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: تمہارے شہر میں ابراہیم نخعی موجود ہیں پھر بھی مسئلہ ہم سے پوچھتے ہو۔

آپ چال ڈھال میں اپنے ماموں حضرت علقمہ کے مشابہ تھے، اس لیے لوگوں کا کہنا تھا کہ جس نے ابراہیم نخعی کو دیکھا اس نے علقمہ کو دیکھ لیا۔ پھر حضرت علقمہ کے سلسلہ میں بھی یہی کہا جاتا تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھا اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ اور حضرت ابن مسعود کے بارے میں تو صحابہ متفق اللسان تھے کہ مردوں میں آپ سب سے زیادہ عادات وخصائل حمیدہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، گویا یہ سلسلہ فیض وجود حضور سے ابراہیم نخعی تک باحسن وجوہ پہنچا۔

اصحاب جرح وتعدیل آپ کی مراسیل کو صحاح کہتے تھے، بلکہ بہت سے محدثین اپنی مسانید پر بھی ان کو فضیلت دیتے۔ امام اعمش کہتے ہیں: میں نے جب بھی کوئی حدیث ابراہیم نخعی کو سنائی تو اس کا علم پہلے سے ان کے پاس میں نے پایا۔

آپ علم حدیث میں کھرے کھوٹے کی خوب پہچان رکھتے تھے۔ اس لیے جب بھی میں کسی سے کوئی حدیث سنتا تو ان کو ضرور سناتا، تاکہ اس کی صحیح حیثیت مجھے بھی معلوم ہو جائے۔

اسمٰعیل بن خالد کہتے ہیں: امام شعبی، ابوالضحیٰ، ابراہیم نخعی اور ہمارے دوسرے اصحاب مسجد کوفہ میں جمع ہوتے اور حدیث کے سلسلہ میں مذاکرہ کرتے، جب ان سے کسی مسئلہ میں پوچھا جاتا اور ان کو اس کا علم نہ ہوتا تو یہ سب ابراہیم نخعی کی طرف اشارہ کرتے۔ حق بات یہ ہے کہ آپ جلیل القدر محدث اور عظیم فقیہ تھے، حدیث میں حجت اور اجتہاد میں بحر عمیق۔ اسی لیے آپ کا یہ قول ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیا'' میں

بیان کیا کہ آپ نے فرمایا:

رائے اور اجتہاد بغیر روایت حدیث درست نہیں، اور روایت بغیر اجتہاد کام کی نہیں۔ حسن بن عبید اللہ نخعی کہتے ہیں: میں نے ابراہیم نخعی سے کہا: کیا آپ کے جو فتاویٰ میرے سننے میں آتے ہیں وہ سب قرآن واحادیث سے ماخوذ ہیں۔ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: آپ ان چیزوں میں بھی فتویٰ دے دیتے ہیں جن کا آپ کو علم نہیں؟ فرمایا: جو روایات میں نے سنیں وہ تو سنیں مگر جب میرے پاس کوئی ایسا سوال آئے جس کے بارے میں مجھے کوئی روایت نہیں ملی تو میں ان دلائل سمعیہ کی روشنی میں قیاس کرتا ہوں۔ اور واقعی علم فقہ یہی ہے۔ [مقدمۃ التحقیق علی المبسوط ۱/ ۲۹]

محمد بن سعد کہتے ہیں: حضرت ابراہیم نخعی کو مندرجہ ذیل صحابہ سے سماع حدیث حاصل تھا: حضرت زید بن ارقم، مغیرہ ابن شعبہ اور اعمش بن مالک۔

جریر ابن عاصم کہتے ہیں کہ میں امام عامر شعبی کے ساتھ تھا کہ ہمارا گزر ابراہیم نخعی کے پاس سے ہوا۔ امام شعبی کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کھڑے ہو گئے، اس پر امام شعبی نے فرمایا: سنو! اگر میں دنیا کی زندگی میں آپ سے بڑا فقیہ مان لیا جاؤں تو بھی آپ انتقال کے بعد مجھ سے بڑے فقیہ ثابت ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے تلامذہ آپ کے مشن کو بڑھانے میں آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کا علم زندہ رکھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ کا زمانہ حجاج بن یوسف کے ظلم وجور کا زمانہ ہے جب وہ ائمہ اور علما کو چن چن کر قتل کر رہا تھا تو بہت زمانے تک آپ روپوش رہے، آخر کار آپ کو اس کی موت کی خبر ملی۔

امام اعظم اپنے استاذ محترم حضرت حماد بن ابی سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حماد نے بیان کیا کہ جب میں نے حجاج کے مرنے کی خوش خبری آپ کو سنائی تو آپ سجدے میں گر گئے، میں نے دیکھا کہ آپ خوشی سے رو رہے ہیں۔ [سیر اعلام النبلاء ٤ / ٦٢٠]

آپ کا وصال ۴۹؍سال کی عمر میں ۹۶؍ھ میں ہوا۔

حضرت حماد بن ابی سلیمان

آپ کا نام: حماد، والد کا نام: مسلم، اور کنیت: ابو اسماعیل ہے، والد کی کنیت: ابو سلیمان تھی باعتبار ولاء اشعری تھے، اس لیے کہ آپ ابراہیم بن ابی موسیٰ اشعری کے مولیٰ تھے۔ فقیہ کوفہ سے مشہور ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت انس صحابی رسول، زید بن وہیب، سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، ابو وائل، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، وغیرہم جلیل القدر ائمہ ہیں۔

تلامذہ میں امام شعبہ، امام ثوری، حماد ابن سلمہ، مسعر بن کدام، امام اعمش، اور امام اعظم ابوحنیفہ جیسے ائمہ وقت کا شمار ہے۔

آپ نے اپنے جن استاذ سے زیادہ اکتساب علم وفضل کیا وہ حضرت ابراہیم نخعی ہیں۔

ابراہیم نخعی کے تلامذہ میں آپ کو خصوصیت حاصل تھی، لہذا ان کے وصال کے بعد آپ ہی ان کے علمی وارث وجانشین قرار پائے بلکہ اپنے استاذ کے زمانہ ہی میں فتوی دیتے اور آپ کے استاذ ان کے فتاوی کو سراہتے تھے۔

ایک مرتبہ مغیرہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے شکایت کی کہ حماد نے فتوی دینا شروع کر دیا ہے۔ فرمایا: کیا ہوا، ان کو فتوی دینے سے کون سی چیز مانع ہے، انھوں نے مجھ سے تنہا وہ مسائل سیکھ لیے ہیں جو تم سب مل کر بھی اس کے دسویں حصہ تک نہیں پہنچے۔ لہذا امام عجلی کہتے ہیں: آپ ابراہیم نخعی کے تلامذہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے کوفہ میں جو فقہ وافتا کا دور دورہ ہوا تو یہاں کے گھر گھر میں علم فقہ کا چرچا تھا۔ آپ کے تلامذہ نے فقہ وفتاویٰ کی روشنی سے کوفہ کے بام ودر کو روشن کر دیا تھا۔ حضرت حماد کے زمانہ میں علم فقہ اتنے عروج وارتقا پر تھا کہ آپ جب حج وزیارت سے واپس کوفے آئے تو اپنا یہ تاثر بیان کیا:

حضرت جریر نے مغیرہ سے سن کر یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت حماد حج سے واپس آئے تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اس موقع پر آپ نے بیان کیا: اے کوفے والو! تمہارے لیے بشارت ہے کہ میں نے مکہ میں حضرت عطا، طاؤس اور مجاہد سے ملاقات کی، مگر میں نے محسوس کیا کہ آج کوفہ میں تمہارے بچے اور بچوں کے بچے ان سے زیادہ فقیہ ہیں۔ [تہذیب التہذیب ۲/ ۱۳]

اس سے پہلے ہم قارئین کو بتا آئے کہ کوفہ فقہائے رائے کا مرکز تھا، یہاں کہ فقیہ علم روایت اور روایت کے ظاہر الفاظ تک محدود نہیں رہتے تھے بلکہ ان حضرات کا مطمح نظر روایات میں دقت نظر سے کام لینا اور نصوص قرآن وحدیث کے مقاصد ومصالح کو پیش نظر رکھنا تھا، اس لیے کوفہ میں روایات سے زیادہ ان سے اخذ کردہ مسائل کا چرچا تھا۔ یہاں وقائع اور حوادث کی کثرت نے بھی مختلف النوع مسائل کھڑے کیے اور فقہائے کوفہ نے ان کو اپنی عمیق نگاہی سے حل کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔

لہذا یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت حماد نے اپنے اس قول سے حضرت عطا وغیرہ جلیل القدر

محدثین وائمہ کی علمی جلالت سے انکار کیا ہے بلکہ بات وہی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ابھی تک ان مسائل کا قضیہ ہی سامنے نہیں آیا جن کی لوگوں کو دوسری جگہ ضرورت تھی اور کوفہ کے ائمہ اس کو حل کر کے لوگوں کی رہنمائی کا سامان فراہم کر چکے تھے۔اس سے ان مسائل کو جاننے میں بلاشبہ امام حماد کے تلامذہ اوران کے تلامذہ کے تلامذہ کو جومہارت تامہ حاصل تھی وہ آگے چل کر سب پر عیاں ہوگئی۔

امام حماد بن ابی سلیمان کوفہ میں اپنے علم وتفقہ کی بنیاد پر تو مشہور تھے ہی ساتھ ہی جود وسخا اور عزت نفس وحیامیں شہرت کے مالک تھے۔

امام داؤد طائی فرماتے ہیں: کھانا کھلانے میں نہایت سخاوت سے کام لیتے۔دراہم ودنانیر عطا کرنے میں کشادہ دست تھے۔ [تهذيب التهذيب ۲/ ۱۳]

آپ کا وصال ۱۲۰ھ میں ہوا،آپ نے پچیس سال مسلسل کوفہ کی جامع مسجد میں مسند درس وافتا سجائے رکھی،اس مدت میں بڑے بڑے فقہائے اسلام نے آپ کی درس گاہ میں زانوئے تلمذ طے کیے۔ ان سب میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا مقام ومرتبہ سب پر فائق تھا اور آپ نے بھی اپنے استاذ کی حیات کے آخری لمحات تک اپنی وابستگی جاری رکھی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ

نام ونسب:

نام،نعمان۔کنیت،ابوحنیفہ۔والد کا نام،ثابت۔القاب،امام اعظم ، امام الائمہ سراج الامہ، رئیس الفقہاء والمجتہدین،سیدالاولیاء والمحدثین۔آپکے دادا اہل کابل سے تھے۔سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

نعمان بن ثابت بن مرزبان زوطی بن ثابت بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں۔

شرح تحفہ نصائح کے بیان کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوۃ والتسلیم تک پہنچتا ہے اور یہاں آکر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

خطیب بغدادی نے سیدنا حضرت امام اعظم کے پوتے حضرت اسمٰعیل بن حماد سے نقل کیا ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن مرزبان از اولاد فرس احرار ہوں۔اللہ کی قسم! ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی۔میرے دادا حضرت ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی،انکے والد حضرت ثابت چھوٹی عمر میں حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر کئے گئے،آپ نے ان کے اوران کی اولاد

کیلئے برکت کی دعا کی۔اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضی کی دعا ہمارے حق میں قبول کرلی گئی ہے۔ (تاریخ بغداد للخطیب:۱۲/۳۲۶)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ آپکی ولادت ۸۰ ھ میں ہوئی۔ دوسری روایت جو حضرت امام ابو یوسف سے ہے اس میں ۷۷ھ ہے۔علامہ کوثری نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ ۷۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن الحارث سے ملاقات ہوئی اور حدیث سنی۔اسی ۷۰ھ کو ابن حبان نے بھی صحیح بتایا ہے۔

معتمد قول یہ ہی ہے کہ آپ فارسی النسل ہیں اور غلامی کا دھبہ آپکے آباء میں کسی پر نہیں لگا، مورخوں نے غیر عرب پر موالی کا استعمال کیا ہے بلکہ عرب میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ پردیسی یا کمزور افراد کسی بااثر شخص یا قبیلہ کی حمایت وپناہ حاصل کرلیتا تھا۔لہذا حضرت امام اعظم کے جدامجد جب عراق آئے تو آپ نے بھی ایسا ہی کیا۔

امام طحاوی شرح مشکل الآثار میں راوی کہ حضرت عبداللہ بن یزید کہتے ہیں: میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا،تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایسا شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس پر اسلام کے ذریعہ احسان فرمایا،یعنی نومسلم۔حضرت امام اعظم نے فرمایا: یوں نہ کہو، بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے تعلق پیدا کرلو پھر تمہاری نسبت بھی ان کی طرف ہوگی، میں خود بھی ایسا ہی تھا۔
(مشکل الآثار للطحاوی:۴/۵۴)

مولی صرف غلام ہی کو نہیں کہا جاتا ، بلکہ ولاء اسلام ، ولاء حلف ،اور ولاء لزوم کو بھی ولاء کہتے ہیں اور ان تعلق والوں کو بھی موالی کہا جاتا ہے۔امام بخاری ولاء اسلام کی وجہ سے جعفی ہیں۔امام مالک ولاء حلف کی وجہ سے تیمی۔اور مقسم کو ولاء لزوم یعنی حضرت ابن عباس کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہنے کی وجہ سے مولی ابن عباس کہا جاتا ہے۔ (مقدمہ ابن صلاح)

کنیت کی وضاحت:

آپکی کنیت ''ابوحنیفہ'' کے سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں:

۱۔ چونکہ اہل عرب دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اور کوفہ کی جامع مسجد میں چارسو دواتیں طلبہ کیلئے ہمیشہ وقف رہتی تھیں۔امام اعظم کا حلقہ درس وسیع تھا اور آپ کے ہر شاگرد کے پاس علیحدہ دوات رہتی تھی ، لہذا آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا۔

۲۔ صاحب ملت حنیفہ،یعنی ادیان باطلہ سے اعراض کرکے حق کی طرف پورے طور پر مائل رہنے

والا۔

۳۔ ماء مستعمل کو آپ نے طہارت میں استعمال کرنے کیلئے جائز قرار نہیں دیا تو آپ کے متبعین نے ٹوٹیوں کا استعمال شروع کیا، چونکہ ٹوٹی کو حنیفہ کہتے ہیں لہذا آپ کا نام ابوحنیفہ پڑ گیا۔

(سوانح امام اعظم ابوحنیفہ:۶۰)

وجہ تسمیہ:

وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ''نعمان'' لغت عرب میں خون کو کہتے ہیں جس پر مدار حیات ہے۔ نیک فالی کے طور پر یہ نام رکھا گیا۔آپ نے شریعت اسلامیہ کے وہ اصول مرتب کئے جو مقبول خلائق ہوئے اور شریعت مطہرہ کی ہمہ گیری کا ذریعہ بنے۔ یہاں تک کہ امام شافعی قدس سرہ نے بھی آپ کی عملی شوکت وفقہی جلالت شان کو دیکھ کر فرمایا:

''الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة''

فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

نعمان گل لالہ کی ایک قسم کا نام بھی ہے۔اسکا رنگ سرخ ہوتا ہے اور خوشبو نہایت روح پرور ہوتی ہے، چنانچہ آپ کے اجتہاد اور استنباط سے بھی فقہ اسلامی اطراف عالم میں مہک اٹھی۔

بشارت عظمی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی، جب آپ نے اس سورت کی آیت: ﴿آخرین منهم لما یلحقوبهم﴾ پڑھی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ دوسرے حضرات کون ہیں جو ابھی ہم سے نہیں ملے؟ حضور یہ سنکر خاموش رہے، جب بار بار پوچھا گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھے پر دست اقدس رکھ کر ارشاد فرمایا:

((لو کان الایمان عندالثریا لناله رجل من هؤلاء))۔

(الجامع الصحیح للبخاري: تفسیر سورة الجمعة: ۲/۷۲۷)

اگر ایمان ثریا کہ پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کرلیں گے۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔جن کا مفہوم ومعنی ایک ہے۔

علامہ ابن حجر مکی نے حافظ امام سیوطی کے بعض شاگردوں کہ حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے استاد

امام سیوطی یقین کے ساتھ کہتے تھے۔

اس حدیث کے اولین مصداق صرف امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔کیوں کہ امام اعظم کے زمانے میں اہل فارس سے کوئی بھی آپ کے علم وفضل تک نہ پہنچ سکا۔ (تذکرۃ المحدثین:۴۸))

الفضل ماشهدت به الاعداء ۔کے بموجب نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑا۔لکھتے ہیں:

ہم امام دراں داخل ست۔ (اتحاف النبلاء:۲۲۴)

امام اعظم بھی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

امام بخاری کی روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت سلمان فارسی کیلئے یہ بشارت نہ تھی کہ آیت میں ﴿لما یلحقو بهم﴾ کے بارے میں سوال تھا اور جواب میں آئندہ لوگوں کی نشاندھی کی جارہی ہے ،لہذا وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث تو حضرت سلمان فارسی کیلئے تھی اور احناف نے امام اعظم پر چسپاں کردی۔قارئین غور کریں کہ یہ دیانت سے کتنی بعید بات ہے۔

تعلیم کے مراحل:

آپ نے ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد تجارت کا میدان اختیار کرلیا تھا۔آپ ریشم کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے،حفص بن عبدالرحمٰن بھی آپ کے شریک تجارت تھے۔آپکی تجارت عامیانہ اصول سے بالاتر تھی ۔آپ ایک مثالی تاجر کا رول ادافرماتے،بلکہ یوں کہاجائے کہ تجارت کی شکل میں لوگوں پر جودوکرم کا فیض جاری کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

ایک دن تجارت کے سلسلہ میں بازار جارہے تھے،راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی،یہ وہ عظیم تابعی ہیں جنہوں نے پانچسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا،فرمایا: کہاں جاتے ہو؟ عرض کی: بازار، چونکہ آپ نے امام اعظم کے چہرہ پر ذہانت وسعادت کے آثار نمایاں دیکھ کر بلایا تھا،فرمایا: علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھتے ہو،عرض کیا نہیں۔فرمایا: غفلت نہ کرو تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو۔کیونکہ میں تمہارے چہرے میں علم وفضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ (مناقب امام اعظم:۱/۵۹)

امام اعظم فرماتے ہیں:

امام شعبی کی ملاقات اوران کے اس فرمان نے میرے دل پر اثر کیا اور بازار کا جانا میں نے چھوڑ دیا۔پہلے علم کلام کی طرف متوجہ ہوا اور اس میں کمال حاصل کرنے کے بعد گمراہ فرقوں مثلاً جھمیہ قدریہ سے بحث ومباحثہ کیا اورمناظرہ شروع کیا۔پھر خیال آیا کے صحابہ کرام سے زیادہ دین کو جاننے والا کون

ہوسکتا ہے، اس کے باوجود ان حضرات نے اس طریق کو نہ اپنا کر شرعی اور فقہی مسائل سے زیادہ شغف رکھا، لہذا مجھے بھی اسی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

کوفہ آپ کے عہد پاک میں فقہائے عراق کا گہوارہ تھا جس طرح اس کے برخلاف بصرہ مختلف فرقوں اور اصول اعتقاد میں بحث ومجادلہ کرنے والوں کا گڑھ تھا۔ کوفہ کا یہ علمی ماحول بذات خود بڑا اثر آفریں تھا۔ خود فرماتے ہیں: میں علم وفقہ کی کان کوفہ میں سکونت پذیر تھا اور اہل کوفہ کا جلیس وہم نشیں رہا۔ پھر فقہاء کوفہ میں ایک فقیہ کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ (تاریخ بغداد للخطیب: ۱۳/۲۳۲)

ان فقیہ سے مراد حضرت حماد بن ابی سلیمان ہیں جو اس وقت جامع کوفہ میں مسند درس وتدریس پر متمکن تھے اور یہ درسگاہ باقاعدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد پاک سے چلی آرہی تھی۔

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکاء تھے آکر آباد ہوگئے تھے۔ جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں اسکی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کرسکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفہ کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر گھر دارالحدیث اور دارالعلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفہ میں حدیث وفقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب ومہتاب تھا۔ کوفہ کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک بھی باقی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کرسکے، اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

اس وقت کوفہ میں مندرجہ ذیل مشاہیر ائمہ موجود تھے:

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق، امام عامر شعبی، سلمہ بن کہیل، ابواسحاق سبیعی، سماک بن حرب، محارب بن دثار، عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ہشام بن عروہ بن زبیر، سلیمان بن مہران اعمش، حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق۔

سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ ہی میں تھے۔

کوفہ کو مرکز علم وفضل بنانے میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت ابن مسعود کو حضرت فاروق اعظم

نے کوفہ کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا، اسی عہد میں انہوں نے کوفہ میں علم وفضل کا دریا بہایا۔

اسرارالانوار میں ہے:

کوفہ میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار ہزار افراد حاضر ہوتے۔ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے تو سارا میدان آپ کے تلامذہ سے بھر گیا۔انہیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہوکر فرمایا: ابن مسعود! تم نے کوفہ کو علم وفقہ سے بھر دیا اور تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی وعرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہورہے ہیں۔خواہ علم حدیث ہو یا علم فقہ۔اگر کوفہ کے راویوں کو ساقط الاعتبار کردیا جائے تو پھر صحاح ستہ صحاح ستہ نہ رہ جائیں گی۔

امام شعبی نے فرمایا: صحابہ میں چھ قاضی تھے، ان میں تین مدینے میں تھے۔عمر، ابی بن کعب، زید۔اور تین کوفے میں علی، ابن مسعود، ابوموسی اشعری۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام مسروق نے کہا: میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا۔عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابودرداء، ابی بن کعب، اسکے بعد دیکھا تو ان چھ حضرات کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔علی اور ابن مسعود۔ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کر اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ان آفتاب وماہتاب نے کوفے کے ذرے ذرے کو چمکایا۔

حضرت عمر نے اس شہر کو راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب، رمح اللہ اور کنز الایمان کہا۔

حضرت سلمان فارسی نے قبۃ الاسلام کا لقب دیا۔

حضرت علی نے کنز الایمان، جمجمۃ الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ فرمایا۔(نزہۃ القاری:۱/۱۱)

امام اعظم نے امام حماد کے حلقہ تلامذہ میں شرکت اس وقت کی جب آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز ہوگئی تھی اور آپ اٹھارہ سال تک ان کی خدمت میں فقہ حاصل کرتے رہے، درمیان میں آپ نے دوسرے بلاد کا سفر بھی فرمایا، حج بیت اللہ کیلئے بھی حرم شریف میں حاضری کا موقع ملا۔اس طرح آپ ہر جگہ علم کی تلاش میں رہے اور تقریباً چار ہزار مشائخ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا اور پھر اپنے استاذ حضرت حماد کی مسند درس پر جلوس فرمایا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام حماد کا وصال ۱۲۰ھ میں ہوا، لہذا ان کے وصال کے وقت امام

اعظم کی عمر چالیس سال تھی، گویا جسم وعقل میں کامل ہونے کے بعد آپ نے چالیس سال کی عمر میں مسند درس کو رونق بخشی۔

آپ کو پہلے بھی اس چیز کا خیال آیا تھا کہ میں اپنی درسگاہ علیحدہ قائم کرلوں مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی۔آپ کے شاگرد امام زفر فرماتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنے استاذ حضرت حماد سے وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں دس سال آپ کی صحبت میں رہا، پھر میرا جی حصول اقتدار کے لیے للچایا تو میں نے الگ اپنا حلقہ جمانے کا ارادہ کرلیا۔ایک روز میں پچھلے پہر نکلا اور چاہا کہ آج یہ کام کرہی لوں، مسجد میں قدم رکھا اور شیخ حماد کو دیکھا تو ان سے علیحدگی پسند نہ آئی اور ان کے پاس ہی آکر بیٹھ گیا۔اسی رات حضرت حماد کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں ان کا کوئی عزیز فوت ہوگیا ہے، بڑا مال چھوڑا اور حماد کے سوا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے، آپ نے اپنی جگہ مجھے بٹھایا، جیسے ہی وہ تشریف لے گئے کہ میرے پاس چند ایسے مسائل آئے جو میں نے آج تک ان سے نہ سنے تھے، میں جواب دیتا جاتا اور اپنے جوابات لکھتا جاتا تھا۔جب حضرت حماد واپس تشریف لائے تو میں نے وہ مسائل پیش کئے، یہ تقریباً ساٹھ مسائل تھے۔چالیس سے تو آپ نے اتفاق کیا لیکن بیس میں میرے خلاف جواب دیئے۔میں نے اسی دن یہ تہیہ کرلیا کہ تاحین حیات ان کا ساتھ نہ چھوڑوں گا، لہذا میں اسی عہد پر قائم رہا اور تازندگی انکے دامن سے وابستہ رہا۔

غرض کہ آپ چالیس سال کی عمر میں کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے استاذ کی مسند پر متمکن ہوئے اور اپنے تلامذہ کو پیش آمدہ مسائل وجوابات کا درس دینا شروع کیا۔آپ نے بڑی سلجھی ہوئی گفتگو اور عقل سلیم کی مدد سے اشباہ وامثال پر قیاس کا آغاز کیا اور اس فقہی مسلک کی داغ بیل ڈالی جس سے آگے چل کر حنفی مذہب کی بنیاد پڑی۔آپ نے دراسات علمی کے ذریعہ ان اصحاب کرام کے فتاوی تک رسائی حاصل کی جو اجتہاد واستنباط، ذہانت وفطانت اور جودت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

ایک دن آپ منصور کے دربار میں تشریف لے گئے، وہاں عیسی بن موسی بھی موجود تھا۔اس نے منصور سے کہا: یہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم دین ہیں، منصور نے امام اعظم کو مخاطب کرکے کہا:

نعمان! آپ نے علم کہاں سے سیکھا، فرمایا: حضرت ابن عمر کے تلامذہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے۔نیز شاگردان علی سے انہوں نے حضرت علی سے۔اسی طرح تلامذہ ابن مسعود سے۔بولا: آپ نے بڑا قابل اعتماد علم حاصل کیا۔

(تاریخ بغداد للخطیب: ۳/۳۳۴)

شرف تابعیت:

امام اعظم قدس سرہ کو متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے شرف ملاقات بھی حاصل تھا، آپ کے تمام انصاف پسند تذکرہ نگار اور مناقب نویس اس بات پر متفق ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جو ائمہ اربعہ میں کسی کو حاصل نہیں۔ بلکہ بعض نے تو صحابہ کرام سے روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، اس وقت کوفہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کا وصال ۸۸ھ کے بعد ہوا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت بصرہ میں موجود تھے اور ۹۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ نے ان کو دیکھا ہے۔ ان حضرات کے سوا دوسرے بلاد میں دیگر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ جیسے:

☆ حضرت واثلہ بن اسقع شام میں۔ وصال ۸۵ھ

☆ حضرت سہل بن سعد مدینہ میں۔ وصال ۸۸ھ

☆ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ مکہ میں۔ وصال ۱۱۰ھ

یہ تمام صحابہ کرام میں آخری ہیں جنکا وصال دوسری صدی میں ہوا۔ اور امام اعظم نے ۹۳ھ میں انکو حج بیت اللہ کے موقع پر دیکھا۔

امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے خود امام اعظم کو فرماتے سنا کہ:

میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا، اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ ان پر لوگوں کا ہجوم تھا، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ بوڑھے شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحابی ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن حارث بن جز ہے، پھر میں نے دریافت کیا کہ ان کے پاس کیا ہے؟ میرے والد نے کہا: ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ میں نے کہا: مجھے بھی ان کے پاس لے چلئے تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں، چنانچہ وہ مجھ سے آگے بڑھے اور لوگوں کو چیرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ ہمہ ورزقہ من حیث لایحتسبہ۔ (کتاب بیان العلم: ۱/۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دین کی سمجھ حاصل کر لی اسکی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اوراس کواس طرح پر روزی دیتا ہے کہ کسی کوشان وگمان بھی نہیں ہوتا۔

علامہ کوثری کی صراحت کے مطابق پہلا حج ۸۷ھ میں سترہ سال کی عمر میں کیا، اور دوسرا ۹۱ھ میں ۲۶ سال کی عمر میں۔ اور متعدد صحابہ کرام سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ درمختار میں بیس اور خلاصۃ اکمال میں چھبیس صحابہ کرام سے ملاقات ہونا بیان کی گئی ہے۔

بہرحال اتنی بات متحقق ہے کہ صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی اور آپ بلاشبہ تابعی ہیں اوراس شرف میں اپنے معاصرین واقران مثلاً امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، اور امام لیث بن سعد پر آپکو فضیلت حاصل ہے۔ (الخیرات الحسان لابن حجر مکی:۲۲)

لہٰذا آپ کی تابعیت کا ثبوت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ بلکہ آپ کی تابعیت کے ساتھ یہ امر بھی متحقق ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے احادیث کا سماع کیا اور روایت کیا ہے۔ تو یہ وصف بھی بلاشبہ آپ کی عظیم خصوصیت ہے۔ بعض محدثین ومورخین نے اس سلسلہ میں اختلاف بھی کیا ہے لیکن مصنف مزاج لوگ خاموش نہیں رہے، لہٰذا احناف کی طرح شوافع نے بھی اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔

علامہ عینی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی صحابی رسول کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

هو أحد من رأه ابو حنيفة من الصحابة وروى عنه ولا يلتفت إلى قول المنكر المتعصب وكان عمر أبي حنيفة حينئذ سبع سنين وهو سن التمييز هذا على الصحيح أن مولد أبي حنيفة سنة ثمانين وعلى قول من كان سنة سبعين يكون عمره حينئذ سبعة عشرة سنة ويستبعد جدا أن يكون صحابي مقيمًا ببلدة وفي أهلها من لارأه وأصحابه أخبر بحاله وهم ثقاة فى أنفسهم۔

(عمدة القارى شرح البخارى للعينى: ۷۹۸/۱)

عبداللہ بن ابی اوفی ان صحابہ میں سے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی اوران سے روایت کی قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب کے قول سے۔ امام اعظم کی عمر اس وقت سات سال کی تھی کیونکہ صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال کی بنا پر اس وقت آپکی عمر سترہ سال کی تھی۔ بہر حال سات سال عمر بھی فہم وشعور کا سن ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک صحابی کسی شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں کوئی ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو۔ اس بحث میں امام اعظم کی تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے کیوں کہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

ملاعلی قاری امام کردری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال الكردري: جماعة من المحدثين انكر واملاقاته مع الصحابة و اصحابه اثبتوه بالأسانيد الصحاح الحسان وهم أعرف بأحواله منهم والمثبت العدل أولى من النافى۔

(شرح مسند الامام للقارى: ۲۸۵)

امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور انکے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی نے کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

وأصحابه يقولون أنه لقى جماعة من الصحابة وروى عنهم۔

(المغنى للعراقى: ۸۰)

امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس میں روایات مع سند بیان فرمائیں۔ نیز ان کو حسن وقوی بتایا۔ امام سیوطی نے ان روایات کو ''تبییض الصحیفہ'' میں نقل کیا ہے جن کی تفصیل یوں ہے:

عن ابى يوسف عن أبى حنيفة سمعت أنس بن مالك يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول : طلب العلم فريضة على كل مسلم۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ:۶۴)

امام سیوطی نے فرمایا یہ حدیث پچاس طرق سے مجھے معلوم ہے اور صحیح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عن ابى يوسف عن أبي حنيفة سمعت انس بن مالك يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول : الدال على الخير كفاعله ۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ:۶۴)

اس معنی کی حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے۔

عن أبی یوسف عن ابی حنیفة سمعت أنس بن مالك یقول: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول :إن الله یحب اغاثة اللهفان ۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ:۶۴)

ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اسکو صحیح کہا۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دست گیری کو پسند فرماتا ہے۔

عن یحی بن قاسم عن أبی حنیفة سمعت عبدالله بن أبی أوفی یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول : من بنی لله مسجدًا ولو کمفحص قطاة بنی الله له بیتا فی الجنة ۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ:۶۶)

امام سیوطی فرماتے ہیں، اس حدیث کا متن صحیح بلکہ متواتر ہے۔

حضرت یحیی بن قاسم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس نے اللہ کی رضا کیلئے سنگ خوار کے گڑھے کے برابر بھی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔

عن اسمعیل بن عیاش عن أبي حنیفة عن واثلة بن اسقع أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال :دع مایریبك إلی مالا یریبك ۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ:۶۵)

امام ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی۔

حضرت اسمعیل بن عیاش حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: شک وشبہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اختیار کرو جو شکوک وشبہات سے بالاتر ہیں۔

ان تمام تفصیلات کی روشنی میں یہ بات ثابت ومتحقق ہے کہ امام اعظم صحابہ کرام کی رویت وروایت دونوں سے مشرف ہوئے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام اعظم کے بعض سوانح نگار اپنی صاف گوئی اور غیر جانب داری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ باتیں بھی لکھ گئے ہیں جس سے تعصب کا اظہار ہوتا ہے۔ان کے پیچھے حقائق تو کیا ہوتے دیانت سے بھی کام نہیں لیا گیا۔اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی کی تصنیف تذکرۃ المحدثین سے ایک طویل اقتباس ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کی ہیں، لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے۔محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم ازکم کتنی عمر شرط ہے؟ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا، ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔''

اس سلسلہ میں اولاً: تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہل کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماع حدیث کے لیے کم ازکم بیس سال عمر درکار ہے، کونسی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویات صحابہ کے لیے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہل کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت کے کیسے مان لیا گیا۔

ثانیاً: یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے ''متی یصح سماع الصغیر'' کا باب قائم کیا ہے، اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر حضور کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی، اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے۔پس روایت حدیث کے لیے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے ارباب علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً: برتقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہل کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا، اس بات کی کہیں

وضاحت نہیں ملتی۔اغلب اورقرین قیاس یہی ہے کہ جب علم حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اوروسیع پیمانے پرآثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی،اس وقت اہل کوفہ نے اس قید کی ضرورت کومحسوس کیا ہوگا تا کہ ہرکہ ومہ حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے، یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر با قاعدہ درس گاہیں بن گئیں اوران میں داخلہ کیلئے قوانین اورعمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً:اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر با قاعدہ درسگاہیں قائم ہوگئ تھیں اوران کے ضوابط اورقوانین بھی وضع کئے جاچکے تھےتوان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماع حدیث کے لیے بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت انس اورحضرت عبداللہ بن ابی اوفی وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تومقرر تھے نہیں کہ ان سے سماع حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً: بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لئے ،اگرکوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جا کرسماع حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہوگی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھےاورامام اعظم ان کی زندگی میں بارہابصرہ گئے اوران کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے،تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایت حدیث کی ہوگی۔

سادساً:اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کرلیا جائے تو بھی یہ کسی طورقرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجود مسعود نوادرروزگار اور مغتنمات عصر میں سے تھا ان سے از راہ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کیلئے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جا کر ملاقات اورسماع حدیث کروں۔حضرت انس کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اورامام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اورحضرت انس سے مل کراوران سے سماع حدیث کر کے نہ آئے ہوں،راوی اورمروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہوجائے توامام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے۔یہاں معاصرت کے بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جارہا ہے۔

الحمدللہ العزیز! کہ ہم نے اصول روایت اورقرائن عقلیہ کی روشنی میں اس امرکوآفتاب سے زیادہ روشن کردیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوصحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل تھا اوراس سلسلے میں جتنے اعتراضاف کئے جاتے ہیں ان پرسیر حاصل گفتگو کرلی ہے۔اس کے باوجود بھی ہم نے جو

کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے ہم اسے منوانے کیلئے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔

(تذکرۃ المحدثین:۷۶،۷۸)

اساتذہ گذشتہ تفصیلات میں آپ متفرق طور پر پڑھ چکے کہ امام اعظم نے کثیر شیوخ واساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا، ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں:

عطاء بن ابی رباح ،حماد بن ابی سلیمان ،سلیمان بن مہران اعمش ،امام عامر شعبی ،عکرمہ مولی عباس ،ابن شہاب زہری ،نافع مولی بن عمر، یحیی بن سعید انصاری ،عدی بن ثابت انصاری ، ابوسفیان بصری ، ہشام بن عروہ ،سعید بن مسروق ،علقمہ بن مرثد ،حکم بن عیینہ ،ابواسحاق بن سبیعی ،سلمہ بن کہیل ، ابوجعفر محمد بن علی ، عاصم بن ابی النجود ،علی بن اقمر ،عطیہ بن سعید عوفی ،عبدالکریم ابوامیہ ،زیاد بن علاقہ ۔ سلیمان مولی ام المومنین میمونہ ،سالم بن عبداللہ ،

چونکہ احادیث فقہ کی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی ومطالب کے فہم کی بھی اساس ہیں لہذا امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں بھی انتھک کوشش فرمائی ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور سے جاری تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ کوفہ کا یہ وصف خصوصی امام بخاری کے زمانہ میں بھی اس عروج پر تھا کہ خود امام بخاری فرماتے ہیں، میں کوفہ اتنی بار حصول حدیث کیلئے گیا کہ شمار نہیں کرسکتا۔

امام اعظم نے حصول حدیث کا آغاز بھی کوفہ ہی سے کیا۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ابوالمحاسن شافعی نے فرمایا:

ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے میں قیام فرماتھے۔ یا کوفے تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی ۔ ان میں اکثر تابعی تھے۔ بعض مشائخ کی تفصیل یہ ہے:

امام عامر شعبی :

انہوں نے پانچسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، خود فرماتے تھے کہ بیس سال ہوئے میرے کان میں کوئی حدیث ایسی نہ پڑی جسکا علم مجھے پہلے سے نہ ہو۔ امام اعظم نے ان سے اخذ حدیث فرمائی ۔

امام شعبہ:

انہیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں، سفیان ثوری نے انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا، امام شافعی نے فرمایا: شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی ۔ امام شعبہ کو امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا، فرماتے

تھے، جس طرح مجھے یہ یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح یقین سے کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشیں ہیں۔

امام اعمش:

مشہور تابعی ہیں، شعبہ وسفیان ثوری کے استاذ ہیں، حضرت انس اور عبداللہ بن ابی اوفی سے ملاقات ہے۔ امام اعظم آپ سے حدیث پڑھتے تھے اسی دوران انہوں نے آپ سے مناسک حج لکھوائے۔ واقعہ یوں ہے کہ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ انہوں نے امام اعظم سے پوچھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کہاں سے یہ کہتے ہو۔ فرمایا: آپ ہی کی بیان کردہ احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کردیا۔ امام اعمش نے فرمایا۔ بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سناڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ احادیث میں یہ عمل کرتے ہیں۔

یامعشر الفقهاء أنتم الاطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل أخذت بكلا الطرفين۔

اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو حاصل کرلیا۔

امام حماد: امام اعظم کے عظیم استاذ حدیث وفقہ ہیں اور حضرت انس سے حدیث سنی تھی، بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو شرف تلمذ حاصل تھا۔

سلمہ بن کہیل:

تابعی جلیل ہیں، بہت سے صحابہ کرام سے روایت کی۔ کثیر الروایت اور صحیح الروایت تھے۔

ابو اسحاق سبیعی:

علی بن مدینی نے کہا ان کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔ ان میں اڑتیس صحابہ کرام ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم سرفہرست ہیں۔

کوفہ کے علاوہ مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ میں آپ نے ایک زمانہ تک علم حدیث حاصل فرمایا: چونکہ آپ نے پچپن حج کئے اس لئے ہر سال حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاو تعظیما میں حاضری کا موقع ملتا تھا اور آپ اس موقع پر دنیائے اسلام سے آنے والے مشائخ سے اکتساب علم کرتے۔

مکہ معظّمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح سرتاج محدثین تھے، اور صحابہ کرام کی صحبت کا شرف

حاصل تھا۔محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مجتہد وفقیہ تھے۔حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ایام حج میں اعلان عام ہوجاتا کہ عطاء کے علاوہ کوئی فتوی نہ دے۔اساطین محدثین امام اوزاعی،امام زہری،امام عمرو بن دینار ان کے شاگرد تھے۔امام اعظم نے اپنی خداداد ذہانت وفطانت سے آپ کی بارگاہ میں وہ مقبولیت حاصل کرلی تھی کہ آپ کو قریب سے قریب تر بٹھاتے۔تقریباً بیس سال خدمت میں حج بیت اللہ کے موقع پر حاضر ہوتے رہے۔

حضرت عکرمہ کا قیام بھی مکہ مکرمہ میں تھا، یہ جلیل القدر صحابہ کے تلمیذ ہیں۔حضرت علی،حضرت ابو ہریرہ،ابوقتادہ،ابن عمر اور عباس کے تلمیذ خاص ہیں۔ستر مشاہیر ائمہ تابعین انکے تلامذہ میں داخل ہیں۔ امام اعظم نے ان سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

مدینہ طیبہ میں سلیمان مولی ام المومنین میمونہ اور سالم بن عبداللہ سے احادیث سنیں۔ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی اکتساب علم کیا۔

بصرہ کے تمام مشاہیر سے اخذ علم فرمایا، یہ شہر حضرت انس بن مالک کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا۔امام اعظم کی آمد ورفت یہاں کثرت سے تھی۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی ملاقات بصرہ میں بھی ہوئی اور آپ جب کوفہ تشریف لائے اس وقت بھی۔

غرض یہ کہ امام اعظم کو حصول حدیث میں وہ شرف حاصل ہے جو دیگر ائمہ کو نہیں،آپ کے مشائخ میں صحابہ کرام سے لیکر کبار تابعین اور مشاہیر محدثین تک کی ایک عظیم جماعت داخل ہے اور آپکے مشائخ کی تعداد چار ہزار تک بیان کی گئی ہے۔

تلامذہ:

آپ سے علم حدیث وفقہ حاصل کرنے والے بے شمار ہیں، چند مشاہیر کے اسماء اس طرح ہیں:

امام ابو یوسف،امام محمد بن حسن شیبانی،امام حماد بن ابی حنیفہ،امام مالک،امام عبداللہ بن مبارک، امام زفر بن ہذیل،امام داؤد طائی،فضیل بن عیاض،ابراہیم بن ادہم،بشر بن الحارث حافی،ابوسعید یحی بن زکریا کوفی ہمدانی،علی بن مسہر کوفی،حفص بن غیاث،حسن بن زناد،مسعر بن کدام،نوح بن دراج نخعی، ابراہیم بن طہمان،اسحاق بن یوسف ازرق،اسد بن عمرو قاضی،عبدالرزاق،ابونعیم،حمزہ بن حبیب الزیات،ابویحیی حمانی،عیسی بن یونس،یزید بن زریع،وکیع بن جراح،ہشیم،حکام بن یعلی رازی،خارجہ بن مصعب،عبدالحمید بن ابی داؤد،مصعب بن مقدام،یحیی بن یمان،لیث بن سعد،ابوعصمہ بن مریم،ابو عبدالرحمٰن مقری،ابوعاصم وغیرہم۔

تصانیف:

امام اعظم نے کلام وعقائد،فقہ واصول اورآداب واخلاق پر کتابیں تصنیف فرما کراس میدان میں اولیت حاصل کی ہے۔

امام اعظم کے سلسلہ میں ہر دور میں کچھ لوگ غلط فہمی کا شکار رہے ہیں اورآج بھی یہ مرض بعض لوگوں میں موجود ہے۔فقہ حنفی کو بالعموم حدیث سے تہی دامن اور قیاس ورائے پراس کی بنا سمجھی جاتی ہے جوسراسر خلاف واقع ہے۔اس حقیقت کوتفصیل سے جاننے کیلئے بڑے بڑے علمائے فن کے رشحات قلم ملاحظہ کریں جن میں امام یوسف بن عبدالھادی حنبلی،امام سیوطی شافعی،امام ابن حجر مکی شافعی،امام محمد صالحی شافعی وغیرہم جیسے اکابر نے اسی طرح کی پھیلائی گئی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے کتابیں تصنیف فرمائیں۔علم حدیث میں امام اعظم کوبعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن میں کوئی دوسرا محدث شریک نہیں۔

امام اعظم کی مرویات کے مجموعے چارقسم کے شمار کئے گئے ہیں جیسا کہ شیخ محمد امین نے وضاحت سے''مسانیدالامام ابی حنیفہ''میں لکھاہے۔

کتاب الآثار۔مسندامام ابوحنیفہ۔اربعینات۔وحدانیات۔

متقدمین میں تصنیف وتالیف کا طریقہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لائق وقابل فخر تلامذہ کواملا کراتے،یا خود تلامذہ درس میں خاص چیزیں ضبط تحریر میں لے آتے،اسکے بعدراوی کی حیثیت سے ان تمام معلومات کوجمع کرکے روایت کرتے اور شیخ کی طرف منسوب فرماتے تھے۔

کتاب الآثار:

امام اعظم نے علم حدیث وآثار پر مشتمل''کتاب الآثار''،یونہی تصنیف فرمائی،آپ نے اپنے مقرر کردہ اصول وشرائط کے مطابق چالیس ہزاراحادیث کے ذخیرہ سے اس مجموعہ کا انتخاب کرکے املا کرایا۔ قدرے تفصیل گذرچکی ہے۔کتاب میں مرفوع،موقوف،اورمقطوع سب طرح کی احادیث ہیں۔کتاب الآثار کے راوی آپ کے متعدد تلامذہ ہیں جن کی طرف منسوب ہوکر علیحدہ علیحدہ نام سے معروف ہیں اور مرویات کی تعداد میں بھی حذف واضافہ ہے۔

عام طور سے چند نسخے مشہور ہیں:۔

۱۔ کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف۔

۲۔ کتاب الآثار بروایت امام محمد۔

۳۔ کتاب الآثار بروایت امام حماد بن امام اعظم۔

۴۔ کتاب الآثار بروایت حفص بن غیاث۔

۵۔ کتاب الآثار بروایت امام زفر (یہ سنن زفر کے نام سے بھی معروف ہوئی)

۶۔ کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد

ان میں بھی زیادہ شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

روى الآثار عن نبل ثقات غزارالعلم مشيخة حصيفة۔

امام اعظم نے ''الآثار'' کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والموجود من حديث أبي حنيفة مفرداً إنما هو كتاب الآثار التي رواه محمد بن الحسن۔

اور اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے کتاب الآثار موجود ہے جسے امام محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔اس میں مرفوع احادیث ۱۲۲ ہیں۔

امام ابو یوسف کا نسخہ زیادہ روایات پر مشتمل ہے ،امام عبدالقادر حنفی نے امام ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف کے ترجمہ میں لکھا ہے:

روى كتا ب الآثار عن أبي حنيفة وهو مجلد ضخم۔

یوسف بن ابو یوسف نے اپنے والد کے واسطہ سے امام اعظم ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جو ایک ضخیم جلد ہے،اس میں ایک ہزار (۱۰۷۰) ستر احادیث ہیں۔

مسند امام ابوحنیفہ:

یہ کتاب امام اعظم کی طرف منسوب ہے ،اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے بعد میں محدثین نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو مرتب کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے تدوین فقہ اور درس کے وقت تلامذہ کو مسائل شرعیہ بیان فرماتے ہوئے جو دلائل بصورت روایت بیان فرمائے تھے ان روایات کو آپکے تلامذہ یا بعد کے محدثین نے جمع کر کے مسند کا نام دے دیا۔ان مسانید اور مجموعوں کی تعداد حسب ذیل ہے:

۱۔ مسند الامام مرتب امام حماد بن ابی حنیفہ

۲۔	مسند الامام	مرتب	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری
۳۔	مسند الامام	مرتب	امام محمد بن حسن الشیبانی
۴۔	مسند الامام	مرتب	امام حسن بن زیاد ثولوی
۵۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو محمد عبداللہ بن یعقوب الحارث البخاری
۶۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد
۷۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو الحسین محمد بن مظہر بن موسی
۸۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی
۹۔	مسند الامام	مرتب	الشیخ الثقۃ ابو بکر محمد بن عبدالباخی الانصاری
۱۰۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی
۱۱۔	مسند الامام	مرتب	حافظ عمر بن حسن الاشنانی
۱۲۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی
۱۳۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی
۱۴۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو القاسم عبداللہ بن محمد السعدی
۱۵۔	مسند الامام	مرتب	حافظ عبداللہ بن مخلد بن حفص البغدادی
۱۶۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو الحسن علی بن عمر بن احمد الدارقطنی
۱۷۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین
۱۸۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی
۱۹۔	مسند الامام	مرتب	حافظ شیخ الحرمین عیسی المغربی المالکی
۲۰۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر القیسرانی
۲۱۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو العباس احمد الہمدانی المعروف بابن عقدہ
۲۲۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی المعروف بابن المقری
۲۳۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الحنفی
۲۴۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو الحسن عمر بن حسن الاشنانی
۲۵۔	مسند الامام	مرتب	حافظ ابو القاسم علی بن حسن المعروف بابن عساکر الدمشقی

ان کے علاوہ کچھ مسانید وہ بھی ہیں جن کو مندرجہ بالا مسانید میں سے کسی میں مدغم کر دیا گیا ہے۔

مثلا ابن عقدہ کی مسند میں ان چار حضرات کی مسانید کا تذکرہ ہے اور یہ ایک ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہے:

۱۔ حمزہ بن حبیب التیمی الکوفی

۲۔ محمد بن مسروق الکندی الکوفی

۳۔ اسمعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ

۴۔ حسین بن علی

پھر یہ کہ جامع مسانید امام اعظم جس کو علامہ ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی نے ابواب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا تھا اس میں کتاب الآثار کے نسخے بھی شامل ہیں۔ اگر ان کو علیحدہ شمار کیا جائے تو پھر اس عنوان سند کے تحت آنے والی مسانید کی تعداد اکتیس ہوگی جبکہ جامع المسانید میں صرف پندرہ مسانید ہیں اور ان کی بھی تلخیص کی گئی ہے، مکرر اسناد کو حذف کردیا ہے، یہ مجموعہ چالیس ابواب پر مشتمل ہے اور کل روایات کی تعداد ۱۷۱۰ ہے۔

مرفوع روایات ۹۱۶

غیر مرفوع ۷۹۴

پانچ یا چھ واسطوں والی روایات بہت کم اور نادر ہیں، عام روایات کا تعلق رباعیات، ثلاثیات، ثنائیات اور وحدانیات سے ہے۔

علامہ خوارزمی نے اس مجموعہ مسند کے لکھنے کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ میں نے ملک شام میں بعض جاہلوں سے سنا کہ حضرت امام اعظم کی روایت حدیث کم تھی۔ ایک جاہل نے تو یہانتک کہا کہ امام شافعی کی مسند بھی ہے اور امام احمد کی مسند بھی ہے، اور امام مالک نے تو خود مؤطا لکھی۔ لیکن امام ابوحنیفہ کا کچھ بھی نہیں۔

یہ سن کر میری حمیت دینی نے مجھ کو مجبور کیا کہ میں آپکی ۱۵؍مسانید وآثار سے ایک مسند مرتب کروں، لہذا ابواب فقہیہ پر میں نے اسکو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ: ۳۴۸)

کتاب الآثار، جامع المسانید اور دیگر مسانید کی تعداد کے اجمالی تعارف کے بعد یہ بات اب حیز خفا میں نہیں رہ جاتی کہ امام اعظم کی محفوظ مرویات کتنی ہونگی، امام مالک اور امام شافعی کی مرویات سے اگر زیادہ تسلیم نہیں کی جاسکیں تو کم بھی نہیں ہیں، بلکہ مجموعی تعداد کے غالب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں

ہونا چاہیے۔

امام اعظم کی مسانید کی کثرت سے کوئی اس مغالطہ کا شکار نہ ہو کہ پھر اس میں رطب ویابس سب طرح کی روایات ہوں گی۔ہم نے عرض کیا کہ اول تو مرویات میں امام اعظم قدس سرہ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان واسطے بہت کم ہوتے ہیں۔اور جو واسطے مذکور ہوتے ہیں انکی حیثیت وعلوشان کا اندازہ اس سے کیجئے کہ:

امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبری میں فرماتے ہیں:

وقد من الله علىّ بمطالعة مسانيد الامام أبي حنيفة الثلاثة فرأيته لايروى حديثا إلاعن أخبار التابعين العدول الثقات الذين هم من خيرالقرون بشهادة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كالأسود وعلقمة وعطاء وعكرمة ومجاهد ومكحول والحسن البصرى وأضرابهم رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين ۔بينه وبين رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عدول ثقات اعلام اخبار ليس فيهم كذاب ولامتهم بكذب ۔

(ميزان الشريعة الكبرىٰ: ۱/۶۸)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا۔میں نے ان میں دیکھا کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی، جیسے اسود، علقمہ عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم ۔لہذا امام اعظم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جن کی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جاسکتی اور نہ وہ کذاب ہیں۔

اربعینات:

امام اعظم کی مرویات سے متعلق بعض حضرات نے اربعین بھی تحریر فرمائی ہیں، مثلاً:

الاربعين من روايات نعمان سيدالمجتهدين ۔(مولانا محمد ادریس نگرامی)

الاربعين۔ (شیخ حسن محمد بن شاہ محمد ہندی)

وحدانیات:

امام اعظم کی وہ روایات جن میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صرف ایک واسطہ ہو۔ ان روایات کو بھی ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے،اس سلسلہ میں بعض تفصیلات حسب ذیل ہیں:

۱۔ جزء مارواہ أبو حنیفة عن الصحابة۔

جامع ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد شافعی۔

امام سیوطی نے اس رسالہ کو تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں شامل کردیا ہے، چنداحادیث قارئین ملاحظہ فرماچکے۔

۲۔ الاختصار والترجیح للمذهب الصحیح۔

امام ابن جوزی کے پوتے یوسف نے اس کتاب میں بعض روایات نقل فرمائی ہیں۔

دوسرے ائمہ نے بھی اس سلسلہ میں روایات جمع کی ہیں۔مثلا:

۱۔ ابوحامد محمد بن ہارون حضرمی

۲۔ ابوبکر عبدالرحمٰن بن محمد سرخسی

۳۔ ابوالحسین علی بن احمد بن عیسی نہفقی

ان تینوں حضرات کے اجزاء وحدانیات کو ابوعبداللہ محمد دمشقی حنفی المعروف بابن طولون م۹۵۳، نے اپنی سند سے کتاب الفہرست الاوسط میں روایت کیا۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی سند سے ''المعجم المفہرس'' میں

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید کے مقدمہ میں

ابوعبداللہ صیمری نے فضائل ابی حنیفہ واخبارہ میں روایت کیا ہے۔

البتہ بعض حضرات نے ان وحدانیات پر تنقید بھی کی ہے،تو اس کے لیے ملاعلی قاری،امام عینی اورامام سیوطی کی تصریحات ملاحظہ کیجئے،ان تمام حضرات نے حقیقت واضح کردی ہے۔

امام اعظم کی فن حدیث میں عظمت وجلالت شان ان تمام تفصیلات سے ظاہروباہر ہے،لیکن بعض لوگوں کواب بھی یہ شبہ ہے کہ جب اتنے عظیم محدث تھے تو روایات اب بھی اس حیثیت کی نہیں،محدث اعظم واکبر ہونے کا تقاضہ تو یہ تھا کہ لاکھوں احادیث آپ کو یاد ہونا چاہیے تھیں جیسا کہ دوسرے محدثین کے بارے میں منقول ہے۔تو اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی کی محققانہ بحث ملاحظہ کریں جس سے حقیقت واضح ہوجائے گی۔لکھتے ہیں:

چونکہ بعض اہل اہوایہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کوصرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔اس لئے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔حضرت ملاعلی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

إن الامام ذكر في تصانيفه بضع و سبعين الف حديث و انتخب الآثار من أربعين ألف حديث ۔

امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

اور صدرالائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

و انتخب أبو حنيفة الاثار من أربعين الف حديث ۔

امام ابوحنیفہ نے کتاب الاثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہورہا ہے وہ محتاج بیاں نہیں ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے۔امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ایک متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہوگا۔منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور کی پوری رسالت کی زندگی کی شب وروز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی۔پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیوں کر قابل تسلیم ہوگی۔ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں:

إن جملة الاحاديث المسندة عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه و سلم يعنى الصحيحة بلاتكرار أربعه آلاف و أربع مائة ۔

بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلاتکرار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔[۱]

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان

کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے اس عرصہ میں بکثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سیکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں، اس لیے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایت کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے، نفس روایت پر نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسانید کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق واسانید کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث واثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔وہ اپنے زمانے کے تمام محدثین پر ادراک حدیث میں فائق اور غالب تھے۔ چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:

طلبنا مع أبي حنيفة الحديث فغلبنا وأخذ نا في الزهد فبرع علينا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون۔

میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسی اپنے استاد امام عبدالرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں:

وكان إذاحدث عن أبى حنيفة قال حدثنا شاهنشاه ۔

امام مقری جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فن حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔اصطلاح حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور کی تمام مرویات پر متناً وسنداً دسترس رکھتا ہو، مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے۔ کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیات انسانی کے تمام شعبوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم کے محدثانہ مقام پر ایک شبہ کا ازالہ:

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بلاتکرار احادیث مرویہ

کی تعداد چار ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلاتکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ پس امام اعظم کے بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعوی کیسے صحیح ہوگا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امام اعظم کو علم بھی نہ ہو کیونکہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے امام اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جن سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کے لیے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام ہے۔ کیونکہ احادیث کے مفہوم میں وہ روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ، آپ کے قلبی واردات، خصوصیات، گذشتہ امتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام ومسائل کیلئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہاں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان:

امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقۂ درس میں سماع حدیث کیلئے حاضر ہوتا۔

حافظ ابن عبد البر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:۔

و كان يحفظ حديثه كله و كان قد سمع من أبي حنيفة كثيرا ،۔

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔

امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم أباحنيفة رحمه الله و سمع منه الحديث ۔

انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کیلئے ابوحنیفہ کے درس کولازم کرلیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے۔امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔

ان حوالوں سے یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے، ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شاگرد ہیں۔

فقیہ عصر شارح بخاری علیہ رحمۃ الباری تقلیل روایت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے۔مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے۔انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں۔غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا۔مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لیے قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے منقح مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط اوران کوجمع کرنا تھا۔مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے۔ اس میں مصروفیت اور پھر عوام وخواص کوان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

ایک وجہ قلت روایت کی یہ بھی ہے کہ آپ نے روایت حدیث کے لیے نہایت سخت اصول وضع کیے تھے،اور استدلال واستنباط مسائل میں مزید احتیاط سے کام لیتے،نتیجہ کے طور پر روایت کم فرمائی۔

چند اصول یہ ہیں:

۱۔ سماعت سے لے کر روایت تک حدیث راوی کے ذہن میں محفوظ رہے۔

۲۔ صحابہ وفقہاء تابعین کے سوا کسی کی روایت بالمعنی مقبول نہیں۔

۳۔ صحابہ سے ایک جماعت اتقیاء نے روایت کیا ہو۔

۴۔ عمومی احکام میں وہ روایت چند صحابہ سے آئی ہو۔

۵۔ اسلام کے کسی مسلم اصول کے مخالف نہ ہو۔

۶۔ قرآن پر زیادت یا تخصیص کرنے والی خبر واحد غیر مقبول ہے۔

۷۔ صراحت قرآن کے مخالف خبر واحد بھی غیر مقبول ہے۔

۸۔ سنت مشہورہ کے خلاف خبر واحد بھی غیر مقبول ہے۔

۹۔ راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو جب بھی غیر مقبول۔

۱۰۔ ایک واقعہ کے دو راوی ہوں، ایک کی طرف سے امر زائد منقول ہو اور دوسرا نفی بلا دلیل کرے تو یہ نفی مقبول نہیں۔

۱۱۔ حدیث میں حکم عام کے مقابل حدیث میں حکم خاص مقبول نہیں۔

۱۲۔ صحابہ کی ایک جماعت کے عمل کے خلاف خبر واحد قولی یا عملی مقبول نہیں۔

۱۳۔ کسی واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات میں قریب سے مشاہدہ کرنے والے کی روایت مقبول ہوگی۔

۱۴۔ قلت وسائط اور کثرت تفقہ کے اعتبار سے راویوں کی متعارض روایات میں کثرت تفقہ کو ترجیح ہوگی۔

۱۵۔ حدود و کفارات میں خبر واحد غیر مقبول۔

۱۶۔ جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

واضح رہے کہ احادیث کو محفوظ کرنا پہلی منزل ہے، پھر ان کو روایت کرنا اور اشاعت دوسرا درجہ۔ اور آخری منزل ان احادیث سے مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط ہے۔ اس منزل میں آکر غایت احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔ امام اعظم نے کتنی روایات محفوظ کی تھیں آپ پڑھ چکے کہ اس وقت کی تمام مرویات آپ کے پیش نظر تھیں۔ پھر ان سب کو روایت نہ کرنے کی وجہ استنباط واستخراج مسائل میں مشغولی تھی جیسا کہ گذر گیا۔

اب آخری منزل جو خاص احتیاط کی تھی اس کے سبب تمام روایات صحائف میں ثبت نہ ہو سکیں کہ ان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو معمول بہا تھیں ان کو املا کرایا اور انہیں سے تدوین فقہ میں کام لیا۔

فقہ حنفی میں بظاہر جو تقلیل روایت نظر آتی ہے اس کی ایک وجہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ امام اعظم نے جو مسائل شرعیہ بیان فرمائے ان کو لوگ ہر جگہ محض امام اعظم کا قول سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ کثیر مقامات پر ایسا ہے کہ احادیث بصورت مسائل ذکر کی گئی ہیں۔ امام اعظم نے احادیث وآثار کو حسب موقع بصورت افتاء ومسائل نقل فرمایا ہے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کہنے والے کا خود اپنا قول ہے

حالانکہ وہ کسی روایت سے حاصل شدہ حکم ہوتا ہے حتی کہ بعض اوقات بعینہ روایت کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

امام اعظم کا یہ طریقہ خود اپنا نہیں تھا بلکہ ان بعض اکابر صحابہ کا تھا جو روایت حدیث میں غایت احتیاط سے کام لیتے تھے، وہ ہر جگہ صریح طور پر حضور کی طرف نسبت کرنے سے احتراز کرتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی صراحۃً نسبت کرنے میں ان کی نظر حضور کے اس فرمان کی طرف رہتی تھی کہ:

((من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار))

جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔

لہذا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے شعوری یا غیر شعوری طور پر انتساب میں کوتاہی ہو جائے اور ہم اس وعید شدید کے سزاوار ٹھہریں۔ امیر المومنین حضرت عمر فارق اعظم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سلسلہ میں سرفہرست رہے ہیں، ان کے واقعات راقم کی کتاب ''تدوین حدیث'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کی شام بلاناغہ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن میں نے کبھی آپ کی زبان سے یہ الفاظ نہیں سنے کہ حضور نے یہ فرمایا۔

ایک شام ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہتے ہیں: یہ الفاظ کہتے ہی وہ جھک گئے میں نے ان کی طرف دیکھا تو کھڑے تھے، ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ یہ آپ کی غایت احتیاط کا مظاہرہ تھا۔

اس وجہ سے آپ کے تلامذہ میں بھی یہ طریقہ رائج رہا کہ اکثر احادیث بصورت مسائل بیان فرماتے اور وقت ضرورت ہی حضور کی طرف نسبت کرتے تھے، کوفہ میں مقیم محدثین وفقہاء بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے، امام اعظم کا سلسلہ سند حدیث وفقہ بھی آپ تک پہنچتا ہے لہذا جو احتیاط پہلے سے چلی آرہی تھی اسکو امام اعظم نے بھی اپنایا ہے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ابوحنیفہ احادیث سے کم اور اپنی رائے سے زیادہ کام لیتے اور فتوی دیتے ہیں۔

کلمات الثنا:

امام اعظم کی جلالت شان اور علمی وعملی کمالات کو آپکے معاصرین واقران: محدثین وفقہاء، مشائخ

وصوفیاء، تلامذہ واساتذہ سب نے تسلیم کیا اور بیک زبان بے شمار حضرات نے آپ کی برتری وفضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ حدیث وفقہ دونوں میں آپکی علوشان کی گواہی دینے میں بڑے بڑوں نے بھی کبھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی، چند حضرات کے تاثرات ملاحظہ کیجئے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا، ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا، اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔

نیز فرمایا:

امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے، ابوحنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو۔ اگر ابوحنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔ آپ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے، وہی کہتے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، احادیث ناسخ ومنسوخ کے بہت ماہر تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔ میں نے ان میں دیکھا کہ ہر دن شرافت اور خیر کا اضافہ ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے اعلم علماء تھے۔

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا، اخیر میں امام ابوحنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا: سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے، میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

سعید بن عروبہ نے کہا: ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا وہ سب آپ میں مجتمع تھا۔

خلف بن ایوب نے کہا: اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور کو ملا، اور حضور نے صحابہ کو، صحابہ نے تابعین کو اور تابعین سے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کو، حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔

اسرائیل بن یونس نے کہا: اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں امام ابوحنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے حضرت قاسم فرماتے: امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رساں اور کوئی مجلس نہیں۔

حفص بن غیاث نے کہا: امام ابوحنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے نہ دیکھا جو احکام میں صحیح اور مفید ہوں۔

مسعر بن کدام کہتے تھے: مجھے صرف دو آدمیوں پر رشک آتا ہے، ابوحنیفہ پر ان کی فقہ کی وجہ سے ،اور حسن بن صالح پر ان کے زہد کی وجہ سے۔

ابوعلقمہ نے کہا: میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی حدیثوں کو امام ابوحنیفہ پر پیش کیا تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا، اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں کیوں نہیں سنادیں۔

امام ابو یوسف فرماتے: میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جس مسئلہ میں غور وخوض کرتا تو امام اعظم کا نظریہ اخروی نجات سے زیادہ قریب تھا۔ میں آپ کیلئے اپنے والد سے پہلے دعا کرتا ہوں۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں: امام سفیان امام اعظم کیلئے کھڑے ہوتے تو میں نے تعظیم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا: وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں، اگر میں ان کے علم کے لیے نہ اٹھتا تو ان کے سن وسال کی وجہ سے اٹھتا، اگر اس وجہ سے نہیں تو انکی فقہ کی وجہ سے اٹھتا، اور اس کے لئے بھی نہیں تو تقوی کی وجہ سے اٹھتا۔

امام شافعی فرماتے: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں، امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی۔

امام یحیی بن معین نے کہا: جب لوگ امام اعظم کے مرتبہ کو نہ پاسکے تو حسد کرنے لگے۔

امام شعبہ نے وصال امام اعظم پر فرمایا: اہل کوفہ سے علم کے نور کی روشنی بجھ گئی، اب اہل کوفہ ان کا مثل نہ دیکھ سکیں گے۔

داؤد طائی نے کہا: ہر وہ علم جو امام ابوحنیفہ کے علم سے نہیں وہ اس علم والے کے لئے آفت ہے۔

ابن جریج نے وصال امام اعظم پر فرمایا: کیسا عظیم علم ہاتھ چلا گیا۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ متقی، پرہیز گار، زاہد، عالم، زبان کے سچے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ تھے، میں نے ان کے معاصرین پائے سب کو یہی کہتے سنا: ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

فضیل بن عیاض نے فرمایا: ابوحنیفہ ایک فقیہ شخص تھے اور فقہ میں معروف، ان کی رات عبادت

میں گذرتی، بات کم کرتے، ہاں جب مسئلہ حلال وحرام کا آتا تو حق بیان فرماتے، صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے خواہ صحابہ وتابعین سے ہو۔ ورنہ قیاس کرتے اور اچھا قیاس کرتے۔

ابن شبرمہ نے کہا: عورتیں عاجز ہوگئیں کہ نعمان کا مثل جنیں۔

عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں: ابوحنیفہ سے زیادہ علم والا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

امام زفر نے فرمایا: امام ابوحنیفہ جب تکلم فرماتے تو ہم یہ سمجھتے کہ فرشتہ ان کو تلقین کررہا ہے۔

علی بن ہاشم نے کہا: ابوحنیفہ علم کا خزانہ تھے، جو مسائل بڑوں پر مشکل ہوتے آپ پر آسان ہوتے۔

امام ابوداؤد نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مالک پر وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ابوحنیفہ پر وہ امام تھے۔

یحیی بن سعید قطان نے کہا: امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں،

خارجہ بن مصعب نے کہا: فقہا میں ابوحنیفہ مثل چکی کے پاٹ کے محور ہیں، یا ایک ماہر صراف کے مانند ہیں جو سونے کو پرکھتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے: قسم بخدا! میں نے فقہ میں تم سے اچھا بولنے والا، صبر کرنے والا اور تم سے بڑھ کر حاضر جواب نہیں دیکھا، بیشک تمہارے دور میں جس نے فقہ میں لب کشائی کی تم اس کے بلا قیل وقال آقا ہو۔ جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں وہ حسد کی بنا پر کرتے ہیں۔

ابومطیع نے بیان کیا کہ میں ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے علماء آئے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے کہا: ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں کثرت سے قیاس کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم کو آپ کی عاقبت کا اندیشہ ہے، کیونکہ ابتداء جس نے قیاس کیا ہے وہ ابلیس ہے۔ امام ابوحنیفہ نے ان حضرات سے بحث کی اور یہ بحث صبح سے زوال تک جاری رہی اور وہ دن جمعہ کا تھا۔

حضرت امام نے اپنا مذہب بیان کیا کہ اولاً کتاب اللہ پر عمل کرنا یوں پھر سنت پر، اور پھر حضرات صحابہ کے فیصلوں پر، اور جس پر ان حضرات کا اتفاق ہوتا ہے اس کو مقدم رکھتا ہوں اور اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرات علماء کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام کے سر اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور کہا: آپ علماء کے سردار ہیں اور ہم نے جو کچھ برائیاں کی ہیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے کی ہیں۔ آپ اس کو

معاف کردیں۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ سب کی مغفرت فرمائے۔آمین۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں امام اوزاعی سے ملنے ملک شام آیا اور بیروت میں ان سے ملا۔انہوں نے مجھ سے کہا: اے خراسانی! یہ بدعتی کون ہے جو کوفہ میں نکلا ہے اور اسکی کنیت ابوحنیفہ ہے، میں اپنی قیام گاہ پر آیا اور امام ابوحنیفہ کی کتابوں میں مصروف ہوا، چند مسائل اخذ کر کے پہنچا، میرے ہاتھ میں تحریر دیکھ کر پوچھا کیا ہے، میں نے پیش کیا، تحریر پڑھ کر بولے، یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا: ایک شیخ ہیں جن سے عراق میں میری ملاقات ہوئی۔فرمایا: یہ مشائخ میں زیادہ دانشمند ہیں۔ان سے علم میں اضافہ کرو، میں نے ان سے کہا: یہ ہی وہ ابوحنیفہ ہی جن سے آپ نے مجھے روکا تھا۔

امام اعظم سے اس کے بعد مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی، مسائل میں گفتگو ہوئی، جب ان سے میری ملاقات دوبارہ ہوئی تو امام اوزاعی فرماتے تھے، اب مجھے ان کے کثرت علم وعقلمندی پر رشک ہوتا ہے۔میں انکے متعلق کھلی غلطی پر تھا، میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

مدینہ منورہ میں حضرت امام باقر سے ملاقات ہوئی، ایک صاحب نے تعارف کرایا، فرمایا: اچھا آپ وہی ہیں جو قیاس کر کے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہیں۔عرض کیا: معاذ اللہ، کون رد کرسکتا ہے۔حضور اگر اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔اجازت کے بعد عرض کیا:

حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت۔

عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

فرمایا: مرد کا۔

عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم دیتا۔

پھر عرض کیا: نماز افضل ہے یا روزہ؟

فرمایا: نماز۔

عرض کیا: قیاس یہ چاہتا ہے کہ حائضہ پر نماز کی قضا بدرجۂ اولی ہونی چاہیے، اگر قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا کرے۔

پھر عرض کیا: منی کی ناپاکی شدید تر ہے یا پیشاب کی؟

فرمایا: پیشاب کی۔

عرض کیا: قیاس کرتا تو پیشاب کے بعد غسل کا حکم بدرجۂ اولی دیتا۔

اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر پیشانی چوم لی۔اسکے بعد ایک سال یا کچھ زیادہ تک

حضرت امام باقر کی خدمت میں رہکر فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: یہ ابوحنیفہ ہیں اور اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

یہ ائمہ وقت اور اساطین ملت تو امام اعظم کے علم وفن اور فضل وکمال پر کھلے دل سے شہادت پیش کرتے ہیں اور آج کے کچھ نام نہاد مجتہدین وقت نہایت بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتے پھرتے اور کتابوں میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا حشر عابدین میں تو ہوسکتا ہے لیکن علماء وائمہ میں نہیں ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

محیر العقول فتاوی

امام وکیع بیان کرتے ہیں کہ ایک ولیمہ کی دعوت میں امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، مالک بن مغول، جعفر بن زیاد، احمد اور حسن بن صالح کا اجتماع ہوا۔ کوفہ کے اشراف اور موالی کا اجتماع تھا۔ صاحب خانہ نے اپنے دو بیٹوں کی شادی ایک شخص کی دو بیٹیوں سے کی تھی۔ یہ شخص گھبرایا ہوا آیا اور اس نے کہا۔ ہم ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگئے ہیں اور اس نے بیان کیا: گھر میں غلطی سے ایک کی بیوی دوسرے کے پاس پہنچادی گئی اور دونوں نے اپنے بھائی کی بیوی سے شب باشی کرلی ہے۔ سفیان ثوری نے کہا کوئی بات نہیں۔

حضرت علی کے پاس حضرت معاویہ نے آدمی بھیجا کہ ان سے مسئلہ پوچھ کر جواب لائے۔ جب اس شخص نے حضرت علی سے استفسار کیا آپ نے فرمایا کیا تم معاویہ کے فرستادہ ہو، کیوں کہ ہمارے ملک میں یہ صورت پیش نہیں آئی ہے اور آپ نے کہا: میرے نزدیک دونوں افراد پر شب باشی کرنے کی وجہ سے مہر واجب ہے اور ہر عورت اپنے زوج کے پاس چلی جائے (یعنی جس سے اس کا نکاح ہوا ہے) لوگوں نے سفیان کی بات سنی اور پسند کی۔ امام ابوحنیفہ خاموش بیٹھے رہے۔ مسعر بن کدام نے ان سے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ سفیان ثوری نے کہا: وہ اس بات کے علاوہ کیا کہیں گے۔ ابوحنیفہ نے کہا: دونوں لڑکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ دونوں آئے۔ حضرت امام نے ان میں سے ہر ایک سے دریافت کیا: ''تم کو وہ عورت پسند ہے جس کے ساتھ تم نے شب باشی کی ہے۔'' ان دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے ہر ایک سے کہا: اس عورت کا نام کیا ہے جو تمہارے بھائی کے پاس گئی ہے۔ دونوں نے لڑکی کا اور اس کے باپ کا نام بتایا۔ آپ نے ان سے کہا: اب تم اس کو طلاق دو۔ چنانچہ دونوں نے طلاق دی اور آپ نے خطبہ پڑھ کر ہر ایک کا نکاح اس عورت سے کردیا جو اس کے پاس رہی ہے۔ اور آپ نے دونوں لڑکوں کے والد سے کہا: دعوت

ولیمہ کی تجدید کرو۔

ابوحنیفہ کا فتوی سن کر سب متحیر ہوئے اور مسعر نے اٹھ کر ابوحنیفہ کا منہ چوما اور کہا تم لوگ مجھ کو ابوحنیفہ کی محبت پر ملامت کرتے ہو۔

جواب امام سفیان کا بھی درست تھا لیکن کیا ضروری تھا کہ دونوں شوہروں کی غیرت اس بات کو گوارہ کر لیتی کہ جس سے دوسرے نے شب باشی کی ہے وہ اب اس پہلے کے ساتھ رہے۔

امام وکیع ہی بیان کرتے ہیں: ہم امام ابوحنیفہ کے پاس تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میرے بھائی کی وفات ہوئی ہے اس نے چھ سو دینار چھوڑے اور اب مجھ کو ورثہ میں ایک دینار ملا ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ میراث کی تقسیم کس نے کی ہے۔اس نے کہا داؤد طائی نے کی ہے۔آپ نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کی ہے۔کیا تمہارے بھائی نے دولڑکیاں چھوڑی ہیں؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔آپ نے پوچھا اور ماں چھوڑی ہے؟عورت نے ہاں میں جواب دیا۔آپ نے پوچھا اور بیوی چھوڑی ہے؟عورت نے ہاں میں جواب دیا۔آپ نے پوچھا اور ایک بہن اور بارہ بھائی چھوڑے ہیں؟عورت نے ہاں میں جواب دیا۔آپ نے کہا لڑکیوں کا دوتہائی حصہ ہے یعنی چار سو دینار اور چھٹا حصہ ماں کا ہے یعنی ایک سو دینار اور آٹھواں حصہ بیوی کا ہے یعنی پچھتر دینار۔ باقی رہے پچیس دینار۔اس سے بارہ بھائیوں کے چوبیس دینار یعنی ہر بھائی کو دو دینار اور تم بہن ہو تمہارا ایک دینار ہوا۔

امام ابو یوسف بیان فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ سے کسی شخص نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنی بیوی سے بات نہیں کروں گا جب تک وہ مجھ سے بات نہ کرلے،اور میری بیوی نے قسم کھائی کہ جو مال میرا ہے وہ سب صدقہ ہوگا اگر وہ مجھ سے بات کرلے جب تک کہ میں اس سے بات نہ کرلوں۔ابوحنیفہ نے اس شخص سے کہا: کیا تم نے یہ مسئلہ کسی سے پوچھا ہے؟اس شخص نے کہا: میں نے سفیان ثوری سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ تم دونوں میں سے جو بھی دوسرے سے بات کرے گا وہ حانث ہوجائے گا۔ابوحنیفہ نے اس شخص سے کہا: جاؤ اپنی بیوی سے بات کرو،تم دونوں حانث نہ ہوگے۔وہ شخص ابوحنیفہ کی بات سن کر سفیان ثوری کے پاس گیا۔اس شخص کی سفیان ثوری سے کچھ رشتہ داری بھی تھی،اس نے ابوحنیفہ کا جواب سفیان ثوری سے بیان کیا،وہ جھنجھلا کر ابوحنیفہ کے پاس آئے اور انہوں نے ابوحنیفہ سے غصہ میں کہا: کیا تم حرام کراؤ گے۔آپ نے کہا کیا بات ہے،اے ابوعبداللہ۔اور پھر آپ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ اپنا سوال ابوعبداللہ کے سامنے دہراؤ۔چنانچہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور ابوحنیفہ نے اپنا فتوی دہرایا۔سفیان نے کہا: تم نے یہ بات کہاں سے کہی ہے۔آپ نے فرمایا کہ خاوند کے قسم

کھانے کے بعد اس کی بیوی نے خاوند سے بات کی ’’لہذا خاوند کی قسم پوری ہوگئی‘‘ اب وہ جا کر بیوی سے بات کرلے تاکہ اس کی قسم پوری ہوجائے اور دونوں میں سے کوئی بھی حانث نہیں ہے۔

یہ سن کر سفیان ثوری نے کہا: انہ لیکشف لك من العلم عن شئ کلنا عنه غافل۔ حقیقت امر یہ ہے کہ تم پر علم کے وہ دقائق واضح ہوتے ہیں کہ ہم سب اس سے غافل ہیں۔

امام لیث بن سعد کہتے تھے: کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر سنا کرتا تھا اور میری تمنا اور خواہش تھی کہ ان کو دیکھوں۔ اتفاق سے میں مکہ میں تھا میں نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگ ٹوٹے پڑتے ہیں اور ایک شخص ان کو یا ابا حنیفہ کہہ کر صدا کررہا تھا۔ لہذا میں نے دیکھا کہ یہ شخص ابوحنیفہ ہیں۔ آواز دینے والے نے ان سے کہا میں دولتمند ہوں میرا ایک بیٹا ہے۔ میں اس کی شادی کرتا ہوں، روپیہ خرچ کرتا ہوں، وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے، میں اس کی شادی پر کافی روپیہ خرچ کرتا ہوں اور یہ سب ضائع ہوتا ہے، کیا میرے واسطے کوئی حیلہ ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا تم اپنے بیٹے کو اس بازار لے جاؤ جہاں لونڈی غلام فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں اس کے پسند کی لونڈی خریدلو، وہ تمہاری ملکیت میں رہے، اس کا نکاح اپنے بیٹے سے کردو، اگر وہ طلاق دے گا باندی تمہاری رہے گی۔

یہ کہہ کر لیث بن سعد نے کہا: فواللہ مااعجبنی سرعة جوابه۔ اللہ کی قسم ہے آپ کے جواب پر مجھ کو اتنا تعجب نہ ہوا جتنا کہ ان کے جواب دینے کی سرعت سے ہوا۔ یعنی پوچھنے کی دیر تھی کہ جواب تیار تھا۔

امام ابویوسف بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ ایک شخص سے اسکی بیوی کا جھگڑا ہوا۔ شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا۔ بیوی کیوں پیچھے رہتی، اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان۔ شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے، فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے کرے اور قسم کا کفارہ دیدو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جاکر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا بیان کرنے کو کہا، جب وہ بیان کرچکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا: واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے

جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

سیاسی تحریکات:

امام اعظم کے دور میں جو سیاسی تحریکیں اٹھیں ان میں آپ کا موقف کیا تھا اور آپ کس طرف مائل تھے اور آپ کی حیات طیبہ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، اس کو جاننے کے لیے قدرے تفصیل سے اس دور کی تاریخ ملاحظہ کریں۔

آپ نے جب ہوش سنبھالا تو اُموی خلافت اپنے عروج پر تھی، ہر طرف خلافت بنوامیہ کا بول بالا تھا اور آپ کا عہد شباب بھی گویا اموی سلطنت کے شباب کا زمانہ ہے۔ بنوامیہ کے خلفا میں ایک خاص برائی شروع ہی سے چلی آرہی تھی اور وہ تھی اہل بیت سے دشمنی۔ چوں کہ حضرت امام اعظم اہل بیت کے شیدائی اور فدائی تھے اس لیے آپ نے کبھی بھی اموی حکومت کو دل سے قبول نہیں کیا۔ لہٰذا بنوامیہ کے خلاف جب بھی اہل بیت کی طرف سے کوئی تحریک شروع ہوئی تو آپ نے اس میں ممکنہ طور پر حصہ لیا۔ اگرچہ آپ میدان کارزار میں نہ آئے مگر ہمیشہ اہل بیت کا ساتھ دیتے رہے۔

حضرت امام زین العابدین کے صاحب زادے حضرت زید شہید نے ۱۲۱ھ میں جب ہشام بن عبدالملک کے خلاف محاذ آرائی کی تو آپ نے فرمایا:

حضرت زید کا جہاد کے لیے نکلنا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدر کے دن نکلنے کی طرح ہے۔

آپ سے معلوم کیا گیا: تو آپ اس میں شریک کیوں نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

میں لوگوں کی امانتوں کی وجہ سے نہ جا سکا، میں نے یہ امانتیں ابن ابی لیلیٰ کے پاس رکھنا چاہیں تو انھوں نے یہ ذمہ داری قبول نہیں کی چنانچہ مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں میں اس جنگ میں شہید ہو گیا تو پھر اس بارگراں سے میں کس طرح سبک دوش ہوں گا۔

دوسری وجہ جو آپ نے اپنی مومنانہ بصیرت سے ملاحظہ فرمائی تھی وہ بھی اہم تھی، آپ نے فرمایا:

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ لوگ ان کو بوقت ضرورت اس طرح نہیں چھوڑیں گے جیسے ان کے والد کو چھوڑا تو میں جہاد میں ضرور شرکت کرتا، کیوں کہ آپ جائز امام ہیں البتہ میں آپ کی مالی امداد کرتا رہوں گا۔ چنانچہ آپ نے دس ہزار درہم ان کو بھیج دیے اور قاصد سے کہا کہ میری طرف سے معذرت کر دیجیے۔

[المناقب لابن البزازی ۱/۵۵]

ان دونوں روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ بنوامیہ کی مخالفت کو شرعی نقطۂ نگاہ سے جائز سمجھتے

جب کہ حضرت زید بن علی شہید جیسے امام عادل کی قیادت حاصل ہو۔

قارئین اہل بیت سے امام اعظم کی محبت کا انداز مندرجہ بالا روایت سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔آپ کی نظر میں حضرت امام زین العابدین کے صاحب زادے حضرت زید شہید کا کتنا عظیم مقام تھا۔

ان کا خروج اور امویوں کے خلاف جنگ آپ کے نزدیک جنگ بدر جیسی تھی۔آپ حضرت زید کو خلیفہ برحق جانتے تھے اور ان کے علم و فضل کے مدح خواں تھے۔

حضرت زید کے بعد ان کے بیٹے حضرت یحییٰ اور پھر ان کے صاحب زادے عبداللہ بھی یکے بعد دیگرے امویوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، لہذا ان حالات میں امام اعظم کی طرف سے کوئی ردعمل ضرور ظاہر ہوا ہوگا خواہ وہ زبانی ہی ہو، اور امام اعظم جیسی عظیم المرتبت شخصیت، ساتھ ہی علمائے حق کے ایک جم غفیر کے شیخ اور استاذ، ایسی ذات والا صفات کی زبان سے ردعمل کے طور پر ایک جملہ بھی ادا ہو جانا تلواروں کی جنگ سے بھی بھاری ہوتا ہے۔

لہذا بنو امیہ کے ارباب حل و عقد کے لیے یہ ایک تازیانہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ امویوں کے عراقی عاملین کے ہاتھوں مصائب سے دوچار ہوئے۔

اموی خلیفہ مروان بن محمد کی طرف سے یزید بن عمر بن ہبیرہ عراق کا عامل تھا، اس نے امام اعظم کو بلا کر قضایا شاہی خزانہ کی امانت کی ذمہ داری آپ کے سپرد کرنا چاہی۔ یہ پیش کش دراصل آپ کی آزمائش کے طور پر تھی کہ بنو امیہ سے آپ کہاں تک متفق ہیں اور اہل بیت سے متعلق محبت و مودت کے جو واقعات سننے میں آئے وہ کہاں تک درست ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عراق، خراسان اور فارس میں سخت شورش برپا تھی، بنو عباس بہت سے شہروں پر قابض ہو چکے تھے اور امویوں کا اقتدار زوال پذیر ہوتا جا رہا تھا۔

فتنوں کی بڑھتی کثرت کی روک تھام کے لیے ابن ہبیرہ نے عراق کے علما و فقہا کو جمع کیا اور ان کو مختلف مناصب پیش کرنے کی بات کہی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ان حضرات کی عوام پر گرفت مضبوط ہے۔ ان کی سرپرستی میں عوام راحت محسوس کریں گے اور بغاوت کی چنگاری جو سینوں میں دبی ہے وہ بجھ جائے گی۔یعنی ابن ہبیرہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ایک تو وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ محبّ اہل بیت ہونے کا دعویٰ کس کا صحیح ہے۔دوسرے بنو عباس کی بڑھتی طاقت کو روکنا اور اٹھنے والے فتنوں کو سرکوبی۔

چنانچہ اس نے ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند جیسے عظیم و جلیل علما کو بلایا اور ان کو ایک ایک منصب سونپا۔امام اعظم کے پاس بھی اس کا قاصد آیا اور ابن ہبیرہ کا پیغام سنایا، وہ یہ تھا کہ حاکم عراق

آپ کو سرکاری مہر سپرد کرنا چاہتے ہیں تا کہ کوئی فرمان آپ کی مہر کے بغیر جاری نہ ہو اور نہ بیت المال سے کوئی چیز آپ کی اجازت کے بغیر نکل سکے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے قسم کھا کر کہا: اگر انھوں نے یہ عہدہ قبول نہیں کیا تو ان کو سخت سزائیں دی جائیں گی، فقہائے عراق کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ امام اعظم کے پاس پہنچے اور بولے: خدارا اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے اور اس بات پر غور کیجئے کہ ہم آپ کے ساتھی تھے، ہم خود بھی ان عہدوں کو ناپسند کرتے ہیں، مگر مجبوراً یہ عہدے قبول کرنا پڑے، آپ نے فرمایا: اگر امیر مجھے شہر واسط کی مسجد کے در شمار کرنے کا حکم دے تو بھی میں اس کی تعمیل کے لیے تیار نہیں، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی کے قتل کرنے کا حکم صادر کرے اور میں اس پر مہر ثبت کردوں، خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

ابن ابی لیلیٰ بولے: انھیں چھوڑ یئے، بس یہ صحیح کہتے ہیں اور باقی سب غلطی پر ہیں۔ اس کے بعد کوتوال نے آپ کو قید کر دیا، مسلسل کئی روز تک آپ کے کوڑے مارتا رہا۔ ایک دن جلاد نے حاکم ابن ہبیرہ سے کہا، یہ شخص تو جسد بے روح ہے، اس پر توز دوکوب کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ ابن ہبیرہ بولا: ان سے کہیے ہماری قسم پوری کر دیں، جلاد نے جب پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ مجھ سے مسجد کے دروازے شمار کرنے کو کہے جب بھی میں تیار نہیں ہوں۔ جلاد نے ابن ہبیرہ کو جب یہ جواب سنایا تو ابن ہبیرہ مجبور ہو کر بولا، کیا اس قیدی کو کوئی سمجھانے والا بھی نہیں کہ مجھ سے کم از کم مہلت ہی مانگ لے، کیوں کہ میں مہلت دینے کو تیار ہوں۔ آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کا موقع دیا جائے۔

ابن ہبیرہ نے فوراً رہائی کا حکم دے دیا، آپ جیسے ہی رہا ہوئے فوراً اپنے گھر آ کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے اور حرم شریف پہنچنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ یہ ۱۳۰ھ کا زمانہ تھا۔

اس وقت کا زمانہ بہت پر آشوب تھا، فارس اور خراسان تقریباً کل عباسیوں کے زیر نگیں آ چکے تھے اور عراق میں ہنگامی حالات تھے۔ مگر مکہ معظّمہ میں مکمل امن وامان تھا۔ لہٰذا آپ نے پر امن ماحول میں اپنا مشغلہ درس وتدریس اور حدیث وفقہ کے سلسلہ میں افادہ واستفادہ شروع کر دیا۔ یہاں اہل علم کے دلوں میں حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس کا علم وفضل موج زن تھا، ساتھ ہی یہاں آپ کے بہت سے تلامذہ بھی ملے لہٰذا وہ مجلس مذاکرہ جو کوفہ کی جامع مسجد میں ہر دن سجائی جاتی تھی وہ یہاں بھی سجنے لگی۔ آپ یہاں چھ سال اقامت پذیر رہے۔

عباسیوں کا سب سے پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح جب کوفہ آیا تو اس وقت آپ کوفہ ہی میں تھے۔ یہ ۱۳۲ھ کا واقعہ ہے۔ ہوسکتا ہے امام اعظم کی یہ واپسی عارضی ہو، کیوں کہ آپ مستقل طور پر کوفے ۱۳۶ھ

میں آئے۔ بہر حال عباسی خلافت کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح جب کوفہ آیا تو اس نے یہاں کے علما کو مخاطب کر کے کہا:

خلافت کا معاملہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان میں منتقل ہوگیا ہے۔ یہ عین عنایت ربانی ہے، اب علمائے کرام کی جماعت پر اس کی نصرت واعانت لازم ہے۔ لہذا آپ حضرات میری اعانت پر بیعت کریں۔ یہ سن کر سب کی نگاہیں امام اعظم پر مرکوز ہوگئیں اور آپ کی رائے کا انتظار کیا جانے لگا۔ لہذا آپ نے فرمایا: اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں آپ کی نمائندگی کرتے ہوئے کچھ بولوں؟۔ سب نے کہا: ہم یہی چاہتے ہیں۔ آپ نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا:

خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاندان والوں کو خلافت کا وارث بنایا، ظالموں کے ظلم کو ہم سے دور کیا اور ہماری زبانوں پر حق کو جاری فرمایا۔ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں اور تا قیام قیامت آپ کے عہد کو پورا کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ خدا کرے یہ منصب خاندان رسول میں ہمیشہ قائم رہے۔

امام اعظم کا یہ خطبہ سن کر خلیفہ نے بھی عمدہ تقریر کی اور امام اعظم کی حق گوئی اور خاندان رسول سے والہانہ عقیدت ووابستگی کی بہت تعریف کی اور بولا: آپ کی فصاحت وبلاغت قابل داد ہے اور اہل کوفہ نے بہترین نمائندہ منتخب کیا۔ آپ کا یہ عمل قابل تحسین ہے۔[المناقب للمكی ۲/۱۵۱]

اصل واقعہ یہ ہے کہ امام اعظم اہل بیت کے مدح خواں تھے، ان سے محبت اور قلبی لگاؤ تھا، اموی خلفا نے اہل بیت کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا تھا۔ لہذا امام اعظم کو ان سے نفرت تھی۔ اب جب کہ بنو عباس کی خلافت قائم ہوئی اور یہ خاندان رسالت سے تھے اور خاص اہل بیت سے مودت اور محبت رکھتے اور شیر وشکر ہو کر رہتے تھے، بلکہ عباسیوں نے اپنی تحریک کے زمانہ میں یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ جیسے ہی ہمارے ہاتھ میں زمام اقتدار آئے گی ہم امویوں سے اہل بیت کا ضرور انتقام لیں گے، تو آپ کا ان کی طرف میلان ایک طبعی چیز تھا۔ لہذا آپ نے بخوشی عباسی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ ابوالعباس سفاح اسی دن سے برابر آپ کا قدرداں رہا۔

امام اعظم پر مظالم اور وصال:

ابوالعباس سفاح کے بعد ۱۳۶ھ میں منصور مسند خلافت پر بیٹھا، یہ بھی باپ کی طرح آپ کا گرویدہ، مدح خواں اور عقیدت مند تھا، مگر آگے چل کر منصور کے رویہ میں تبدیلی آگئی، منصور نے اہل بیت کے ساتھ دشمنی کا رویہ شروع کر دیا، چنانچہ منصور نے سب سے پہلے تو اہل بیت (علوی سرداروں)

سے ابوالعباس سفاح کی عطا کردہ جاگریں سلب کیں پھران کو قید و بند میں ڈال دیا۔ ان میں ایک عبداللہ بن حسن ہیں جو تادم آخر منصور کی جیل میں رہے، اوران کے صاحبزادگان محمد نفس زکیہ اور ابراہیم دونوں منصور کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ان حالات میں امام اعظم نے بھی بنوعباس پر تنقید کا آغاز کردیا۔ مگر یہ تنقیدات آپ کی درس گاہ تک ہی محدود رہیں، آپ نے نہ کبھی تلوار اٹھائی اور نہ کبھی کوئی فتنہ برپا کیا۔

ایک مرتبہ منصور کا سپہ سالار حسن بن قحطبہ امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میرا جو کام ہے آپ پر پوشیدہ نہیں، کیا میری توبہ ممکن ہے، حضرت امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ جب اپنے کیے پرنادم ہوتا ہے تو یہی اس کی توبہ ہے۔

اگر تم یہ عہد کرلو کہ کسی مسلم کا قتل گوارہ نہیں کرسکو گے تو یہی تمہاری توبہ کی قبولیت کے لیے کافی ہے۔

اس درمیان ابراہیم بن عبداللہ حسنی علوی کے خروج کا واقعہ پیش آیا۔ منصور نے حسن کو ابراہیم سے لڑنے کا حکم دیا۔ حسن نے امام سے یہ واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: تمہاری توبہ کا وقت آچکا ہے اگر تم نے اپنے عہد کو پورا کیا تو تم تائب ٹھہروگے ورنہ پہلے اور پچھلے سب گناہوں میں ماخوذ ہوگے؛ اس نے توبہ کی کوشش کی اور جان ہتھیلی پر رکھ کر وہ منصور کے دربار میں آکر کہنے لگا ''میں تو اس طرف کا رخ نہ کروں گا۔ اگر تمہارے احکام کی تعمیل خدا کی اطاعت کا سبب ہے تو میں یہ سعادت بہت حاصل کرچکا اور اگر خدا کی نافرمانی ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔ (میں پہلے ہی سے بہت سیاہ کار ہوں) منصور بہت ناراض ہوا۔ حسن کا بھائی حمید بن قحطبہ بولا: ایک سال سے اس کے ہوش وحواس بجا نہیں۔ میں اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں اس سے زیادہ آپ کے فضل وعنایت کا استحقاق رکھتا ہوں چنانچہ وہ اس مقصد کے لیے چلا گیا۔

منصور نے ایک قابل اعتماد شخص سے دریافت کیا کہ اس کی آمد ورفت کس فقیہ کے یہاں ہے؟ اس نے جواب دیا ابوحنیفہ کے یہاں۔ [حیات امام اعظم ابو حنیفہ، ۸۵]

منصور ان دنوں کوفہ میں مقیم تھا۔ اس لیے کہ بغداد زیر تعمیر تھا۔ چنانچہ اس نے امام اعظم کو آزمانا چاہا۔ لہٰذا منصور نے یہ پیش کش کی کہ آپ سلطنت اسلامیہ کے قاضی بن جائیں مگر آپ نے اس سے انکار کردیا، منصور نے ہر چند آپ کو مجبور کیا۔ تاریخ طبری میں جو تفصیلات ہیں ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

منصور نے آپ کو قاضی بنانا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کیا، اس نے حلف اٹھالیا کہ وہ امام کو ضرور مجبور کرکے رہے گا، ادھر انھوں بھی کسی منصب کو قبول نہ کرنے کی قسم کھالی۔ منصور نے آپ کو بغداد کی تعمیر واصلاح، اینٹیں بنوانے اور مزدور مقرر کرنے کے کام پر لگادیا۔ آپ نے یہ خدمت قبول کرلی اور اس طرح

خندق کی جانب والی دیوار مکمل ہوگئی۔ مگر یہ اسی ضد پر قائم تھا کہ آپ عہدۂ قضا قبول کرلیں، اور آپ انکار پر قائم رہے۔

تاریخ بغداد میں ہے:

منصور نے امام ابوحنیفہ کو بلا کر قضا کا عہدہ پیش کرنا چاہا، آپ نے قبول نہ کیا، منصور نے قسم کھا کر کہا: آپ کو یہ کام کرنا ہوگا۔ حضرت امام نے قسم کھا کر کہا: میں ہرگز یہ منصب قبول نہیں کروں گا۔

منصور نے قسم کے بعد اپنے الفاظ دہرائے۔ امام اعظم نے بھی حلف اٹھا کر اپنے سابقہ الفاظ کا اعادہ کیا۔ ربیع حاجب بولا: آپ دیکھتے نہیں کہ امیر المومنین حلف اٹھا رہے ہیں۔

امام نے کہا: امیر المومنین میں کفارہ ادا کرنے کی قدرت مجھ سے زیادہ ہے۔ بہرحال آپ نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا۔ منصور نے آپ کو قید خانہ میں بھیجنے کا حکم دے دیا۔

[تاریخ بغداد۔ ١٣/ ٣٢٩]

منصور نے حضرت امام کو قید تو کردیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔ بغداد چونکہ دارالسلطنت تھا۔ اس لیے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے۔ حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ قید نے ان کی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوادیا۔ جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا، سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کرگئی۔ ع

جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

تجہیز وتدفین:

وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے: واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ پہلی بار نماز جنازے میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔ اس پر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ چھ بار نماز جنازہ ہوئی۔ اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عصر کے قریب دفن کی

نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔اس لئے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے۔دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت وہ ائمہ محدثین وفقہاء موجود تھے جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے ،سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔مکہ معظّمہ میں ابن جریج تھے۔انہوں نے وصال کی خبر سنکر ،انا للہ پڑھا اور کہا۔بہت بڑا عالم چلا گیا۔بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا کوفہ میں اندھیرا ہو گیا۔امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سنکر بغداد حاضر ہوئے۔جب امام کے مزار پر پہنچے تو روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ابوحنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا۔تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پر انوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام وخواص ہے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا:

میں حضرت امام ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں۔جب کوئی حاجت پیش آتی ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم أنه لم يزل العلماء وذوالحاجات يزورون قبره ويتوسلون عنده فى قضاء حوائجهم ويرون نجح ذلك منهم الا مام الشافعى رحمة الله تعالىٰ عليه انتهى ۔

یعنی جان لے کہ علماء واصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کیلئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں۔ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلاں سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا اور اسکے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء وعمائد کو مدعو کیا۔یہ مدرسہ ''مشہد ابوحنیفہ'' کے نام سے مشہور ہے۔مدت تک قائم رہا۔اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا،جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں

کے کھانا بھی ملتا تھا۔ بغداد کا مشہور دار العلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ حضرت امام کا وصال نوے سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

امام المسلمین ابو حنیفہ

قصیدہ از: حضرت امام عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لقد زان البلاد و من عليها ☆ امام المسلمين أبو حنيفه
بأ حكام و آ ثار و فقه ☆ كا يات الزبور على صحيفه
فما في المشرقين له نظير ☆ ولا في المغربين ولا بكوفه
يبيت مشمرًا سهر الليالى ☆ وصام نهاره لله خيفه
وصان لسانه عن كل إفك ☆ وما زانت جوارحه عفيفه
يعف عن المحارم والملاهى ☆ ومرضاة الا له له وظيفه
رأيت العاتبين له سفاها ☆ خلاف الحق مع حجج ضعيفه
و كيف يحل أن يوذى فقيه ☆ له فى الأرض آثار شريفه
وقد قال بن إدريس مقالا ☆ صحيح النقل فى حكم لطيفه
بأن الناس في فقه عيال ☆ على فقه الامام أبي حنيفه
فلعنة ربنا أعداد رمل ☆ على من رد قول أبي حنيفه

☆ امام المسلمین ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہروں اور شہریوں کو زینت بخشی،

☆ احکام قرآن، آثار حدیث اور فقہ سے، جیسے صحیفہ میں زبور کی آیات نے۔

☆ کوفہ بلکہ مشرق و مغرب میں ان کی نظیر نہیں ملتی، یعنی روئے زمین میں ان جیسا کوئی نہیں۔

☆ آپ عبادت کے لیے مستعد ہو کر بیداری میں راتیں بسر کرتے اور خوف خدا کی وجہ سے دن کو روزہ رکھتے،۔

☆ انہوں نے اپنی زبان ہر بہتان طرازی سے محفوظ رکھی، اور ان کے اعضا ہر گناہ سے پاک رہے۔

☆ آپ لہو ولعب اور حرام کاموں سے بچے رہے، رضائے الٰہی کا حصول آپ کا وظیفہ

تھا۔

☆ امام اعظم کے نکتہ چیں بے وقوف، مخالف حق اور کمزور دلائل والے ہیں۔

☆ ایسے فقیہ کو کسی بھی وجہ سے تکلیف دینا کیوں کر جائز ہے، جس کے علمی فیوض تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

☆ حالانکہ صحیح روایت میں لطیف حکمتوں کے ضمن میں امام شافعی نے فرمایا: کہ

☆ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی فقہ کے محتاج ہیں۔

☆ ریت کے ذروں کے برابر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو امام ابوحنیفہ کے قول کو مردود قرار دے۔

ترجمہ: علامہ مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری برکاتی

امام اعظم اور تدوین فقہ

امام اعظم سے قبل اگرچہ فقہ اسلامی مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی نہایت وسعت اختیار کر چکی تھی مگر پھر بھی اس کو وہ حیثیت حاصل نہیں تھی جو ایک فن کو ہوتی ہے جس میں اصول وقوانین کی روشنی میں جزئیات کا استنباط واستخراج اور ان کی ترتیب عمل میں لائی جاتی ہے۔

امام اعظم کے زمانہ تک عام طور پر فقہی مسائل زبانی تھے، حضرت ابراہیم نخعی کے تلامذہ نے اپنے استاذ اور استاذ الاستاذ کے فتاویٰ کو زبانی یاد کر رکھا تھا۔ امام نخعی کے تلامذہ میں جن کو کثرت سے مسائل محفوظ تھے وہ حضرت حماد بن ابی سلیمان ہیں جو امام اعظم کے خاص استاذ شمار ہوتے ہیں، جب ان کا وصال ۱۲۰ھ میں ہو گیا تو اپنے استاذ کی مسند افتا کو آپ نے ہی سنبھالا اور جانشینی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ عالم اسلام کا تمدن نہایت وسیع ہو چکا تھا، عبادات ومعاملات کے مسائل کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ ان کو منضبط کرنا ازبس ضروری تھا۔ پھر یہ کہ تمام حوادث کا نظر غائر سے جائزہ لینا، عالم اسلام میں شامل اقوام عالم کے احوال وکوائف، رسوم ورواج اور عرف وتعامل کو ملحوظ خاطر رکھنا اور پھر مصادر شریعت میں ان کے احکام کی تلاش وجستجو اور نہایت بالغ نظری کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنا، یہ کسی فرد واحد کا کام نہیں تھا بلکہ اس میں ایک جماعت کی ضرورت تھی اور اس کی ہدایت خود شارع اسلام حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان میں موجود تھی۔ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

یارسول! إن نـزل بنا أمر ليس فيهابيان ، أمرو نهى، فما تأمرنا،قال : تشاورون

الفقهاء والعابدين ولاتمضوا فيه رأي خاصة. [معجم اوسط:۱۶۴۱]

یارسول اللہ! اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں کوئی اجازت وممانعت نہ ہوتو ایسے ماحول میں ہمارے لیے کیا حکم ہے،فرمایا:اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے فقہا اورعابدوں کی مجلس شوری قائم کر کے فیصلہ کرنا،کسی فردواحد کی رائے پر نہ اڑے رہنا۔

چنانچہ امام اعظم نے جوطریقہ اختیار فرمایا وہ پورے طور پر اس حدیث کے مطابق تھا،آپ نے اجتہادواستنباط کے لیے محض گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر غوروفکر سے کام نہیں لیا بلکہ فقہا،ائمہ،عرفا،محدثین اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی ایک مجلس شوری قائم کی جن کی تعدادکم وبیش چالیس تھی۔کبھی ان میں اضافہ ہوجاتا تھا اور کبھی اس سے کم بھی ہوتے۔مجموعی طور پر اس میں ہرفن مولیٰ لوگ تھے۔اجمالی طور پر یوں سمجھئے۔

امام عبداللہ بن مبارک۔امام ابویوسف۔حفص بن غیاث۔یحییٰ ابی زائدہ،اور داؤد طائی جو لاکھوں حدیثوں کے حافظ اوراس فن کے امام تھے۔

یحییٰ بن سعید قطان۔داؤدطائی،جرح وتعدیل میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔

امام محمد اور قاسم بن معن کوادب ولغت میں امامت کا درجہ حاصل تھا،اورامام زفراستنباط مسائل میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:کہ اس طرح کے امام اعظم کے حلقۂ درس میں چالیس اصحاب تھے، جنھوں نے شب وروز کی محنت کے بعد مسائل شرعیہ پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کیا۔

تدوین کا مطلب یہ تھا کہ کسی مسئلہ سے متعلق آیت وحدیث پیش ہوتی،امام اعظم اس میں متعدد احتمالات بیان کرتے اوران احتمالات کی تائید میں نصوص وعبارات پیش کرنے کے لیے اپنے تلامذہ میں تقسیم فرمادیتے اورایک احتمال پرخوددلائل قائم فرماتے،تمام اصحاب ان احتمالات کی تنقیح وتوضیح میں کوشش فرماتے۔ (فتاویٰ شامی)

امام ابویوسف فرماتے ہیں:کہ میں امام اعظم کے کسی ایک مسئلہ کو لے کر کوفہ کے محدثین وفقہاء پر دورہ کرتا اور جب دوسرے دن مجلس منعقد ہوتی تو امام اعظم فرماتے:فلاں نے اس مسئلہ میں یہ کہا ہوگا اور فلاں نے یہ۔امام ابویوسف یہ سن کر حیران رہ جاتے اورامام اعظم اس پر فرماتے:میں تمام علم کوفہ کا عالم ہوں۔

غرض یہ کہ اس طرح جب کسی ایک احتمال پر اتفاق ہوجاتا تو اس کولکھ لیا جاتا،کبھی ایسا بھی ہوتا کہ

کسی ایک احتمال پر متفق نہ ہونے کی صورت میں وہ احتمال انہیں کی طرف منسوب ہوکر لکھا جاتا جو اقائم ہوتے، اسی لیے کتب فقہ میں متعدد اقوال منقول ہیں۔لیکن درحقیقت یہ سب امام اعظم ہی کی جانب سے ہیں۔

اس مجلس میں امام اعظم کے تلامذہ میں بعض ایسے بھی تھے جن کی رائے آخری قرار پاتی۔حضرت عافیہ بن یزیدلودی ایسے ہی شاگرد ہیں۔کہ کسی مسئلہ میں غور وخوض کر کے فیصلہ کے قریب پہنچ جاتے اور عافیہ موجودنہ ہوتے تو امام اعظم فرماتے ہیں:

لاترفعوا المسئالة حتی یحضر عافیة.

اس وقت تک اس مسئلہ میں حتمی فیصلہ مت کرو بلکہ عافیہ کو آجانے دو، جب وہ آجائے اور اپنا اتفاق ظاہر کرتے تو وہ مسئلہ دیوان میں لکھ لیا جاتا۔

[جواهر مضيه: ۱۷۱]

اس طرح یہ سلسلہ تقریباً تیس سال جاری رہا اور ہر طرح کے مسائل کی تدوین عمل میں آئی،تاریخ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہر ہر مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کے بعد جلیل القدر ائمہ وفقہا نے اپنی تحقیق سے امت مسلمہ کوشاد کام کیا۔

قارئین نے امام اعظم کے تلامذہ کی ایک جھلک ملاحظہ کر لی ہے اسی سے اندازہ کرسکتے ہیں جب حضرت امام اعظم کی مجلس فقہی میں ایسے ایسے عبقری العلوم تھے تو ان کے فیصلے کیا یوں ہی محض رائے اور قیاس پر مبنی ہوں گے،اور کیا انھوں نے قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ وامت کو سامنے نہ رکھا ہوگا۔

آپ کی مجلس میں تدوین فقہ کے لیے مدد ومعاون تلامذہ کی تعداد بالعموم چالیس رہی،البتہ کبھی کم اور کبھی زیادہ بھی ہوتے تھے۔ان میں سے بعض یہ ہیں:

اصحاب امام اعظم ابوحنیفہ قدست اسرارہم

(۱) امام حماد بن نعمان

حضرت امام حماد بن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند پایہ فقیہ، تقوی و پرہیز گاری، فضل وکمال، علم ودانش اور جود وسخا میں اپنے والد ماجد کا عکس جمیل تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی تعلیم وتربیت نہایت اہتمام سے فرمائی، مشہور ہے کہ الحمد کے ختم پر آپ کے معلم کو ایک ہزار درہم عنایت فرمائے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت امام حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث وفقہ کی تحصیل والد ماجد سے کی، اوراس میں کمال مہارت پیدا کی۔ جب امام اعظم نے اپنے اس لائق اور ہونہار لخت جگر کو علوم وفنون میں کامل پایا تو مسند افتاء پر متمکن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ نے نہ صرف فتوی نویسی کے اہم فریضہ کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا بلکہ تدوین کتب فقہ میں بھی آپ نے نمایاں کردارادا کیا، اور حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر، حضرت امام حسن بن زیاد وغیرہ ارشد تلامذہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طبقہ میں شمار ہوئے۔

آپ نہایت متقی ومتورع انسان تھے، جب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا تو گھر میں لوگوں کی بہت سی امانتیں ایسی بھی تھیں جن کے مالک مفقود الخبر تھے، آپ نے وہ تمام مال و اسباب امانتوں کی صورت میں قاضی وقت کے سامنے پیش کردیا۔

قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ ابھی اپنے پاس رہنے دیجئے، آپ امین مشہور ہیں اور بہتر طریقے سے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں، مگر آپ نے قاضی سے اعتذار کرتے ہوئے تمام مال واسباب کی فہرست پیش کردی اور ساتھ ہی فوری عمل درآمد کے لئے کہہ دیا تاکہ ان کے والد ماجد بری الذمہ ہوں، کہتے ہیں کہ جب تک وہ امانتیں قاضی نے کسی اور کے اہتمام میں نہیں دیں، آپ نظر نہیں آئے۔

حضرت امام حماد نے اپنی عمر تعلیم وتعلم میں صرف فرمائی، آپ سے آپ کے بیٹے اسمعیل نے تفقہ کیا جن سے عمرو بن ذر، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب، اور قاسم بن معین وغیرہ جلیل القدر فقہا و محدثین فیض یاب ہوئے۔ حضرت امام اسماعیل بن حماد بن امام اعظم پہلے بغداد بعدہ بصرہ اور پھر رقہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ احکام قضا، وقائع ونوازل میں ماہر باہر اور عارف بصیر تھے۔ محمد بن عبد اللہ انصاری

کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے آج تک کوئی قاضی اسمعیل بن حماد سے اعلم نہیں ہوا۔ آپ بہ عہد خلیفہ مامون الرشید ۲۱۲ھ میں جوانی کے عالم میں فوت ہوئے، اسی فرزندار جمند کے نام سے حضرت امام حماد نے ابواسمعیل کنیت پائی۔ حضرت امام حماد حضرت قاسم بن معین کی وفات کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ماہ ذی القعدہ ۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ ''قطب دنیا'' ۱۷۶ھ آپ کی تاریخ وفات ہے، آپ نے عمر، اسماعیل، ابوحبان اور عثمان چار صاحبزادے چھوڑے جو علم وفضل میں یگانہ روزگار تھے۔ تصانیف میں مسند الامام الاعظم آپ کی یادگار ہے۔

(۲) امام ابی یوسف

نام ونسب:۔ نام، یعقوب۔ کنیت، ابو یوسف۔ اور لقب قاضی القضاۃ ہے۔ ولادت ۱۱۳ھ/ ۷۳۱ء علوم ومعارف کے شہر کوفہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے فقہ کو پسند کیا، پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی یعلی کی شاگردی اختیار کی، پھر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقۂ درس میں آئے اور مستقل طور پر انہیں سے وابستہ ہوگئے۔

والدین نہایت غریب تھے جو آپ کی تعلیم کو جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے، جب حضرت امام اعظم کو حالات کا علم ہوا تو انہوں نے نہ صرف آپ کے تعلیمی مصارف بلکہ تمام گھر والوں کے اخراجات کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ حضرت امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے، مجھے امام اعظم سے اپنی ضروریات بیان کرنے کی کبھی حاجت نہیں ہوئی۔ وقتاً فوقتاً خود ہی اتنا روپیہ بھیجتے رہتے تھے کہ میں فکر معاش سے بالکل آزاد ہوگیا

قوت حافظہ اور علم وفضل:

آپ ذہانت کے بحر ذخار تھے، آپ کی ذہانت وفطانت بڑے بڑے فضلائے روزگار کے دلوں میں گھر کرگئی تھی۔

ملا جیون صاحب نورالانوار میں فرماتے ہیں:

اما ابو یوسف کو بیس ہزار موضوع احادیث یاد تھیں، پھر صحیح احادیث کے بارے میں تجھے کیا گمان ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

آپ محدثین کے پاس حاضر ہوتے تو ایک ایک جلسہ میں پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کرلیتے تھے۔

امام یحیی ابن معین، امام احمد بن حنبل، اور شیخ علی بن المدینی فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں میں آپ کا ہم سر نہ تھا۔

طلیحہ ابن محمد کہتے ہیں:

وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے، کوئی ان سے بڑھ کر نہ تھا۔

داؤد بن رشد کا قول ہے:

امام ابوحنیفہ نے صرف یہ ہی ایک شاگرد پیدا کیا ہوتا تو ان کے فخر کے لئے کافی تھا۔

امام ابو یوسف کو نہ صرف نقد حدیث پر عبور حاصل تھا بلکہ تفسیر، مغازی، تاریخ عرب، لغت، ادب، اور علم کلام وغیرہ علوم وفنون میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ ہی وہ فطری ذہانت تھی جس نے چند سال میں آپ کو سارے ہم عصروں میں ممتاز کر دیا تھا اور علماء وقت آپ کے تبحر علمی اور جلالت فقہی کے قائل تھے۔ خود امام اعظم آپ کی بڑی قدر ومنزلت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں۔

قاضی القضاۃ:

۱۶۶ھ/۷۸۳ء میں آپ جب بغداد تشریف لائے تو خلیفہ محمد المہدی بن منصور نے آپ کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ہادی بن مہدی بن منصور کے زمانہ میں بھی آپ اسی عہدہ پر فائز رہے۔ جب ہارون الرشید نے ۱۹۳ھ/ ۸۰۸ء میں عنان حکومت سنبھالی تو اس نے آپ کو تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کر دیا۔

موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق یہ عہدہ محض عدالت عالیہ کے حاکم اعلی کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی اس میں شامل تھے۔ اور سلطنت کے تمام داخلی وخارجی معاملات میں قانونی رہنمائی کرنا بھی آپ کا کام تھا۔ مملکت اسلامیہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ یہ منصب قائم ہوا۔ اس سے پہلے کوئی شخص خلافت راشدہ، اموی یا عباسی سلطنتوں میں اس عہدہ پر فائز نہ ہوا۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی داؤد کے اور کسی کو یہ عہدہ تفویض نہ ہوا۔

عبادت وریاضت:

آپ عہدۂ قضا اور علمی مشاغل کے باوجود عبادت وریاضت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے، آپ

خود فرمایا کرتے تھے کہ میں امام اعظم کی خدمت میں انتیس سال رہا اور میری صبح کی نماز باجماعت فوت نہیں ہوئی۔

بشیر بن ولید کا بیان ہے کہ:

امام ابو یوسف کے زہد وورع اور عبادت وتقوی کا یہ عالم تھا کہ زمانہ قضاء ووزارت میں بھی دوسو رکعتیں نوافل ادا کرتے۔

تلامذہ:۔آپ کے شاگردوں میں محمد بن حسن شیبانی، شفیق بن ابراہیم بلخی، امام احمد بن حنبل، بشر بن الولید کندی، محمد بن سماعہ، معلٰی بن منصور، بشر بن غیاث، علی بن جعدہ، یحیی بن معین، احمد بن منیع، وغیرہ محدثین کبار وفقہائے کرام آفتاب وماہتاب کی طرح درخشاں تاباں نظر آتے ہیں۔

وصال:

۵؍ربیع الاول ۱۸۷ھ جمعرات کے روز ظہر کے وقت بغداد شریف میں علم وعرفان کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔ مزار شریف احاطۂ حضرت امام موسی کاظم کے شمالی گوشہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔(۲)

(۳) امام زفر بن ہذیل

نام ونسب: نام، زفر۔ اور والد کا نام ہذیل ہے، عربی النسل ہیں۔ کوفہ آپ کا وطن تھا۔ والد ماجد اصفہان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے، پھر طبیعت کا میلان فقہ کی طرف ہوا اور فقہ کی عظیم درسگاہ جامع کوفہ میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور آخر عمر تک یہ ہی مشغلہ رہا۔

فقہ میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے ہم پلہ قرار دیئے گئے ہیں اور امام اعظم کے ان دس اصحاب میں ہیں جنہوں نے فقہ کی تدوین میں امام اعظم کی معاونت کی۔

آپ امام اعظم کے محبوب ترین تلامذہ میں تھے۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نکاح امام اعظم نے پڑھایا۔ آپ پر امام اعظم کو بہت اعتماد تھا۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں:

امام زفر مجلس امام اعظم ابوحنیفہ میں سب سے آگے بیٹھتے تھے۔

امام زفر اور امام داؤد طائی ایک ساتھ امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حدیث وفقہ کا درس لیتے، دونوں

میں بھائی چارہ تھا، پھر امام داؤد طائی علمی مشغلہ سے تصوف کی راہ پر گامزن ہو گئے جب کہ امام زفر علم و عبادت دونوں کے جامع بنے۔

زہد وریاضت:

حدیث وفقہ میں امامت کا درجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ زہد وتقوی اور عبادت وریاضت میں بھی بے مثال تھے، زہد وورع ہی کے پیش نظر آپ نے عہدہ قضا کو قبول نہ کیا جبکہ دو مرتبہ آپ کو اس کام کے لیے مجبور کیا گیا، آپ نے انکار کیا اور وطن چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ حکومت وقت نے انتقاماً آپ کا گھر جلا دیا، چنانچہ آپ کو اپنا مکان دو مرتبہ تعمیر کرنا پڑا۔

وصال:

آپ اصل کوفہ کے باشندے تھے، مگر بھائی کی میراث کے سلسلہ میں بصرہ چلے گئے، اہل بصرہ نے بصد اصرار یہاں ہی اقامت کا مشورہ دیا اور آپ ان کی درخواست پر یہیں مقیم ہو گئے۔

آپ نے ۱۷۸ھ خلیفہ محمد المھدی کے عہد میں یہیں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔ (۳)

(۴) امام عبداللہ بن مبارک

نام ونسب: نام، عبداللہ۔ والد کا نام مبارک۔ کنیت، ابوعبدالرحمٰن ہے۔ حنظلی تمیمی ہیں، آپ کے والد ترکی النسل تھے، اور قبیلہ بنو حنظلہ جو اہل ہمدان سے تعلق رکھتا تھا اسکے آزاد کردہ غلام، آپ کی والدہ خوارزمیہ تھیں۔

والد محترم نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس میدان میں خوب شہرت حاصل کی۔

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت ۱۱۸ھ مرو میں ہوئی، والدین نے اپنے اس ہونہار فرزند کی بڑے اہتمام سے تعلیم وتربیت کی۔

سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فقہ میں عبور حاصل کیا۔

اس کے بعد طلب علم حدیث میں دور دراز مقامات کی سیر کی اور بے شمار ائمہ حدیث سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے ذوق علمی میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ....

ایک مرتبہ والد ماجد نے آپ کو پچاس ہزار درہم تجارت کے لیے دیئے تو تمام رقم طلب حدیث

میں خرچ کر کے واپس آئے، والد ماجد نے درہموں کی بابت دریافت کیا تو آپ نے جس قدر حدیث کے دفتر لکھے تھے والد کے حضور پیش کر دیئے اور عرض کیا: میں نے ایسی تجارت کی ہے جس سے ہم دونوں کو دونوں جہان کا نفع حاصل ہوگا۔ والد ماجد بہت خوش ہوئے، تیس ہزار درہم اور عنایت کر کے فرمایا: جاؤ علم حدیث اور فقہ کی طلب میں خرچ کر کے اپنی تجارت کامل کرلو۔

علم و فضل:

ایک مرتبہ بزرگوں کی ایک جماعت کسی مقام پر اکٹھی ہوئی، کسی نے کہا: آؤ حضرت عبداللہ بن مبارک کے کمالات شمار کریں، انہوں نے جواب دیا: بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔

علم فقہ، حدیث، ادب اور نحو، میں ید طولی رکھتے تھے۔ زہد و شجاعت میں لاجواب تھے، نعت گو شاعر اور ادیب تھے۔ شب بیداری، عبادت، حج، جہاد، اور شہسواری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ لایعنی باتوں سے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، نہایت منصف مزاج اور رحم دل تھے۔

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

میں کتنی ہی کوشش کروں کہ سال بھر میں ایک دن حضرت عبداللہ بن مبارک کی طرح گزاروں تو نہیں گزار سکتا۔

شعیب بن حرب کہتے ہیں:

ایک سال یا تین دن بھی پورے سال میں حضرت عبداللہ کی طرح نہیں گزار سکتا۔

نیز فرماتے ہیں:

ابن مبارک جس سے بھی ملے اس سے افضل ہی ثابت ہوئے۔

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

صحابہ کرام کو بلا شبہ فضل صحابیت حاصل تھا ورنہ دوسرے خصائل میں آپ کا مقام نہایت بلند ہے۔

سلام بن ابی مطیع کہتے ہیں: مشرق میں ان جیسا پھر کوئی نظر نہ آیا۔

امام ابن معین فرماتے ہیں:

آپ احادیث صحاح کے حافظ تھے، بیس ہزار یا اکیس ہزار احادیث روایت فرماتے ہیں۔

اسمعیل بن عیاش کہتے ہیں:

ابن مبارک جیسا روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر خوبی کے جامع تھے،

فقراء پر جب خرچ فرماتے تو ایک سال میں ایک لاکھ درہم تک خرچ کردیتے تھے۔

ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لئے جارہے تھے، قافلہ والوں کا ایک پرند مرگیا، ایک بستی کے کوڑا خانہ میں لوگوں نے اسے پھینک دیا پھر قافلہ تو آگے بڑھ گیا۔ آپ کچھ دیر سے چلے، دیکھا کہ ایک لڑکی اس مردار پرند کو اٹھا کر لے گئی اور تیز قدم چل کر ایک مکان میں داخل ہوگئی۔ آپ اس کے گھر کی طرف تشریف لے گئے، حال معلوم ہوا اور مردار پرند کو لانے کا سبب پوچھا، اس لڑکی نے کہا: میں اور میرا بھائی یہاں رہتے ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں فقط ستر پوشی کے لئے یہ تہبند ہے، اور اب ہماری خوراک صرف یہ ہی رہ گئی ہے کہ ان گھوروں سے جو چیز بھی مل جائے۔ ہمارے لئے ان حالات میں یہ مردار بقدر ضرورت حلال ہیں، ہمارے والد مالدار تھے، ان پر ظلم ہوا اور قتل کردیئے گئے اور سارا مال ظالم لے گئے۔

امام ابن مبارک یہ سن کر نہایت متاثر ہوئے، اپنے خازن سے فرمایا: فی الحال زادراہ میں کیا باقی رہا ہے، اس نے عرض کیا: ایک ہزار دینار۔ آپ نے فرمایا: بیس دینار لے لو کہ اپنے وطن مرو تک پہنچنے کے لیے کافی ہیں اور باقی ۹۸۰ دینار اس مظلومہ کو دو۔ اس سال ہمیں حج کے مقابلہ میں یہ اعانت وامداد بہتر ہے اور وہیں سے واپس وطن تشریف لے آئے۔

جب حج کا موسم آتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتے: تم میں امسال کون حج کو جانا چاہتا ہے، جو ارادہ رکھتا ہو وہ اپنا زادراہ میرے پاس لاکر جمع کردے تاکہ میں راستہ میں اس پر خرچ کرتا چلوں، لہذا سب سے دراہم ودنانیر کی تھیلیاں جمع کرتے، ہر تھیلی پر اسکا نام لکھتے اور ایک صندوق میں رکھتے جاتے۔

پھر سب کو ساتھ لے کر نکلتے اور ان کے زادراہ کی نسبت زیادہ خرچ کرتے ہوئے انکو ساتھ لیجاتے، جب حج بیت اللہ سے فارغ ہوتے تو پوچھتے: تمہارے گھر والوں نے کچھ یہاں کے تحائف کی فرمائش کی ہے، جس کو جیسی خواہش ہوتی ان کو مکی اور یمنی تحائف دلواتے، پھر مدینہ منورہ حاضری دیتے اور وہاں بھی ایسا ہی کرتے۔

جب تمام حجاج کرام واپس ہوتے تو ان کو ان کے گھر واپس فرماتے اور خود اپنے گھر پہنچ کر سب کی دعوت کرتے، جب دعوت سے فارغ ہوتے تو وہ صندوق منگاتے اور سب کو ان کی تھیلیاں واپس فرماتے، یہ لوگ گھروں کو اس حال میں واپس ہوتے کہ سب کی زبانوں پر ہدیہ تشکر ہوتا اور ہمیشہ آپ کے مدح خواں رہتے۔

آپ کی نوازشات کا یہ عالم ہوتا، طرح طرح کے لذیذ کھانے اور حلوے ساتھ رہتے لیکن خود تیز دھوپ اور شدید گرمی میں روزہ دار ہوتے اور لوگوں کو کھلاتے پلاتے ساتھ لیجاتے تھے۔

خلوص نیت پر بہت زور دیتے تھے، آپ کے محامد ومحاسن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۱۸۱ھ میں آپ جہاد کے لئے روانہ ہوئے، فتح وکامرانی کے بعد واپس آرہے تھے کہ قصبہ سوس میں آکر علیل ہوگئے اور چند ایام کی علالت کے بعد وصال ہوگیا۔

دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ''ہیت'' میں مدفون ہوئے، آپ کا مزار مرجع انام ہے۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، ان میں سے چند مشاہیر یہ ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ، سلیمان تیمی، حمید الطّویل، یحیی بن سعید انصاری، سعد بن سعید انصاری، ابراہیم بن علیہ، خالد بن دینار، عاصم الاحول، ابن عون، عیسی بن طہمان، ہشام بن عروہ، سلیمان اعمش، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، اوزاعی، ابن جریج، امام مالک، لیث بن سعد، حیوہ بن شریح، خالد بن سعید اموی، سعید بن عروبہ، سعید بن ابی ایوب، عمرو بن میمون، معمر بن راشد، وغیرہم۔

تلامذہ:

سفیان ثوری، معمر بن راشد، ابواسحاق فزاری، جعفر بن سلیمان ضبعی،، بقیہ بن ولید، داؤد بن عبدالرحمٰن عطار، سفیان بن عیینہ، ابوالاحوص، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان، ولید بن مسلم، ابوبکر بن عیاش، مسلم بن ابراہیم، ابواسامہ، نعیم بن حماد، ابن مہدی، قطان، اسحاق بن راہویہ، یحیٰ بن معین، ابراہیم بن اسحاق طالقانی، احمد بن محمد مردویہ، اسمٰعیل بن ابان وراق، بشر بن محمد سختیانی، حبان بن موسی، حکم بن موسی، سعید بن سلیمان، سلمہ بن سلیمان مروزی۔

(۵) امام محمد بن حسن

نام ونسب: نام، محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام، حسن ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے: ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ شیبانی آپ کے قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت ولائی ہے کہ آپکے والد بنوشیبان کے غلام تھے۔

آپکے والد کا اصل مسکن جزیرہ شام تھا، دمشق کے قریب حرسا کے رہنے والے تھے، بعد میں ترک وطن کر کے شہر واسطہ آگئے تھے۔

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت ۱۳۲ھ میں بمقام شہر واسطہ (عراق) میں ہوئی پھر آپ کے والد نے کوفہ کو اپنا

مسکن بنایا اور آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز یہاں ہی ہوا۔

چودہ سال کی عمر میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے مجلس میں آکر امام اعظم کے بارے میں سوال کیا، امام ابو یوسف نے آپ کی رہنمائی کی آپ نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو وہ نماز دہرائے گا یا نہیں، امام اعظم نے فرمایا دہرائے گا۔ امام محمد نے اسی وقت اٹھ کر ایک گوشہ میں نماز پڑھی۔ امام اعظم نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا: انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد امام محمد گاہے گاہے امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے، کم سن تھے اور بے حد خوبصورت، جب باقاعدہ شرف تلمذ حاصل کرنے کی درخواست کی تو امام اعظم نے فرمایا: پہلے قرآن حفظ کرو پھر آنا۔ سات دن بعد پھر حاضر ہو گئے، امام اعظم نے فرمایا: میں نے کہا تھا کہ قرآن مجید حفظ کر کے پھر آنا، عرض کیا: میں نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے۔ امام اعظم نے ان کے والد سے کہا: اس کے سر کے بال منڈوا دو، لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حسن اور دمکنے لگا۔ ابونواس نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

حلقوا راسه ليكسوه قبحا ☆ غيرة منهم عليه وشحا

كان في وجهه صباح وليل ☆ نزعوا ليله وابقوه صبحا

لوگوں نے ان کا سر مونڈ دیا تا کہ ان کی خوب صورتی کم ہو، ان کے چہرہ میں صبح بھی تھی اور رات بھی، رات کو انہوں نے ہٹا دیا، صبح تو پھر بھی باقی رہی۔

آپ مسلسل چار سال خدمت میں رہے، پھر امام ابو یوسف سے تکمیل کی۔ ان کے علاوہ امام مسعر بن کدام، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری اور امام مالک وغیرہ سے علم حدیث میں خوب استفادہ کیا اور کمال حاصل کیا۔

خود فرماتے تھے: مجھے آبائی ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دینار ملے تھے جن میں سے آدھے میں نے لغت وشعر کی تحصیل میں خرچ کر ڈالے اور نصف فقہ وحدیث کیلئے۔

اساتذہ:

آپ نے طلب علم میں کوفہ کے علاوہ مدینہ، مکہ، بصرہ، واسط، شام، خراسان اور یمامہ وغیرہ کے سیکڑوں مشائخ سے علم حاصل کیا، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، حسن بن عمارہ، امام مالک، ابراہیم، ضحاک بن عثمان، سفیان بن عیینہ، طلحہ بن عمرو، شعبہ بن الحجاج، ابوالعوام،

امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، زمعہ بن صالح،

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی تعداد نہایت وسیع ہے۔ چند یہ ہیں:

ابوحفص کبیر احمد بن حفص عجلی استاذ امام بخاری۔ موسیٰ بن نصیر رازی، ہشام بن عبیداللہ رازی، ابوسلیمان جوزجانی، ابوعبید القاسم بن سلام، محمد بن سماعہ، معلیٰ بن منصور، محمد بن مقاتل رازی، شیخ ابن جریر، یحیی بن معین، ابوزکریا، یحیی بن صالح، حاظی حمصی، یہ امام بخاری کے شیوخ شام سے ہیں۔ عیسیٰ بن ابان، شداد بن حکیم، امام شافعی جن کو آپ نے اپنا تمام علمی سرمایہ سونپ دیا تھا جو ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

ابوعبید کہتے ہیں: میں نے امام شافعی کو دیکھا کہ امام محمد نے ان کو پچاس اشرفیاں دیں اور اس سے پہلے پچاس روپے دے چکے تھے۔

ابن سماعہ کا بیان ہے: امام محمد نے امام شافعی کے لیے کئی بار اپنے اصحاب سے ایک ایک لاکھ روپے جمع کر کے دیئے۔

امام مزنی فرماتے تھے: امام شافعی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں عراق میں قرضہ کی وجہ سے محبوس ہوگیا، امام محمد کو معلوم ہوا تو مجھے چھڑا لیا۔

یہی وجہ تھی کہ امام شافعی، امام محمد کی نہایت تعظیم وتوقیر کرتے اور واضح الفاظ میں احسانات کا اظہار کرتے تھے، فرماتے:

فقہ کے بارے میں مجھ پر زیادہ احسان محمد بن حسن کا ہے۔

حافظ سمعانی نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا:

اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری معاونت فرمائی۔ سفیان بن عیینہ کے ذریعہ حدیث میں اور امام محمد کے ذریعہ فقہ میں۔

علامہ کردری نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا کہ:

علم اور اسباب دنیوی کے اعتبار سے مجھ پر کسی کا بھی اتنا بڑا احسان نہیں جس قدر امام محمد کا ہے۔

آپ کے دوسرے عظیم شاگرد اسد بن الفرات ہیں، خصوصی اوقات میں آپ نے ان کی تعلیم وتربیت کی۔ ساری ساری رات انکو تنہا لیکر بیٹھتے، پڑھاتے اور مالی امداد بھی کرتے تھے، جب پڑھ لکھ کر فاضل ہوگئے تو امام محمد کی روایت سے امام اعظم کے مسائل، اور ابن قاسم کی روایت سے امام مالک کے مسائل پر مشتمل ۶۰ کتابوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام اسدیہ رکھا۔ علمائے مصر نے اس مجموعہ کی نقل

لینا چاہی اور قاضی مصر کے ذریعہ سفارش کی، آپ نے اس کی اجازت دیدی اور چمڑے کے تین سوٹکڑوں پر اسکی نقل کرائی گئی جو ابن القاسم کے پاس رہی۔ بعد کے مدونہ نسخوں کی اصل بھی یہی اسدیہ ہے۔

امام محمد کے پاس مال کی اتنی فراوانی تھی کہ تین سومنیم مال کی نگرانی کے لیے مقرر تھے۔لیکن آپنے اپنا تمام مال ومتاع محتاج طلبہ پر خرچ کردیا یہاں تک کہ آپکے پاس لباس بھی معمولی رہ گیا تھا۔

معمولات زندگی:

آپ راتوں کونہیں سوتے تھے، کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے۔ جب ایک فن کی کتابوں سے طبیعت گھبراتی تو دوسرے فن کا مطالعہ شروع کردیتے تھے، جب راتوں کو جاگتے اور کوئی مسئلہ حل ہوجاتا تو فرماتے، بھلا شاہزادوں کو یہ لذت کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے آپ کے یہاں قیام کیا، اور صبح تک نماز پڑھتا رہا، لیکن امام محمد رات بھر پہلو پر لیٹے رہے اور صبح ہونے پر یونہی نماز میں شریک ہوگئے۔ مجھے یہ بات کھٹکی تو میں نے عرض کیا، آپ نے فرمایا: کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سوگیا تھا، نہیں میں نے کتاب اللہ سے تقریباً ایک ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے۔ تو آپ نے رات بھر اپنے لیے کام کیا اور میں نے پوری امت کے لیے۔

محمد بن مسلمہ کا بیان ہے، کہ آپ نے عموماً رات کے تین حصے کردیئے تھے، ایک سونے کیلئے، ایک درس کیلئے اور ایک عبادت کیلئے۔

کسی نے آپ سے کہا: آپ سوتے کیوں نہیں ہیں۔ فرمایا: میں کس طرح سوجاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کرکے سوئی ہوئی ہیں۔

فضل وکمال:

امام شافعی فرماتے ہیں: اگر میں کہنا چاہوں کہ قرآن مجید محمد بن حسن کی لغت پر اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ نیز یہود ونصاری امام محمد کی کتابوں کا مطالعہ کرلیں تو ایمان لے آئیں۔ فرماتے ہیں: میں نے جس شخص سے بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کی تیوری پر بل آگئے مگر امام محمد سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ مسئلہ سمجھایا۔

امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا:

یہ مسائل دقیقہ آپ نے کہاں سے سیکھے تو فرمایا: امام محمد کی کتابوں سے۔

ابن اکثم نے یحیی بن صالح سے کہا: تم امام مالک اور امام محمد دونوں کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ

ان دونوں میں کون زیادہ فقیہ تھا، تو آپ نے بلاتردد جواب دیا، امام محمد۔
ربیع بن سلیمان کہتے ہیں: میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا۔

جرأت واستقلال:

امام محمد بے حد غیور اور مستقل مزاج تھے، اقتدار وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے اور اظہار حق کے راستے میں کوئی چیز ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ محمد بن حسن بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد خلیفہ کے نقیب نے محمد بن حسن کو بلایا، ان کے شاگرد اور احباب سب پریشان ہو گئے کہ نہ جانے شاہی عتاب سے کس طرح خلاصی ہوگی۔ جب آپ خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے، فرمایا کہ جس طبقہ میں خلیفہ نے مجھے قائم کیا ہے میں نے اس سے نکلنا پسند نہیں کیا۔ آپ کی تعظیم کے لیے قیام کر کے اہل علم کے طبقہ سے نکل کر اہل خدمت کے طبقہ میں داخل ہونا مجھے مناسب نہیں تھا۔ پھر کہا: آپ کے ابن عم یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ آدمی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے۔ حضور کی مراد اس سے گروہ علماء ہے پس جو لوگ حق خدمت اور اعزاز شاہی کے خیال سے کھڑے رہے انہوں نے دشمن کے لیے ہیبت کا سامان مہیا کیا اور جو بیٹھے رہے انہوں نے سنت اور شریعت پر عمل کیا جو آپ ہی کے خاندان سے لی گئی ہے اور جس پر عمل کرنا آپ کی عزت اور کرامت ہے۔ ہارون رشید نے سن کر کہا: سچ کہتے ہو۔

عہدہ قضاء:

امام ابو یوسف کو فقہ حنفی کی ترویج اور اشاعت کا بے حد شوق تھا، وہ چاہتے تھے کہ ملک کا آئین فقہ حنفی کے مطابق ہو۔ اس لیے انہوں نے ہارون رشید کی درخواست پر قاضی القضاء (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کر لیا تھا، کچھ عرصہ بعد ہارون رشید نے شام کے علاقہ کیلئے امام محمد کا بحیثیت قاضی تقرر کیا، امام محمد کو علم ہوا تو وہ امام ابو یوسف کے پاس گئے، اور اعتذار کیا اور درخواست کی کہ مجھے اس آزمائش سے بچائیے، امام ابو یوسف نے مسلک حنفی کی اشاعت کے پیش نظر ان سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ ان کو یحیی برمکی کے پاس لے گئے یحیی نے ان کو ہارون رشید کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح مجبور ہو کر ان کو عہدہ قضاء قبول کرنا پڑا۔

حق گوئی و بے باکی:

امام محمد اپنے احباب اور ارکان دولت کے اصرار کی بناء پر عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے۔ جتنا عرصہ

قاضی رہے بے لاگ فیصلے کرتے رہے لیکن قدرت کو ان کی آزمائش مقصود تھی ۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحیی بن عبداللہ نامی ایک شخص کو خلیفہ پہلے امان دے چکا تھا۔ بعد میں کسی وجہ سے خلیفہ اس پر غضب ناک ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا۔اپنے اس مذموم فعل پر خلیفہ قضاۃ کی تائید چاہتا تھا تاکہ اس کے فعل کو شرعی جواز کا تحفظ حاصل ہو جائے ۔خلیفہ نے تمام قاضیوں کو دربار میں طلب کیا سب نے خلیفہ کے حسب منشاء نقض امان کی اجازت دیدی لیکن امام محمد نے اس سے اختلاف کیا اور برملا فرمایا: یحیی کو جو امان دی جاچکی ہے وہ صحیح ہے اور اس امان کو توڑنے اور یحیی کے خون کی اباحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے لہذا اس کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے ۔ان کی حق گوئی سے مزاج شاہی برہم ہو گیا لیکن جن کی نظر میں منشائے الوہیت ہوتا ہے وہ کسی اور مزاج کی پرواہ نہیں کرتے ، دلوں میں اس قہار حقیقی کا خوف رکھتے ہیں وہ مخلوق کی ناراضگی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے ۔امام محمد اپنے اس فیصلہ کے ردعمل کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے ۔چنانچہ اس اظہار حق کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ آپ کہ عہدۂ قضاء سے ہٹایا گیا اور افتاء سے روکا گیا بلکہ کچھ عرصہ کیلئے آپ کو قید میں بھی محبوس کیا گیا۔

عہدۂ قضاء پر بحالی:

امام محمد کے عہدہ قضاء سے سبکدوش ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہارون رشید کی بیوی ام جعفر کو کسی جائیداد کے وقف کرنے کا خیال آیا، اس نے امام محمد سے وقف نامہ تحریر کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا: مجھے افتاء سے روک دیا گیا ہے اس لئے معذور ہوں ۔ام جعفر نے اس سلسلہ میں ہارون رشید سے گفتگو کی جس کے بعد اس نے نہ صرف آپ کو افتاء کی اجازت دی بلکہ انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کردیا۔

تصانیف:

امام محمد کی تمام زندگی علمی مشاغل میں گذری ۔ائمہ حنفیہ میں انہوں نے سب سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں ،مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے کہ انہوں نے نوسو ننانوے کتابیں لکھی ہیں اور اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ ہزار کا عدد پورا کردیتے ۔بعض محققین کا یہ بھی خیال ہے کسی موضوع پر جو کتاب لکھی جاتی ہے اس میں متعدد مسائل کو مختلف عنوانات پر تقسیم کردیا جاتا ہے، جیسے کتاب الطہارۃ ، کتاب الصلوۃ، کتاب الصوم وغیرہ پس جن لوگوں نے ۹۹۹ کا عدد لکھا ہے وہ ان کی تصانیف کے تمام عنوانوں کے مجموعہ کے اعتبار سے لکھا ہے، بہر حال ان کی تصانیف کی جو تفصیل دستیاب ہوسکی وہ اس طرح

ہے:

(۱)مؤطاامام محمد:

حدیث میں یہ امام محمد کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔اس کتاب میں انہوں نے زیادہ تر امام مالک سے سنی ہوئی روایات کوجمع کیاہے۔بستان المحد ثین میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مؤطا کے سولہ نسخے ذکر کئے ہیں لیکن آج دنیا میں صرف دو نسخے مشہور ہیں۔ایک امام محمد کی روایت کا مجموعہ جس کو مؤطاامام محمد کہتے ہیں اوردوسرا یحیٰ بن یحیی مصمودی کانسخہ جومؤطاامام مالک کے نام سے مشہور ہے۔لیکن مؤطاامام محمد،مؤطاامام مالک سے چندوجوہ پرفوقیت رکھتی ہے۔

اولاً: یہ کہ امام محمد یحیٰ بن یحیٰ سے علم حدیث میں زیادہ بصیرت اورفقہ میں ان سے بڑھ کرمہارت رکھتے تھے۔

ثانیاً: مؤطا کی روایت میں یحیٰ بن یحیٰ سے متعدد جگہ غلطیاں واقع ہوئیں۔چنانچہ خود مالکی محدث شیخ محمد عبدالباقی زرقانی نے ان کے بارے میں لکھاہے۔ قليل الحديث له اوهام ’ان کواکثر وہم لاحق ہوتے تھےاورحدیث میں وہ بہت کم معرفت رکھتے تھے۔اورامام محمد کے بارے میں ذہبی جیسے شخص کوبھی اعتراف کرنا پڑا،وكان من بحور العلم و الفقه قويا في ماروى عن مالك ’ امام محمد علم کےسمندر تھےاورامام مالک سےروایت کرنے میں بہت قوی تھے۔

ثالثاً: یحیٰ بن یحیٰ کوامام مالک سے پوری مؤطا کے سماع کا موقع نہ مل سکا۔کیونکہ جس سال وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام مالک کا وصال ہوگیا۔اسی وجہ سے وہ موطاامام مالک میں احادیث ’’عن مالك‘‘ کےصیغہ سے روایت کرتے ہیں۔برخلاف امام محمد کے کہ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ امام مالک کی خدمت میں رہے اورموطا کی تمام روایات کا انہوں نے امام مالک سے براہ راست سماع کیاہے،اسی وجہ سے وہ ’’اخبرنا مالك‘‘ کےصیغہ کےساتھ موطامیں احادیث روایت کرتے ہیں۔

اس کتاب میں امام محمد ترجمۃ الباب کے بعدسب سے پہلے امام مالک کی روایت کا ذکرکرتے ہیں۔اوراگر مسلک حنفی اس روایت کےمطابق ہوتواس کے بعد’’بـه نـاخذ‘ فرماتے ہیں اوراگراس روایت کا ظاہر مسلک حنفی کےخلاف ہوتواس کی توجیہ ذکرکر کےمسلک حنفی کےتائیدمیں احادیث اورآثاروارد کرتے ہیں اور بسا اوقات دوسرے ائمہ فتوی کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔چونکہ اس کتاب میں امام محمد نے امام مالک کےعلاوہ دوسرے مشائخ کی روایات بھی ذکر کی ہیں۔اسی لئے یہ کتاب امام مالک کی طرف منسوب ہونے کے بجائے امام محمد کی طرف منسوب ہوگئی۔موطاامام محمد میں کل ایک ہزارایک سواسی احادیث ہیں

جن میں ایک ہزار پانچ احادیث امام مالک سے مروی ہیں اور ایک سو پچھتر دوسرے شیوخ سے۔ سترہ امام ابوحنیفہ سے اور چار امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اس کتاب کی بعض احادیث کے طرق اور اسانید پر اگرچہ جرح کی گئی ہے لیکن ان کی تائید اور تقویت دوسری اسانید سے ہو جاتی ہے۔

(۲) کتاب الآثار:

حدیث میں یہ امام محمد کی دوسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں امام محمد نے احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے انکی یہ تصنیف کتاب الآثار کے نام مشہور ہوگئی۔ اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث اور سات سو اٹھارہ آثار ہیں۔ ان کے علاوہ اس میں انہوں نے امام اعظم کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۳) کتاب الحج:

اس کتاب میں بھی امام محمد نے احادیث کو جمع کیا ہے۔ امام مالک اور بعض دوسرے علماء مدینہ سے امام محمد کو فقہی اختلاف تھا۔ انہوں نے اپنے مؤقف کو احادیث اور آثار کی روشنی میں ثابت کرنے کیلئے اس کتاب کو تالیف کیا۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

حدیث میں بھی اگرچہ امام محمد نے چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں لیکن ان کا اصل موضوع فقہ ہے، اور اس سلسلے میں انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ امام محمد کی فقہی تصنیفات کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ ایک ظاہر الروایۃ اور دوسری نوادر۔ ظاہر الروایۃ امام محمد کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں تواتر سے ثابت ہے کہ امام محمد کی تصانیف میں یہ چھ کتابیں ہیں۔ مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر۔ اور نوادر امام محمد کی ان تصانیف کو کہا جاتا ہے جن کا امام محمد کی طرف منسوب ہونا تواتر سے ثابت نہیں۔

(۴ تا ۹) کتب ستہ ظاہر الروایہ

(۴) الجامع الکبیر۔ (۵) الجامع الصغیر۔ (۶) السیر الصغیر۔ (۷) السیر الکبیر (۸) زیادات۔
(۹) کتاب الاصل: (مبسوط)

ان تمام کتابوں کی کی تفصیل ''طبقات کتب'' کے عنوان سے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر کتب:

ظاہر الروایۃ کے علاوہ امام محمد نے فقہ کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کا احصاء

مشکل ہے۔ چند کتابوں کا ذکر ہم ہدایۃ العارفین کے حوالے سے کررہے ہیں۔

(۱)الاحتجاج علی مالک	(۲)الاکتساب فی الرزق المستطاب	(۳)الجرجانیات
(۴)الرقیات فی المسائل	(۵)عقائد الشیبانیہ	(۶)کتاب الاصل فی الفروع
(۷)کتاب الاکراہ	(۸)کتاب الحیل	(۹)کتاب السجلات
(۱۰)کتاب الشروط	(۱۱)کتاب الکسب	(۱۲)کتاب النوادر
(۱۳)الکیسانیات	(۱۴)مناسک الحج	(۱۵)انوار الصیام
(۱۶)الہارونیات	اور بہت سی کتابیں	

سانحہ وصال:

امام محمد نے اٹھاون سال عمر گزاری اور عمر کا بیشتر حصہ فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گذارا۔ جب دوبارہ عہدۂ قضا پر بحال ہوئے اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تو ان کو ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے ساتھ سفر پر لے گیا، وہاں رے کے اندر نبویہ نامی ایک بستی میں آپ کا وصال ہوگیا۔ اسی سفر میں ہارون کے ساتھ نحو کے مشہور امام کسائی بھی تھے اور اتفاق سے اسی دن یا دو دن بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ ہارون الرشید کو ان دونوں ائمہ فن کے وصال کا بے حد ملال ہوا اور اس نے افسوس سے کہا آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو ''رے'' میں دفن کردیا۔

روایت ہے کہ بعد وصال کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا نزع کے وقت کیا حال تھا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر غور کررہا تھا، مجھ کو روح نکلنے کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔

خطیب بغدادی نے امام محمد کے تذکرہ کے اخیر میں ''محمویہ'' نامی ایک بہت بڑے بزرگ جن کا شمار ابدال میں کیا جاتا ہے، سے ایک روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے محمد بن حسن کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا: اے ابوعبداللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ نے مجھ سے فرمایا: اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم نہ عطا کرتا، میں نے پوچھا اور ابو یوسف کا کیا حال ہے فرمایا: مجھ سے بلند درجہ میں ہیں۔ پوچھا اور ابوحنیفہ؟ کہا: وہ ہم سے بہت زیادہ بلند درجوں پر فائز ہیں۔

(۶) امام داؤد طائی

نام ونسب: نام، داؤد۔ کنیت، ابوسفیان۔ والد کا نام نصیر ہے۔ طائی کوفی ہیں اور فقیہ زاہد

کے لقب سے مشہور ہیں۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کی درسگاہ میں داخل ہوئے اور بیس سال تک اکتساب علم میں مشغول رہے۔ ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

عبادت وریاضت:

حدیث وفقہ حاصل کرنے کے بعد تارک الدنیا ہو گئے تھے، اہل تصوف میں سید السادات اور بے مثل صوفی مانے گئے ہیں۔ حضرت حبیب بن سلیم راعی سے بیعت ہوئے، پوری زندگی نہایت سادگی کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں گزاری، زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ وراثت میں بیس دینار ملے تھے جنکو بیس سال میں خرچ کیا۔

عطا بن مسلم کہتے ہیں:

ہم جب آپ کے مکان پر آپ سے ملاقات کے لئے گئے تو انکے یہاں بچھانے کے لئے ایک چٹائی، تکیہ کے لئے ایک اینٹ، ایک تھیلا جس میں خشک روٹی کے چند ٹکڑے اور وضو کے لئے ایک لوٹا تھا۔

اساتذہ:

امام اعظم ابوحنیفہ، عبد الملک بن عمیر، اسمعیل بن خالد، حمید الطّویل، سعد بن سعید انصاری، ابن ابی لیلی، امام اعمش۔

تلامذہ:

عبد اللہ بن ادریس، سفیان بن عیینہ، ابن علیہ، مصعب بن مقدام، اسحاق بن منصور سلولی، امام وکیع، ابونعیم، وغیرہم،۔

وصال:

ایک دن ایک صالح شخص نے خواب دیکھا کہ آپ دوڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: ابھی ابھی قید خانہ سے چھٹکارا پا کر آرہا ہوں، وہ صالح شخص بیدار ہوا تو اسے پتہ چلا کہ حضرت امام داؤد طائی وصال فرما چکے ہیں۔

ابونعیم نے آپ کا سنہ وصال ۱۶۰ ہجری بیان کیا ہے۔ لیکن ابن نمیر نے کہا کہ آپ کا وصال ۱۶۵ھ میں ہوا۔

زیب عالم (۱٦۵) مادۂ تاریخ سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۷) فضیل بن عیاض

نام ونسب: نام، فضیل۔ والد کا نام، عیاض۔ کنیت ابوعلی ہے تیمی یربوعی خراسانی ہیں۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ یونہی گزرا اور پھر جوانی کے عالم میں امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوکر تعلیم پائی۔ دیگر محدثین سے علم حدیث حاصل کیا اور مسند حدیث بند کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور بیت اللہ شریف کی مجاورت اختیار فرمائی۔

واقعہ توبہ:

فضل بن موسی آپکی نوجوانی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ ابیورد اور سرخس کے درمیان راستہ میں ڈاکہ زنی کرتے تھے، جس سے لوگوں میں نہایت خوف وہراس کا ماحول پیدا ہوگیا تھا۔

کسی لڑکی پر اسی دوران عاشق ہوگئے، رات کو دیوار پر چڑھ کر اس کے گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ کسی طرف سے تلاوت قرآن کی آواز آئی، اتفاق سے اس وقت کوئی شخص اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا: ﴿ الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ ﴾

کیا ابھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ انکے دل خشیت ربانی اور ذکر الٰہی سے معمور ہوں۔

یہ آیت سنتے ہی اتر آئے اور بارگاہ خداوند قدوس میں عرض کیا:

یا رب! قدان۔

اے رب! اب وہ وقت آگیا۔

رات ایک ویرانہ میں گزار دی، وہاں آپنے ایک قافلہ کے لوگوں کی گفتگو سنی، کوئی کہہ رہا تھا، ابھی یہاں سے کوچ کرنا چاہیے، دوسرا بولا؛ نہیں صبح تک یہیں ٹھہرو، اس علاقہ میں فضیل ڈاکو پھرتا ہے۔

خود واقعہ بیان کرکے فرماتے تھے، میں نے دل میں کہا: لوگ مجھ سے اتنے خوف زدہ ہیں اور میں راتوں کو معاصی میں مبتلا رہتا ہوں۔ فوراً تائب ہوا اور واپس آیا۔

اس کے بعد شب بیداری، گریہ وزاری آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ بدن پر دو کپڑوں کے علاوہ سامان دنیا نہیں رکھتے تھے، آپ کے فضائل ومناقب سے یہ بھی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے

احادیث روایت کی ہیں۔ثقہ صدوق صالح اور حجت تھے،محدثین آپ کی جلالت شان پر متفق ہیں۔

اساتذہ:

امام اعظم ابوحنیفہ، امام اعمش ،منصور،عبید اللہ بن عمر، ہشام بن حسان ، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن اسحاق،لیث بن ابی سلیم،امام جعفر بن محمد صادق،اسمٰعیل بن خالد،سفیان بن عیینہ، بیان بن بشر، وغیرہم۔

تلامذہ:

امام سفیان ثوری، یہ استاذ بھی ہیں۔سفیان بن عیینہ،عبداللہ بن مبارک، یحیی بن سعید قطان،عبد الرزاق،حسین بن علی الجعفی ،وغیرہم۔

فضائل:

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیز گار تھے۔میرے نزدیک آپ سے زیادہ فضیلت والا اب روے زمین پر کوئی دوسرا نہیں۔

عبیداللہ بن عمر قواریری نے کہا:

جن مشائخ کو میں نے دیکھا آپ کو سب سے افضل پایا۔

خلیفہ ہارون رشید کہتے ہیں:

امام مالک سے زیادخشیت الٰہی والا،اور فضیل بن عیاض سے زیادہ تقوی والا میں نے علماء میں نہیں دیکھا۔

وصال:

۱۸۷ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا،امام عادل (۱۸۷) مادۂ تاریخ ہے۔(۷)

(۸) ابراہیم بن ادہم

نام ونسب: نام،ابراہیم۔والد کا نام،ادہم۔اوردادا کا نام منصور ہے۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل

کی۔ساتھ ہی دوسرے محدثین وفقہاء کی خدمت میں بھی حاضر رہے اور پھر مسند درس وتدریس کو زینت بخشی۔

شیخ المشائخ حضرت داتا گنج بخش ہجویری فرماتے ہیں:

آپ اپنے زمانہ کے یگانہ عارف باللہ اور سید اقران گزرے ہیں، آپ کی بیعت حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم سے تھی۔آخر عمر میں درس وتدریس سے کنارہ کش ہوکر ہمہ تن عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں غیر مسلم زمرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور سینکڑوں گناہگار مسلمان آپ کے ہاتھ پر تائب ہوکر مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے۔آپ نہایت صابر وشاکر اور متقی و سخی تھے۔

وصال:

آپ مجاہدین اسلام کے ساتھ لشکر میں شامل ہوکر جہاد کے لئے بلاد روم میں تشریف لے گئے اور یہاں ہی ۱۶۲ھ میں وصال فرمایا۔

اساتذہ:

امام اعظم ابوحنیفہ، یحیی بن سعید انصاری، سعید بن مرزبان، مقاتل بن حبان، وغیرہم۔

تلامذہ:

امام سفیان ثوری، ابراہیم بن بشار، بقیہ بن ولید، شفیق بلخی، اوزاعی، وغیرہ۔محدثین آپ کو ثقہ و مامون کہتے ہیں۔(۸)

(۹) بشر بن الحارث

نام ونسب: نام، بشر۔کنیت ابونصر، والد کا نام، حارث۔اور دادا کا نام عبدالرحمٰن بن عطا بن ہلال مروزی ہے۔زاہد وعارف باللہ تھے اور حافی لقب سے مشہور ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

اصل وطن آپ کا مرو ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ طے کیا، پھر دوسرے محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کرنے کے بعد زہد وتصوف کی طرف مائل ہوئے، مجاہدات وریاضات میں بلند شان کے حامل تھے۔اعمال واخلاص میں حظ تام رکھتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض کے خاص صحبت یافتہ تھے، اپنے ماموں علی بن خشرم سے مرید تھے، اور

علم اصول وفروغ میں یکتا و بے مثال تھے۔علوم وفنون کی تحصیل کے بعد مستقل بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

اساتذہ:

امام اعظم ابوحنیفہ،حماد بن زید، ابراہیم بن سعد، فضیل بن عیاض، امام مالک، ابوبکر بن عیاش، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم،

تلامذہ:

امام احمد بن حنبل، ابراہیم حربی، ابراہیم بن ہانی، محمد بن حاتم، ابوحیثمہ وغیرہم۔

وصال: ۲۲۷ھ کو بغداد میں وصال ہوا۔

(۱۰)شفیق بلخی

نام ونسب: نام،شفیق۔کنیت،ابوعلی، والد کا نام، ابراہیم ہے۔ازدی بلخی ہیں۔

اساتذہ:

امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام ابو یوسف وامام زفر کی صحبت حاصل رہی۔

حضرت اسرائیل بن یونس اور عباد بن کثیر سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ان کے علاوہ خود آپ نے اپنے اساتذہ کی تعداد (۱۷۰۰) بتائی ہے۔

تلامذہ:

حضرت حاتم اصم، محمد بن ابان بلخی اور ابن مردویہ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔

زہد وریاضت:

آپ نے جس وقت توکل وقناعت کے میدان میں قدم رکھا تو آپ کے پاس تین سو گاؤں کی زمینداری تھی، لہذا سب فقراء میں تقسیم کردیئے حتی کی بوقت وصال کفن کیلئے بھی کچھ نہ تھا۔ایک مدت تک حضرت ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہے اور طریقت کا علم حاصل کیا۔

وصال:

ختلان، ترکستان جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۹۴ میں یہاں شہادت پائی۔نجم اہل دنیا

۱۹۴، آپکی تاریخ وفات ہے۔

(۱۱)اسد بن عمرو

نام ونسب: نام، اسد۔ اور والد کا نام عمرو ہے۔ آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے ان چالیس تلامذہ میں سے ہیں جو کتب وقواعد فقہ کی تدوین میں مشغول رہے، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام داؤد طائی وغیرہم کی طرح اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔

تیس سال تک امام اعظم کے لئے کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

عہدہ قضا:

امام ابو یوسف کے وصال کے بعد ہارون الرشید نے بغداد اور واسط کا قاضی مقرر کیا اور اپنی بیٹی کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔

کچھ مدت کے بعد آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، آنکھوں سے معذور ہو جانے کی وجہ سے عہدہ قضا چھوڑ دیا تھا۔

تلامذہ:

امام احمد بن حنبل، محمد بن بکار، اور احمد بن منیع آپ کے مشہور تلامذہ میں ہیں۔ ۱۹۰ھ یا ۱۸۸ھ میں وصال ہوا۔

(۱۲)وکیع بن الجراح

نام ونسب: نام، وکیع۔ کنیت، ابوسفیان۔ والد کا نام، جراح بن ملیح ہے۔ کوفی اور حافظ حدیث ہیں۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم کی بارگاہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور اعلی مقام حاصل کیا۔

دوسرے محدثین وفقہاء سے بھی اکتساب علم کیا، آپ کے شیوخ واساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے۔ چند مشاہیر یہ ہیں:

اساتذہ:

آپ کے والد جراح بن ملیح، اسمعیل بن ابی خالد، عکرمہ بن عمار، ہشام بن عروہ، سلیمان بن

مہران اعمش، جریر بن حازم، عبداللہ بن سعید بن ابی ہند، معروف بن خربوذ، ابن عون، عیسی بن طہمان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب، بدر بن عثمان، ابن جریج، امام اوزاعی، امام مالک، اسامہ بن زید لیثی، سفیان ثوری، شعبہ، ابن ابی لیلی، حماد بن سلمہ، وغیرہم۔

تلامذہ:

تلامذہ کی تعداد بھی بہت ہے، چند یہ ہیں:

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، ابوحیثمہ حمیدی، قعنبی، علی بن خشرم، مسدد، محمد بن سلام، یحیی بن یحیی نیشاپوری، محمد بن صباح دولابی، وغیرہم۔

علم وفضل:

محدثین آپ کی جلالت علمی پر متفق ہیں، امام احمد بن حنبل کا ایک مرتبہ امام دوری سے کسی حدیث پر مذاکرہ ہورہا ہے تھا، امام احمد نے پوچھا؟ آپ یہ حدیث کس سے روایت کرتے ہیں، بولے: شبابہ سے، فرمایا: میں یہ حدیث اس امام عالی شان سے روایت کرتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں نے ان کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یعنی امام وکیع سے۔ آپ اپنے دور میں امام المسلمین تھے۔ یحیی بن معین کہتے ہیں:

میں نے وکیع سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

نوح بن حبیب کہتے ہیں:

میں نے ثوری، معمر اور امام مالک کو دیکھا ہے لیکن امام وکیع کی طرح میں نے کسی کو نہ پایا۔

یحیی بن اکثم نے کہا:

میں نے امام وکیع کو سفر وحضر میں دیکھا، آپ ہمیشہ روزہ دار رہتے اور رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے۔

وصال:

آپ نے ۷۰ سال کی عمر پاکر ۱۹۷ھ میں وصال فرمایا۔ کعبۂ اہل دین مادہ تاریخ وصال ہے۔

(۱۳) یحییٰ بن سعید قطان

نام ونسب: نام، یحیی۔ کنیت، ابوسعید۔ والد کا نام، سعید بن فروخ ہے۔ تیمی بصری ہیں اور قطان سے مشہور ہیں۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی ،اور تدوین فقہ کی مجلس میں رکن رکین کی حیثیت کے حامل رہے،نقد رجال حدیث میں خوب نام کمایا اورمشہور نقادان رجال کے استاد ہوئے۔

آپ کے درس حدیث کا وقت عصر سے مغرب تک تھا،نماز عصر کے بعد منارہ مسجد سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے اور سامنے امام احمد بن حنبل،علی بن مدینی، یحیی بن معین،اور عمرو بن خالد جیسے ائمہ فن کھڑے ہو کر درس حدیث لیتے،مغرب تک نہ وہ کسی سے بیٹھنے کو کہتے اور نہ کسی کی جرأت ہوتی۔

فن رجال میں سب سے پہلے انہوں نے لکھا، پھر انکے تلامذہ نے ،اور پھر ان کے تلامذہ امام بخاری وامام مسلم وغیرہ نے قلم اٹھایا۔

ائمہ حدیث کا قول ہے کہ جسکو یحیی قطان چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔اس فضل و کمال کے باوجود ہمیشہ امام اعظم کی شاگردی پر فخر فرماتے۔

امام احمد فرماتے ہیں:

میں نے یحییٰ بن سعید قطان کا مثل نہیں دیکھا۔

علی بن مدینی فرماتے ہیں:

فن رجال میں یحییٰ قطان جیسا میں نے کوئی نہ دیکھا،

بندار کہتے ہیں:

میں بیس سال تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا، میں نے کبھی آپ کو گناہ کرتے نہیں دیکھا۔

کثیر محدثین آپکی مدح وستائش میں رطب اللسان ہیں اور آپ کو ثقہ،ثبت حجت،اور مامون کہتے ہیں۔

اساتذہ:

امام اعظم ابو حنیفہ،سلیمان تیمی ،حمید الطّویل،اسمعیل بن ابی خالد،عبید اللہ بن عمرو، ہشام بن عروہ ، بہز بن حکیم،امام مالک،امام اوزاعی،امام شعبہ،امام سفیان ثوری،عثمان بن غیاث، فضیل بن غزوان،قرہ بن خالد،وغیرہم۔

وصال: اٹھتر (۷۸) برس کی عمر پا کر ۱۹۸ھ میں وصال ہوا۔

(۱۴)حفص بن غیاث

نام ونسب: نام،حفص۔کنیت،ابوعمر۔والد کا نام غیاث بن طلق بن معاوہ بن مالک بن حارث بن ثعلب ہے۔نخعی کوفی ہیں۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے،ممتاز فضلاء اصحاب میں شمار ہوتے ہیں اور تسوید فقہ حنفی میں نمایاں رول ادا کیا۔امام اعظم سے مسانید امام میں بکثرت احادیث روایت کرتے ہیں۔

امام اعظم نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور دافع غم فرمایا تھا یہ بھی انہیں میں سے ایک ہیں۔

محدثین آپ کو ثقہ مانتے ہیں،زہد وریاضت کا یہ عالم تھا کہ جس دن آپ کا وصال ہوا تو آپکی ملکیت میں ایک درہم بھی نہ تھا۔آپ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے۔

وصال:

آپ کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۹۴ھ میں وصال ہوا۔

اساتذہ:

آپ کے دادا طلق بن معاویہ،امام اعظم ابوحنیفہ،اسمعیل بن ابی خالد،ابو مالک اشجعی،سلیمان تیمی،عاصم احول،یحیی بن سعید انصاری،ہشام بن عروہ،امام اعمش،امام ثوری،امام جعفر صادق،ابن جریج،وغیرہم۔

تلامذہ:

امام احمد بن حنبل،اسحاق،ابن ابی شیبہ،یحییٰ بن معین،ابونعیم،علی بن مدینی،یحییٰ قطان،وغیرہم۔

(۱۵)فضل ابن موسیٰ

اساتذہ:

اسماعیل بن ابوخالد اعمش۔ہشام بن عروہ۔عبیداللہ بن عمرو۔عبداللہ بن عمر۔طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ۔عبداللہ بن سعید بن ابی ہند۔عبدالحمید بن جعفر۔حنظلہ بن ابی سفیان۔جعد بن عبدالرحمٰن۔داؤد بن ابی ہند۔حسین بن ذکوان معلم۔عبدالمومن بن خالد حنفی۔حسین بن واقد۔خیثم بن عراک۔سعید بن عبیر

الطائی۔فضیل بن غزوان ۔ابوحمزہ سکری۔معمر بن راشد۔محمد بن عمرو بن علقمہ۔یونس بن ابی اسحاق۔امام شریک۔شیخ قاضی وغیرہم۔

تلامذہ:

اسحاق بن راہویہ۔ابراہیم بن موسیٰ رازی۔ابوعمار حسین بن حریث ۔یوسف بن عیسیٰ مروزی۔ معاذ بن اسد۔محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ۔جارود بن معاذ ترمذی۔یحیٰ بن اکثم ۔محمود بن غیلان ۔محمود بن سلیمان بلخی۔وغیرہم۔

احوال:

ابن معین وابن سعداورابوحاتم نے آپ کوصدوق صالح کہا۔

علی بن خشرم کہتے ہیں: میں نے امام وکیع سے پوچھا آپ کے بارے میں تو امام وکیع نے فرمایا: میں ان کوثقہ صاحب سند جانتا ہوں۔

انباری ابونعیم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ابن مبارک سے اثبت تھے اور ابن حبان نے ثقات میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

ولادت:

۱۱۵ھ میں ہوئی۔ **وفات:** ۱۹۱ھ یا ۱۹۲ھ میں ہوئی۔

(تہذیب التہذیب:۴/ ۴۷۷،۴۷۸)

(۱۶)امام عبدالحمید بن عبدالرحمٰن

نام ونسب: نام:عبدالحمید، والد کا نام:عبدالرحمٰن، کنیت:ابوعمر

سلسلہ نسب:

عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب عدوی ابوعمر مدنی۔

آپ کی والدہ بنی بکاء بن عامر سے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آپ کوکوفہ کا عامل بنایا تھا۔

اساتذہ:

آپ کے والد حضرت عبدالرحمٰن، حضرت ابن عباس، حضرت محمد بن سعد ابن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل، حضرت مسلم ابن یسار جہنی، حضرت مقسم مولیٰ ابن عباس، حضرت مکحول شامی، حضرت حفصہ زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرسلا روایت کرتے ہیں، حضرت عون ابن مالک اشجعی۔

تلامذہ:

آپ کے صاحبزادگان حضرت زید اور حضرت عبد الکبیر اور حضرت عمر، حضرت امام زھری، حضرت قتادہ، حضرت زید ابن ابی انیسہ، حضرت حکم ابن عنیبۃ، ان کے علاوہ اور بھی آپ کے تلامذہ ہیں۔

حضرت زبیر ابن بکار کہتے ہیں: حضرت ابوزناد حضرت عبد الحمید ابن عبد الرحمٰن کے کاتب تھے۔ امام عجلی اور امام نسائی اور حضرت ابن خراش کہتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔

حضرت ابوبکر ابن ابی داؤد کہتے ہیں: آپ ثقہ مامون ہیں۔

حضرت ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت اسحاق ابن زید خطابی کہتے ہیں: آپ نے مقام نجران میں حضرت ہشام کے دور خلافت میں وفات پائی۔

یہی طبقات میں حضرت خلیفہ بھی کہتے ہیں: (تہذیب التہذیب:۳/۳۰۹)

(۱۷) امام عبداللہ بن ادریس کوفی

نام: عبداللہ، والد کا نام: حضرت ادریس، کنیت: ابومحمد

سلسلہ نسب:

عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبد الرحمٰن بن الأسود اودی زعافری ابومحمد کوفی۔

اساتذہ:

آپ کے والد حضرت ادریس، آپ کے چچا حضرت داؤد، حضرت امام اعمش، حضرت منصور، حضرت عبیداللہ بن عمر، حضرت اسماعیل ابن ابوخالد، حضرت ابومالک اشجعی، حضرت داؤد بن اُبی ہند، حضرت عاصم ابن کلیب، حضرت جریج، حضرت ابن عجلان، حضرت ابن اسحاق، حضرت مختار بن فلفل، حضرت ہشام ابن عروہ، یحییٰ ابن سعید انصاری، حضرت مالک، حضرت برید، حضرت ابن ابی بردہ، حضرت حسن ابن عبیداللہ نخعی، حضرت حسن ابن فرات، حضرت حسین بن عبد الرحمٰن، حضرت ربیعہ ابن عثمان، حضرت شعبہ، حضرت لیث ابن ابی مصیم، حضرت ابی حیان تیمی، حضرت یزید بن ابی زیاد، اور بھی ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ ہیں۔

تلامذہ:

حضرت مالک ابن انس، اور یہ ان کے شیوخ میں بھی ہیں، حضرت ابن مبارک۔ ان کی وفات

آپ سے قبل ہوئی، حضرت یحییٰ ابن آدم، حضرت احمد بن حنبل۔ حضرت یحییٰ ابن معین، اسحاق ابن رہویہ، حضرت ابو شیبہ، حضرت حسن ابن ربیع بجلی، حضرت خیثمہ، حضرت ابوسعید اشج، حضرت عمرو ناقد، حضرت محمد بن عبداللہ بن نمیر، حضرت ابوکریب، حضرت موسیٰ محمد بن مثنیٰ، حضرت یوسف ابن بھلول تیمی، حضرت حسن بن عرفہ، حضرت احمد بن عبدالجبار عطاردی، وغیرہم۔

حالات:

حضرت عثمان دارمی کہتے ہیں: میں نے ابن معین سے کہا کہ ابن ادریس ان سے زیادہ پسندیدہ ہیں؟ کہتے ہیں کہ یہ دونوں ثقہ ہیں مگر ابن ادریس ان سے زیادہ بلند و بالا ہیں اور ہر چیز میں ثقہ ہیں۔

حضرت یعقوب ابن شیبہ کہتے ہیں: آپ بہت عظیم عابد تھے، اور فاضل جلیل بھی۔

حضرت بشر ابن حارث کہتے ہیں: آپ کے علاوہ کسی نے بھی ماء فرات نہیں پیا۔

حضرت حسن ابن عرفہ کہتے ہیں: میں نے کوفہ میں آپ سے بڑھ کر افضل کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت ابن مدینی کہتے ہیں: حضرت عبداللہ ابن ادریس کو حدیث کے سلسلہ میں اپنے والد پر فوقیت حاصل ہے۔

حضرت جعفر فریابی کہتے ہیں: میں نے ابن نمیر سے حضرت عبداللہ ابن ادریس اور حضرت حفص کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت حفص حدیث کے سلسلہ میں زیادہ قوی ہیں لیکن عبداللہ ابن ادریس ایسے شخص ہیں جو کچھ بھی ان کی زبان سے نکلتا اس کو اپنے ذہن میں ثبت کر لیتے اور اسے محفوظ کر لیتے تو میں نے کہا کہ ابن ادریس کی طرح کوئی سنت کا جاننے والا نہیں۔

حضرت ابن عمار کہتے ہیں: آپ اللہ تعالیٰ کے نیک اور پرہیزگار بندے تھے۔

حضرت ابو حاتم کہتے ہیں: آپ حجت تھے، ان کی مرویہ احادیث سے استدلال صحیح ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں: آپ ثقہ، ثبت ہیں۔

احمد ابن جواس کہتے ہیں: میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔

امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں: آپ نے ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

کہتے ہیں کہ آپ ثقہ مامون کثیر الحدیث ہیں۔ صاحب سنت و جماعت کے لیے حجت ہیں۔

ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابن خراش بھی کہتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔

امام عجلی کہتے ہیں: آپ ثقہ ثبت، صاحب سنت، متقی اور نیک ہیں۔ اور عثمانی بھی ہیں۔

امام خلیل کہتے ہیں: آپ ثقہ ہیں متفق علیہ۔
امام ساجی کہتے ہیں: میں نے ابن المثنیٰ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے کوفہ میں آپ سے زیادہ فضیلت والا شخص کسی کو نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب:۳۰/۹۱،۹۲)

(۱۸) حسن بن زیاد

نام ونسب:

نام حسن بن زیاد لولوٴی، آپ بغداد کے باشندے تھے لیکن آپ کا اصل وطن کوفہ تھا۔ آپ کی کنیت ابوعلی ہے، لوٴلوی آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے بزرگوں میں کوئی شخص مروارید (لولو) بیچا کرتا تھا۔

تعلیم وتربیت:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر یکے بعد دیگرے امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ فرمایا۔ آپ امام اعظم کے شاگردوں میں بڑے بیدار مغز، دانش مند فقیہ تھے، یہاں تک یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ تر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ جب آپ تیس سال کے ہوئے تو آپ نے علم فقہ پڑھنا شروع کیا اور چالیس سال تک اسی میں مشغول رہے، چنانچہ اس عرصہ میں آپ نے اچھی طرح بستر پر پیٹھ نہ رکھی۔ چالیس سال آپ نے فتویٰ دینے میں صرف کیے۔

تحصیل علوم کے بعد آپ مسند افتا پر متمکن ہوئے، پھر حضرت حفص بن غیاث کی وفات کے بعد ۱۹۴ھ میں قاضی القضاۃ کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ لیکن پھر آپ اس سے مستغنی ہو گئے۔ جس کا واقعہ بہت عجیب وغریب ہے، علامہ خطیب بغدادی رقم طراز ہیں:

”جب آپ نے عہدۂ قضا کو سنبھالا اور اس کی انجام دہی کی خاطر جب بھی بیٹھتے من جانب اللہ آپ مسئلہ بھول جاتے تو شاگردوں سے دریافت کرتے لیکن جب قیام گاہ پر واپس آتے تو وہ مسائل آپ کو یاد آ جاتے، اسی وجہ سے آپ نے عہدۂ قضا سے استعفیٰ دے دیا“۔ [تاریخ بغداد:۱/۳۲۵]

فضائل ومناقب:

حضرت احمد بن عبدالحمید حارثی فرماتے ہیں: ”مارأیت أحسن خلقا من الحسن بن زیاد، ولا أقرب ماخذاً، ولا اسهل جانباً“۔ [تاریخ بغداد:۱/۳۱۵]

آپ خود فرماتے تھے کہ میں نے اپنے مشائخ سے سن کر تقریباً بارہ ہزار احادیث ایسی نقل کیں

جن کی فقہائے کرام کو ضرورت تھی۔[اولیا رجال الاحادیث،۹۴]

آپ علم فقہ میں ماہر ہونے کے باوجود بلند پایہ محدث بھی تھے اور علم قراءت اور اس کے طرق کے بھی بڑے عالم تھے اور قراءت کا وہ طریقہ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے وہ آپ پر منتہی ہوا۔ [حدائق الحنفیہ :ص۱۶۳]

تلامذہ:

آپ سے محمد بن سماعہ، محمد شجاع ثلجی اور شعیب بن ایوب حریفی وغیرہم نے اکتساب فیض کیا۔

تصنیفات:

آپ نے امام اعظم کے مذہب پر کتابیں بھی تصنیف کیں لیکن آپ کی تصانیف کو وہ درجہ اور قبول عام حاصل نہ ہوا جو دوسرے ائمہ کی کتابوں کو حاصل تھا۔

علامہ طحاوی فرماتے ہیں:"حسن بن زیاد امام اعظم کی کتاب"المجرد" کے راوی ہیں۔ نیز انہوں نے یہ کتابیں تصنیف کیں، کتاب القاضی، کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا"۔[حضرت امام ابوحنیفہ ص:۳۸۷]

وفات:

آپ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی، اسی سال امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی وفات ہوئی۔ آپ کی تاریخ وفات "جلال علم" ہے۔

(۱۹) مسعر بن کدام

نام ونسب:

مسعر بن کدام ہلالی کوفی، ابوسلمہ کنیت تھی، طبقہ کبار تبع تابعین سے حافظ احادیث اور فاضل معتمد تھے۔

فضائل ومناقب:

امام ابوحنیفہ، عطا اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے سفیان ثوری نے روایت کی، آپ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے اور خدا کے درمیان امام ابوحنیفہ کو گردان لیا میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بے خوف ہو گیا اور اس کو اپنے لیے احتیاط میں نقصان نہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ جب سفیان ثوری اور شعبہ کسی بات میں اختلاف کرتے تھے تو کہتے تھے کہ آؤ ہم مسعر بن کدام کی طرف چلیں جو ہمارے فیصلہ کے لیے کافی ہیں۔ نووی نے شرح صحیح مسلم میں

لکھا ہے کہ آپ سفیان ثوری اور بن عیینہ کے (جو مجتہد اور استاد المحدثین ہیں) کے استاذ ہیں، آپ کی جلالت اور حفظ واتقان متفق علیہ ہے۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی۔ [حدائق الحنفیہ: ص۱۳۴]

وصال پرملال:

آپ کی وفات ۱۵۳ھ یا ۱۱۵ھ میں ہوئی۔ ''نجم جہاں'' آپ کی تاریخ وفات ہے۔

(۲۰) نوح بن دراج نخعی کوفی

نام ونسب: نوح بن دراج نخعی کوفی، کنیت ابومحمد

حالات:

فقہ میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے اور امام زفر اور ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی فقہ اخذ کیا۔ حدیث کی روایت امام زفر و امام اعمش اور سعید بن منصور سے کرتے تھے اگرچہ حدیث میں آپ کو ابن معین نے مکذب بیان کیا ہے مگر تاہم ابن ماجہ نے تفسیر میں آپ سے تخریج کی ہے۔ ابتدا میں آپ کوفہ کے قاضی تھے۔ پھر بغداد کے قاضی ہوئے۔ ۱۸۲ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

(۲۱) یحییٰ بن زکریا

نام ونسب: امام یحییٰ بن زکریا، کنیت آپ کی ابوسعید تھی۔

فضائل ومناقب:

آپ حافظ احادیث اور فقیہ ثقہ، متدین، متورع، متقن اور ان فضلا میں شمار کیے جاتے تھے جنہوں نے فقہ وحدیث کو جمع کیا۔

امام ابوحنیفہ کے جو چالیس اصحاب تدوین فقہ میں مشغول تھے ان میں سے آپ عشرۂ متقدمین میں داخل تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابن عباس کے زمانے میں علم ابن عباس پر منتہی ہوا، پھر شعبی پھر ثوری پھر یحییٰ بن زکریا پر ان کے عہد پر منتہی ہوا۔ ہارون رشید نے آپ کو مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا۔ علاوہ دیگر کتب کے ایک مسند بھی آپ نے جمع کی اور ترانوے سال کی عمر پا کر ۱۸۴ھ میں شہر مدائن میں وفات پائی۔ سال وفات آپ کا لفظ ''یگانۂ زمان'' ہے۔

(۲۲) سفیان بن عیینہ

نام ونسب: سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون الہلالی الکوفی، ابومحمد کنیت تھی۔

محدث، ثقہ، حافظ، فقیہ، امام اور حجت ہیں۔ کوفہ میں ۱۵ر شعبان المعظم ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت

آپ کے والد آپ کو مکہ معظّمہ میں لے گئے۔ ابھی بیس سال کی عمر کو نہ پہنچے تھے کہ پھر کوفہ میں آئے اور امام ابوحنیفہ کے پاس تحصیل علم حدیث کے لیے بیٹھے اور ان سے روایت کی۔

امام ابوحنیفہ ہی نے آپ کو درس حدیث کے لیے جامع مسجد میں پہلے پہل بٹھایا تھا۔

آپ ہی کا قول ہے کہ پہلے پہل امام ابوحنیفہ ہی نے مجھ کو محدث بنایا ہے۔

اساتذہ:

عمرو بن دینار، امام زہری، زیاد بن علاقہ، ابواسحاق سبیعی، اسود بن قیس، زید بن اسلم، عبداللہ بن دینار، محمد بن المنکدر، منصور بن معتمر، قاری امام عاصم، اعمش، عبدالملک بن عمیر۔

تلامذہ:

ابن مبارک، ابن مہدی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، احمد بن صالح زعفرانی، علی بن حرب، محمد بن عیسیٰ بن حیان مدائنی، زکریا بن یحییٰ مروزی، حزم بن سنان رملی، محمد بن اسحاق، زہیر بن بکار، عبدالرزاق بن ہمام، یحییٰ بن اکثم۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر آپ اور امام مالک نہ ہوتے تو حجاز سے علم چلا جاتا، اور یہ بھی انہوں نے کہا کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس میں مثل آپ کے فتویٰ دینے کا مادہ موجود ہے۔

آپ نے ستر مرتبہ حج کیا اور شنبہ کے روز اخیر تاریخ جمادی الاخریٰ اور بقول بعض یکم رجب ۱۹۸ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی اور کوہ حجون کے پاس مدفون ہوئے۔ ’’کعبۂ اہل دنیا‘‘ آپ کی تاریخ وفات ہے۔ [حدائق الحنفیہ :ص ۱۵۹و۱۶۰]

(۲۳) خالد بن سلیمان

حالات:

امام اعظم کے تلامذہ میں سے اہل بلخ کے امام اور من جملہ ان اصحاب کے تھے جن کو امام موصوف نے فتویٰ دینے کے لیے معدود کیا تھا۔ کنیت آپ کی ابو معاذ تھی۔ روایت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے کرتے تھے، چوراسی سال کے ہو کر جمعہ کے روز ۲۶ر ماہ محرم الحرام ۱۹۹ھ میں اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف منتقل ہوئے۔ ’’زین اسلام‘‘ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

(۲۴) عمرو بن دار

مناقب:

عمرو بن دار اپنے وقت کے امام، عالم، ناصح، واعظ، فقیہ جید محدث مقبول تھے۔ فقہ امام ابوحنیفہ سے اخذ کی اور آپ سے امام نے بھی حدیث روایت کی، آپ اکثر وعظ کہا کرتے تھے اور گاہے گاہے امام بھی آپ کی مجلس میں تشریف لاتے تھے۔

(۲۵) زید بن ہارون

نام ونسب:

زید بن ہارون الواسطی: ابوخالد کنیت تھی۔

اپنے زمانہ کے امام کبیر اور محدث ثقہ تھے، حدیث کو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری اور دونوں حمادوں سے سنا اور روایت کیا۔ اور آپ سے یحییٰ بن معین اور ابن مدینی نے روایت کی۔ آپ نماز بڑی آہستگی اور طویل قراءت سے پڑھا کرتے تھے۔ وفات آپ کی ۲۰۵ھ میں ہوئی۔ واسطی آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ شہر واسط کے رہنے والے تھے جو درمیان بغداد اور بصرہ کے واقع ہے اور جہاں کے جنگل کی قلمیں خوبی میں مشہور ومعروف ہیں۔ ''علامہ جہاں'' آپ کی تاریخ وفات ہے۔

(۲۶) عافیہ ابن یزید

یہ امام اعظم کے بہت ہی ممتاز اور لائق وفائق شاگرد تھے، ان سے اکثر معاملات میں امام اعظم صلاح ومشورہ کیا کرتے تھے اور ان کے فیصلہ کو حرف آخر تسلیم کرتے تھے۔ اور بعض فیصلے ان کی صواب دید اور رائے پر چھوڑ دیتے تھے۔

دوسری صدی کے فقہائے احناف

(۲۷) ابراہیم بن میمون مروزی

محدث، صدوق، امام ابوحنیفہ اور عطا سے روایت کرتے تھے۔ امام بخاری نے ان سے معلق روایت کی ہے اور ابوداؤد اور نسائی نے بھی اپنی اپنی سنن میں ان سے تخریج کی ہے۔ مرو میں ان کا انتقال ہوا۔

(۲۸) شریک بن عبداللہ کوفی

امام ابوحنیفہ کی صحبت میں بہت رہے اور امام سے روایت بھی کی ہے۔آپ سے عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید نے روایت کی۔امام مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی۔آپ کو امام ابوحنیفہ نے کثیر العقل کا خطاب عطا فرمایا مگر اخیر عمر میں آپ کا حافظہ بگڑ گیا تھا اور اکثر روایت میں خطا کرنے لگے تھے۔

(۲۹) علی بن مسہر کوفی

ابوالحسن فقیہ محدث صاحب روایت ودرایت اور ثقہ تھے۔حدیث اعمش اور ہشام ابن عروہ سے سنی۔اور آپ سے سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کا علم اور ان کی کتب کو اخذ ونقل کیا۔عرصہ تک آپ موصل کے قاضی تھے۔اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے۔

(۳۰) شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن دمشقی

امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے محدث ثقہ فقیہ جید تھے۔آپ سے شیخین اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے تخریج کی۔

(۳۱) حفص بن عبدالرحمٰن بلخی

امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں محدث صدوق اور افقہ تھے۔آپ نے سفیان ثوری سے بھی روایت کی ہے۔آپ پہلے بغداد کے قاضی تھے۔پھر قضا چھوڑ کر عبادت الٰہی میں مصروف ہوئے۔آپ سے نسائی نے اپنی کتاب میں تخریج کی ہے۔

(۳۲) حماد بن دلیل

ابوزید فقیہ محدث صدوق،امام ابوحنیفہ کے ان بارہ اصحاب میں سے تھے جن کی طرف امام صاحب نے اشادہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ لوگ قضا کی صلاحیت رکھتے ہیں۔حدیث امام ابوحنیفہ اور ثوری اور حسن بن عمارہ سے پڑھی۔مدت تک مدائن کے قاضی رہے۔جب فضیل بن عیاض سے مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ ابوزید سے پوچھ لو۔ابوداؤد نے اپنی سنن میں آپ سے تخریج کی ہو۔

تیسری صدی کے فقہائے احناف

اصحاب امام ابو یوسف و امام محمد

ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوز جانی

فقیہ متبحر محدث حافظ تھے۔ فقہ امام محمد سے اور حدیث عبد اللہ بن مبارک اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے پڑھی۔ آپ ہی استاذ الفقہا ہیں۔

یزید بن ہارون ابو خالد واسطی

اپنے زمانے کے امام کبیر اور محدث ثقہ تھے۔ حدیث امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری سے پڑھی۔ اور آپ سے یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی نے روایت کی۔ آپ شہر واسط کے رہنے والے تھے۔

حسین بن حفص بن فضل ہمدانی اصفہانی

فقیہ جید محدث صدوق تھے۔ آپ نے فقہ امام ابو یوسف سے پڑھی۔ چوں کہ آپ امام ابو حنیفہ کے مذہب ہی پر فتویٰ دیتے تھے اس لیے امام اعظم کی فقہ ملک اصفہان میں آپ ہی کے ذریعہ سے شائع ہوئی۔ مدت تک آپ اصفہان کے قاضی تھے۔ مسلم اور ابن ماجہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

معلیٰ بن منصور ابو یحییٰ رازی

حافظ حدیث فقیہ متورع امام ابو یوسف اور امام محمد کے اصحاب کبار سے تھے۔ حدیث امام مالک، لیث بن سعد، حماد اور ابن عیینہ سے روایت کی۔ آپ سے علی بن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، امام بخاری، ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ صحاح کی کتابوں میں آپ سے بکثرت روایات ہیں۔ اور آپ سے امام ابو یوسف اور امام محمد کی کتابوں اور امالی و نوادر کی روایتیں بھی لوگوں نے بیان کی ہیں۔

ضحاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم شیبانی بصری

امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے محدث ثقہ فقیہ معتمد تھے۔ اور ابو عاصم کنیت رکھتے تھے۔ اصحاب صحاح ستہ نے اپنی اپنی صحاح میں آپ سے تخریج کی۔ نوے (۹۰) سال کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔

خلف بن ایوب بلخی

امام محمد اور امام زفر کے اصحاب میں سے فقیہ محدث عابد زاہد صالح تھے۔ فقہ امام ابو یوسف سے اور حدیث اسرائیل بن یوسف معمر وغیرہ سے پڑھی۔ اور آپ سے امام احمد اور ابو کریب وغیرہ نے روایت کی۔ ترمذی میں آپ سے روایت موجود ہے۔ آپ ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں بہت رہے اور ان سے فیض لیا۔

محمد بن عبد اللہ مثنی بن عبد اللہ بن انس بن مالک انصاری صحابی

امام زفر کے اصحاب میں سے فقیہ محدث ثقہ تھے۔ آپ سے امام احمد اور علی بن مدینی، ائمہ صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔

علی بن معبد بن شداد رقی

امام محمد کے اصحاب میں سے محدث ثقہ مستقیم الحدیث فقیہ حنفی المذہب امام احمد کے طبقے کے تھے۔ حدیث ابن مبارک، امام محمد، امام مالک، امام لیث، امام شافعی، وکیع اور ابن عیینہ وغیرہم سے پڑھی۔ آپ سے یحییٰ بن معین، محمد بن اسحاق، قاسم بن سلام، علی بن معن ابن نوح اور اسحاق بن منصور اور یونس بن عبد الاعلی وغیرہم نے روایت کی ہے۔ ترمذی اور نسائی نے اپنی کتاب میں آپ سے تخریج کی ہے۔

عیسیٰ بن ابان بن صدقہ ابو موسیٰ

حفاظ حدیث میں افقہ تھے، پہلے آپ کو امام محمد کی مجلس درس میں حاضر ہونے سے انکار تھا اور امام محمد کو مخالف حدیث سمجھا کرتے تھے۔ ایک روز محمد بن سماعہ نے زبردستی آپ کو امام محمد کی مجلس میں حاضر کر دیا۔ درس کے بعد امام محمد سے عیسیٰ نے ۲۵ سوال حدیث کے سلسلہ میں پوچھے، امام محمد نے ہر ایک کا جواب مع دلائل وشواہد وناسخ ومنسوخ کے بڑی شرح وبسط کے ساتھ دیا یہاں تک کہ آپ قائل ہو گئے۔ اور چھ ماہ تک امام محمد سے فقہ پڑھی اور آپ سے شیخ طحاوی نے فقہ حاصل کی۔

خزاعی نعیم بن حماد مروزی

محدث صدوق فقیہ فاضل تھے۔ آپ ہی نے پہلے پہل مسند جمع کی اور امام ابو حنیفہ سے وجوبیت وتر کی روایت کی۔ یہ وہی خزاعی ہیں جو امام بخاری اور یحییٰ بن معین کے شیخ ہیں۔ آپ نے بمقام سامرہ بحالت حبس وفات پائی۔

فرخ محدث

ثقہ فقیہ فاضل امام ابو یوسف کے غلام تھے۔آپ نے صغر سنی میں امام ابو حنیفہ کو دیکھا تھا۔اور امام صاحب کے جنازے کی نماز میں شریک تھے،فقہ امام ابو یوسف سے پڑھی۔اور آپ سے امام احمد، یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ اور بغوی نے حدیث روایت کی ہے۔اور آپ سے احمد بن ابی عمران نے فقہ پڑھی ہے اور احمد بن ابی عمران سے امام طحاوی نے فقہ پڑھی۔

علی بن جعد بن عبید جوہری بغدادی

امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے حافظ حدیث ثقہ صدوق تھے۔آپ نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا اوران کے جنارے میں شریک تھے۔حدیث جریر بن عثمان،شعبہ،سفیان ثوری، امام مالک، ابن ابی ذئب وغیرہم سے پڑھی۔اور آپ سے امام بخاری، ابوداؤ، یحییٰ بن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوقلابہ زیاد بن ایوب، خلف بن سالم، ابن ابی الدنیا، حافظ ابوزرعہ، ابویعلی، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بغوی وغیرہم نے روایت کی ہے۔آپ کا حافظہ بے حد قوی تھا۔

محمد بن سماعہ تمیمی کوفی

۱۳۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔آپ فقیہ محدث حافظ ثقہ صدوق امام محمد کے اجل تلامذہ سے تھے۔ فقہ ابو یوسف اور حسن بن زیاد سے اور حدیث امام لیث بن سعد اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے پڑھی اور آپ سے احمد بن ابی عمران، شیخ طحاوی اور ابوبکر بن محمد قمی وغیرہ نے فقہ پڑھی ہے۔کتاب ادب القاضی اور کتاب المحاضرات والسجلات آپ کی یادگار ہے۔جب آپ فوت ہوئے تو یحییٰ بن معین نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا:"قد مات ریحانة العلم من اهل الرای" باوجود اس کے کہ آپ نوے سال کے تھے آپ روزانہ دوسو رکعات نفل پڑھ کرتے تھے۔

بشر بن ولید بن خالد کندی

فقیہ محدث ثقہ صالح عابد فقہ میں امام ابو یوسف کے اور حدیث میں امام مالک وغیرہ کے شاگرد تھے،آپ سے حافظ ابونعیم موصلی، ابویعلی، حامد بن شعیب نے تلمذ کیا۔ابوداؤد نے اپنی سنن میں آپ سے روایت کی۔معتصم باللہ کے عہد میں آپ قاضی بغداد تھے۔مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں معتصم نے آپ کو قید کیا تھا پھر متوکل کے عہد میں رہا ہوئے، زمانہ پیری میں باوجود مفلوجی کے بھی آپ روزانہ دوسو

رکعات نفل پڑھتے تھے۔ابن عیینہ آپ ہی سے فتویٰ دلواتے تھے۔

داؤد بن رشید خوارزمی

امام محمد و حفص بن غیاث کے اصحاب سے محدث ثقہ فقیہ تھے۔امام مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ اورنسائی نے آپ سے روایت کی۔ بخاری نے بالواسطہ آپ سے ایک حدیث لی۔

ابراہیم بن یوسف بلخی

شیخ اجل محدث ثقہ صدوق تھے۔امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں آپ کی بڑی عزت تھی۔مدت تک امام ابو یوسف کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا۔حدیث سفیان اور امام مالک اور امام وکیع سے پڑھی۔امام نسائی نے اپنی کتاب میں آپ سے روایت کی ہے اور آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔

یحییٰ بن اکثم مروزی قاضی

علامہ فقیہ محدث صدوق عارف مذہب بصیر احکام تھے۔ مامون عباسی کے بڑے رفیق تھے۔ حدیث امام محمد، ابن مبارک اور سفیان بن عیینہ سے پڑھی۔اور آپ سے امام بخاری نے غیر جامع میں اور ترمذی نے روایت کی ہے۔تراسی (۸۳) سال کی عمر میں وفات پائی۔

سلیمان بن شعیب

امام محمد کے اصحاب میں سے بڑے فقیہ متبحر تھے۔"نوادر" آپ کی تصنیفات سے یادگار ہے۔ آپ سے ابو جعفر طحاوی محدث نے روایت کی۔

فقہ حنفی کے اصول

یہ بتایا جا چکا کہ احناف کے یہاں استنباط مسائل کے لیے جو اصول ہیں وہ اس بات کی بخوبی وضاحت کرتے ہیں کہ حنفی فقہ میں دونوں مصادر شریعت قرآن وحدیث کو نہایت اہمیت دی گئی ہے اور ہر مقام پر ان کی اساسی حیثیت کو مضبوط ومستحکم مانا گیا ہے۔ تفصیل میں نہ جا کر چند اصول ملاحظہ کریں۔

تاریخ بغداد میں امام اعظم سے منقول ہے:

آخذ بكتاب الله ، فإن لم أجد ، فبسنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فان لم أجد في كتاب الله ولا في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذت بقول الصحابة، أخذ بقول من شئت منهم، وأدع من شئت منهم،ولا أخرج من قولهم الىٰ قول غيرهم ، فأما إذا انتهى الأمر۔ أوجاء ۔ الىٰ ابراهيم ، والشعبى ، وابن سيرين، والحسن ، وعطاء ، وسعيد بن المسيب ۔ وعدد رجالا ۔ فقوم اجتهد، فاجتهدوا كما اجتهدوا۔

میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں۔ اگر اس میں کوئی مسئلہ نہ مل سکے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور اگر کتاب وسنت دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اخذ کرتا ہوں۔ اور ان کے اقوال سے کسی دوسرے کے قول کی طرف تجاوز نہیں کرتا لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطا، اور سعید بن مسیّب تک پہنچتا ہے، آپ نے متعدد اصحاب کے نام گنائے تو وہ اجتہاد کرنے والے لوگ تھے، ہمیں بھی ان کی طرح اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔

شیخ ابوزہرا نے امام موفق مکی کی ''المناقب'' سے نقل کیا:

وكلام أبى حنيفة أخذ بالثقة ، وفرار من القبح ، والنظر في معاملات الناس،وما استقاموا عليه ، وصلحت عليه أمورهم ، يمضي الأمور على القياس، فاذا قبح القياس يمضيها على الاستحسان مادام يمضى له، فاذا لم يمض له رجع الىٰ ما يتعامل المسلمون به ، وكان يوصل الحديث المعروف الذى قد أجمع عليه، ثم يقيس عليه مادام القياس سائغاً ، ثم يرجع الىٰ

الاستحسان ، أيهما كان أوفق رجع اليه، قال سهل: هذا علم أبى حنيفة رحمة الله ، علم العامة.

وجاء فيه أيضاً: كان أبو حنيفة شديد الفحص عن الناسخ من الحديث ، والمنسوخ ، فيعمل بالحديث اذا ثبت عنده عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن اصحابه وكان عارفاً بحديث أهل الكوفة، شديد الاتباع لما كان عليه ببلده.

امام اعظم ابوحنیفہ معتبر قول کو لیتے۔قبیح سے دور بھاگتے۔لوگوں کے معاملات میں غور وفکر کرتے، جب لوگوں کے احوال اپنی طبعی رفتار سے جاری رہتے تو قیاس سے کام لیتے۔مگر جب قیاس سے کسی فساد کا اندیشہ ہوتا تو لوگوں کے معاملات کا فیصلہ استحسان سے کرتے۔ جب اس سے بھی معاملات بگڑتے نظر آتے تو مسلمانوں کے تعامل کی طرف رجوع کرتے۔جس حدیث پر محدثین کا اجماع ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے۔پھر جب تک مناسب سمجھتے اس پر اپنے قیاس کی بنیاد کھڑی کرتے۔ پھر استحسان کا رخ کرتے، قیاس اور استحسان میں سے جو زیادہ موافق ہوتا اس کی طرف رجوع کرتے۔سہل کہتے ہیں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا علم ایک عامی علم ہے۔(یعنی عوام کی سمجھ میں آسکتا ہے اور صرف خواص ہی کا حصہ نہیں) نیز اسی کتاب میں ہے۔''ابوحنیفہ ناسخ ومنسوخ احادیث کی بہت چھان بین کرتے ہیں۔ جب کوئی حدیث مرفوع یا اثر صحابی آپ کے نزدیک ثابت ہوجاتے تو اس پر عمل کرتے۔آپ اہل کوفہ کی احادیث سے خوب آگاہ تھے۔اوران پر بڑی سختی سے عامل رہتے تھے۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ آپ کی رائے میں پہلی دلیل کتاب اللہ، دوسری سنت رسول اور تیسری اجماع صحابہ ہے، ہاں جب صحابہ میں اختلاف ہوتا تو اپنی صواب دید پر جس کا قول چاہتے اپناتے، ایسا نہیں ہوتا کہ آپ صحابہ کے اقوال کو یکسر نظر انداز کردیتے۔

البتہ صحابہ کے اقوال میں جو کتاب وسنت سے میل کھاتا۔یا قیاس کے زیادہ مناسب نظر آتا اس سے احتجاج فرماتے۔ پھران میں سے کوئی نص نہ ملتی تو قیاس کرتے جب تک وہ حالات زمانہ کی موافقت کرتا ورنہ استحسان کی طرف رجوع کرتے۔اوراس کی بھی گنجائش نظر نہ آتی تو تعامل اورعرف پر بنائے کار رکھتے۔

یہی وہ طریقہ تھا جس کے آثار فقہائے رائے کے درمیان حضرت عمر فاروق اعظم کے دور سے آپ کے زمانہ تک نمایاں نظر آتے ہیں۔بعد کے فقہائے احناف ان ضابطوں پر مضبوطی سے

کار بند رہے۔امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے اصول کی مزید توضیحات اوران کے اقوال سے استناد کرتے ہوئے بہت سے اصول وضوابط کا استخراج کیا گیا۔آج علم اصول فقہ کے نام سے جونہایت مضبوط ومستحکم فن ہمارے سامنے ہے وہ انہیں فقہائے احناف کا کارنامہ ہےاور سیکڑوں کتابوں پر مشتمل یہ علمی وفنی ذخیرہ فقہائے اسلام ومفتیان کرام کی رہبری ورہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے۔

بعض اصول کی وضاحت

خاص کا حکم اوراس پر متفرع مسائل:

خاص قطعی ہوتا ہےاور وہ یقینی طور پراپنے مخصوص کوشامل ہوتا ہے، نیز اس میں بیان وتوضیح کی گنجائش نہیں ہوتی، کہ یہ خود واضح ہوتا ہے۔

اس لیے قرآن میں جہاں بھی خاص پایا جائے گا وہ قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ قطعی الدلالت بھی ہوگا۔ چنانچہ اگر خاص کے مقابل کوئی دوسری نص ہو جواس کے حکم کو بدل دےتو وہ نص اسی پایہ کی ہو کہ ناسخ کومنسوخ کے برابر ہونا لازم ہے، ورنہ مقابل کوترک کردیا جائے گااور خاص پر عمل ہوگا۔

جیسے رکوع اور سجدے کے تعلق سے قرآن کریم میں آیا:

﴿وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ رکوع کرواور سجدہ کرو۔

امام اعظم کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کے معنی جھکنا، اور سجدہ کے معنی: زمین پر پیشانی رکھنا، ہیں۔

چوں کہ یہ دلالت خاص ہے لہذا قطعی ہےاوراس میں بیان کا احتمال موجودنہیں۔لہذا وہ روایت جس میں تعدیل واطمینان کورکوع وسجود میں ایسا ضروری قرار دیا گیا کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی، وہ خبر واحد اورظنی ہونے کے سبب بایں معنی ساقط ٹھہرے گی کہ صحت نماز تعدیل ارکان پر موقوف نہیں۔مطلب یہ ہوا کہ خود رکوع وسجدہ تو نماز کا فرض قرار پائیں گے مگر تعدیل ارکان کوفرض نہ کہا جائے گا، البتہ اس کا ثبوت خبر واحد سے ہے جوظنی ہےتو حکم بھی اسی کے مناسب ہوگا اور تعدیل ارکان کوواجب قرار دیا جائے گا،تا کہ قرآن کے خاص اورخبر واحد دونوں کی رعایت ہوجائے۔

اسی طرح وضو کے سلسلہ میں قرآن نے تین اعضا (چہرہ، ہاتھ اور پاؤں) کے دھونے اور سر کے مسح کا حکم فرمایا۔ یہاں دھونا، اور مسح کرنا دونوں خاص ہیں، لہذا یہ قطعی ہوئے اوران کے پائے جانے سے وضو کا حاصل ہوجانا یقینی۔اب خبر واحد کے ذریعہ ترتیب وار دھونا جیسا کہ قرآن میں ذکر ہوئے اور بسم

اللہ، یا نیت کا شروع میں ہونا یہ تمام چیزیں اس خاص کا بیان نہیں ہوسکتیں کہ وہ خود واضح ہیں، لہذا ان میں سے کسی کو بھی لازم اور فرض نہیں کہا جاسکتا، تو یہاں بھی اسی طرح مطابقت پیدا کی جائے گی کہ قرآن کے خاص اور حدیث خبر واحد دونوں پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ اعضائے وضو کا دھونا اور مسح کرنا فرض ہوگا اور نیت وترتیب اور بسم اللہ وغیرہ وضو میں سنت۔

ان فروعی مسائل سے معلوم ہوا کہ جب تک نص قرآنی پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے اور اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے تو فقہائے عراق خبر واحد پر عمل نہیں کرتے۔ ان کے یہاں قرآن کریم کے دلالات، اشارات اور عبارات کو اخذ کرنا عام تھا اور قبول روایت میں احتیاط کے پیش نظر اخبار احاد کو ترک کر دیتے تھے، مگر اس طرح نہیں کہ بالکل ساقط الاعتبار ٹھہراتے، بلکہ اس کا محمل تلاش کر کے حسب حیثیت معاملہ کرتے۔

عام اور اس پر متفرع مسائل

عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالت ہوتا ہے، لہذا عام خاص کو منسوخ کرسکتا ہے، کیوں کہ دونوں برابر درجہ کے ہوئے۔ جیسے:

حدیث عرینین ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کے سلسلہ میں خاص ہے، اور اس کا ناسخ عام ہے، ناسخ وہ حدیث ہے جس کو سنن دار قطنی میں روایت کیا گیا:

((**استنزهوا من البول ، فإن عامة عذاب القبرمنه**)) [سنن الدار قطنی ۱/ ٤]

پیشاب سے بچو کہ زیادہ تر عذاب قبر پیشاب ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں ''البول'' معرف باللام ماکول اللحم کے بول کو بھی شامل ہے لہذا یہ عام ہے اور اس نے حدیث عرینین کو منسوخ کر دیا۔ وجہ وہی ہے کہ عام مساوی ہوتا ہے خاص کے، اگر مساوی نہ ہوتا تو ہرگز منسوخ نہ کر پاتا۔

حدیث عرینہ کی وضاحت یوں ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ قبیلہ عرینہ کے لوگ مدینہ آئے مگر یہاں کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی اور ان کے چہرے زرد پڑ گئے، پیٹ پھول گئے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ زکاۃ کے اونٹوں میں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، وہاں جا کر جب یہ دونوں چیزیں استعمال کیں تو تندرست ہو گئے، پھر ان کو شرارت سوجھی اور یہ مرتد ہو کر چرواہوں کو قتل کر کے اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہ بتایا گیا تو آپ نے فوراً ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا، یہ سب پکڑے گئے، آپ نے

ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں، پھر شدید گرمی اور تپتی ہوئی ریت پر ان کو ڈال دیا گیا یہاں تک کہ مر گئے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے ان کو دیکھا کہ پیاس کی شدت سے زمین کاٹ رہے تھے۔ [کشف الاسرار: ۱/۲۹۱]

مسئلہ عشر:

اسی طرح ایک مسئلہ اور ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ عام اور خاص دونوں قطعی الدلالۃ ہوتے ہیں اور عام خاص کا ناسخ بھی ہوسکتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ عشر کے تعلق سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس فیما دون خمسة او سق صدقة.

[صحیح البخاری عن ابی سعید الخدری: کتاب الزکاۃ، ۱/۳۳٤]

یعنی پانچ وسق غلہ سے کم میں عشر نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وسق (چھ کنٹل تیرہ کلو پانچ سو گرام) سے کم میں عشر نہیں، حالانکہ دوسری حدیث میں ہے:

وفیما سقت السماء العشر. [صحیح البخاری عن ابن عمر: کتاب الزکاۃ، ۱/۳۵۵]

جس کو بارش کا پانی سیراب کرتا ہے اس میں عشر ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کی پیداوار قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر واجب ہے۔

بعض فقہا کے نزدیک ناسخ ومنسوخ کے متساوی ہونے کے ساتھ ناسخ کا متاخر ہونا بھی ضروری ہے، یعنی جب ناسخ کا متاخر ہونا ثابت نہیں ہوتا اس کو ناسخ قرار دیا جانا درست نہیں۔ اور یہاں ایسا ہی ہے کہ حدیث عرینہ اور حدیث صدقہ کا جن احادیث کو ناسخ قرار دیا ہے ان کا متاخر ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔

کشف الاسرار کے مصنف نے اس کا جواب یوں دیا:

الجواب لأبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أن العام في ایجاب الحم مثل الخاص ، ثم إذا وردا في مقام یعرف به تاریخهما کان الثانی ناسخًا اذا کان عامًا، ومخصصًا اذا کان هو الخاص ، کمن قال لعبده: أعط زیدا درهما، ظم قال : لاتعط أحدا شیئا ، کان ناسخا للأول ، ولو قال : لاتعط أحدا شیئاً ، ثم قال، أعط زیدا درهما ، کان تخصیصاً له، وان لم یعرف تاریخهما یجعل العام آخراً للاحتیاط ، وفیما نحن فیه کذلك.

امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ عام خاص کی طرف حکم کو واجب کر دیتا ہے۔ جب عام اور خاص دونوں اس طرح پر وارد ہوں کہ دونوں کی تاریخ معلوم ہوسکتی ہو تو متاخر ناسخ کہلائے گا بشرطیکہ وہ عام ہو اور اگر وہ خاص ہو تو اسے مخصص کہیں گے۔ مثلا ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا زید کو ایک درہم دے دو، پھر کہا کسی کو کچھ نہ دو۔ یہاں حکم ثانی اول کا ناسخ ہوگا، اور اگر کہا کہ کسی کو کچھ نہ دو۔ پھر کہا زید کو ایک درہم دے دو۔ اس صورت میں ثانی اول کا مخصص ہوگا۔

لیکن اگر تاریخ معلوم نہ ہو سکے تو عام کو بنا بر احتیاط آخر تصور کر لیا جاتا ہے۔ مسئلہ زیر بحث اسی قبیل سے ہے۔

فقہائے رائے اور فقہائے حدیث کا اختلاف:

قرآن کریم میں جو احکام عام ہیں اگر وہ مؤول نہ ہوں تو وہ قطعی الدلالت ہوتے ہیں۔ لہذا ایسے عمومات دلالت وثبوت دونوں اعتبار سے قطعی ہوں گے۔ اسی لئے فقہائے رائے کا کہنا ہے کہ اخبار آحاد اگر چہ کسی حکم خاص کا افادہ کریں پھر بھی ان احکام عام کے مقابل نہیں لائی جاسکتیں۔ کیوں کہ ان اخبار کی دلالت اگر چہ قطعی ہوئی مگر ثبوت ظنی ہے۔

لہذا فقہائے رائے کے نزدیک عمومات قرآن اپنے عموم پر باقی رہیں گے۔ مگر فقہائے حدیث اخبار احاد کو بھی قرآن کی مبین قرار دیتے ہیں اور اس طرح کی احادیث سے قرآن کے عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مجمل کی تفصیل اور مبہم کی توضیح جائز قرار دیتے ہیں۔

احناف نے اپنی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

(۱) امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام صحابہ کرام کو جمع کر کے کہا تھا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو اسے رد کر دیں۔

(۲) امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین طلاق والی عورت کے سلسلہ میں حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت کہ: ''یہ عورت عدت کے زمانہ میں نفقہ نہیں پائے گی''۔ اس کو رد کر دیا تھا اور فرمایا تھا: ہم کتاب اللہ کو ایک عورت کے کہنے کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے، پتہ نہیں وہ ٹھیک کہتی ہے یا غلط۔

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الانعام: ١٦٤] کے مقابلہ میں یہ خبر واحد کہ: گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ رد کر دی تھی۔

[کشف الاسرار: ١/٢٩٤]

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ فقہائے رائے کا مسلک یہی ہے کہ عمومات قرآن کو باقی رکھا جائے گا۔خبر واحد سے ان کی تخصیص درست نہیں۔ بلاشبہ فقہائے رائے کا طریقہ قرین صواب ہے مگر ایک شرط یہ بھی ہے کہ نصوص قرآنیہ محکم ہوں،تاویل وتفسیر کو قبول نہ کریں۔

تنبیہ:

واضح رہے کہ عام کی قطعیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں تخصیص کا احتمال ہی نہیں، کیوں کہ جب تک تخصیص کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ قائم ہو یہ احتمال بہر حال رہے گا، ہاں جب تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں تو ہم یہی کہیں گے عام کی دلالت قطعی ہے۔

یہ ایسا ہی ہے کہ الفاظ ہمیشہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں اور ان معانی پر ان کی دلالت قطعی ہوتی ہے، مگر مجاز کا احتمال بھی اس وقت تک رہتا ہے جب تک معنی مجازی کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے، مگر یہ احتمال چوں کہ بلا دلیل ہے لہذا لائق توجہ نہیں۔

عام مخصوص منہ البعض:

احناف کے یہاں عام کو جب مخصوص کر دیا جائے تو تخصیص کے بعد باقی رہنے والے آحاد میں عام کی دلالت ظنی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ باقی ماندہ آحاد کی تخصیص خبر واحد سے بھی ہوسکتی ہے خواہ وہ عام مخصوص قرآن کریم ہی سے ہو بلکہ یہاں قیاس بھی مخصص ہوسکتا ہے۔

تخصیص کی توضیح یہ ہے کہ کسی عام کے ساتھ خاص کی دلیل کا پایا جانا تخصیص کا سبب نہیں جیسا کہ شوافع کہتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ...

خاص اسی صورت میں عام کا مخصص ہوگا جب کہ یہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، اور خاص مستقل حیثیت کا حامل بھی ہو۔ اگر خاص کو عام سے متاخر قرار دیا جائے یا اس کے برعکس تو متاخر کو متقدم کا ناسخ کہا جائے گا مخصص نہیں۔ لہذا احناف نے تخصیص کی تعریف ان الفاظ سے کی:

”ھو قصر العام علیٰ بعض افرادہ بدلیل مستقل مقترن“.

[توضیح تلویح: فصل قصر العام: ص ۶۵]

تخصیص کا معنی یہ ہے کہ عام کو ایک مستقل اور مقترن دلیل کی بنا پر اس کے بعض افراد میں محدود کرنا۔

اس تعریف میں لفظ ”مستقل“ کی قید سے صفت اور استثنا کو خارج کرنا مقصود ہے، کیوں کہ تخصیص میں معارضہ کا مفہوم پایا جانا ضروری ہے مگر ان دونوں میں یہ مفہوم موجود نہیں۔ بلکہ استثنا کا مقصد

یہ ظاہر کرنا ہے کہ مستثنیٰ صدر کلام میں داخل نہیں۔

اسی طرح ''مقترن'' کی قید سے ناسخ کو نکالنا ہے۔ کیوں کہ دلیل تخصیص جب متاخر ہو تو اسے نسخ کہیں گے نہ کہ تخصیص۔

یہاں سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اول یہ کہ دلیل خاص عام کی مخصص ہوتی ہے، مگر ایسی دلیل کے لیے ضروری ہے کہ عام کے ساتھ مقرون ہو اور دونوں ایک ہی زمانہ میں پائی جائیں، اگر دلیل خاص متاخر ہو تو وہ مخصص نہیں بلکہ عام کی ناسخ ہوگی۔ کیوں کہ اس وقت تعارض دو ایسی دلیلوں کے مابین ہوگا جن میں سے ایک کے عموم پر عرصہ قلیل یا کثیر تک عمل کیا جاتا رہا ہے، پھر متاخر دلیل نے آکر اس کے عمل کو بعض آحاد میں بے کار کر دیا۔

دوسری یہ کہ تخصیص ایسے دو نصوص کے تعارض پر مبنی ہے جو زمانہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کی مقارن ہوں اور ان کے مابین جمع و تطبیق کسی طرح ممکن نہیں سوائے اس کے کہ خاص کو عام کا مخصص قرار دیا جائے۔ تو صفت اور استثنا کی قسم کے قیود لفظیہ مخصص نہیں تصور کئے جا سکتے کیوں کہ ان میں تعارض نہیں پایا جاتا۔ صفت اور استثنا کلام کے اجزاے مکملہ ہیں اور ان کی ابتدا و انتہا میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔

تخصیص کی مثال لوگوں کی عام رائج گفتگو میں یہ ہے:

ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے: کسی کو مت دو اور زید کو دو۔

اس شخص کے کلام کا جز ثانی پہلے جز کا مخصص ہے اور جز ثانی ایک مستقل کلام ہے اور جز اول سے ملا ہوا ہے۔ [ص ٤٤٧ تا ٤٤٨]

اور جیسے یہ آیت کریمہ:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرہ: ٢٧٥]

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

اس میں ہر بیع حلال نہیں ہوگی بلکہ وہی جو ربا سے خالی ہو۔ گویا حدیث ربا سے آیت مخصوص ہوگئی۔ اس معنی کی تقویت و تخصیص حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

الذهب بالذهب مثلا بمثل يدًا بيد الحديث. [صحيح مسلم : كتاب البيوع : ٧٥/٣]

سونے کے عوض میں سونا برابر برابر اور نقد بہ نقد اور زیادتی سود ہے۔ نمک کے عوض میں نمک برابر برابر، نقد بہ نقد اور اس میں اضافہ سود ہے۔ جو کے بدلے جو برابر برابر اور نقد بہ نقد اور زیادتی سود ہے۔ کھجور کے بدلے کھجور برابر برابر اور نقد بہ نقد اور اس پر اضافہ سود ہے۔

یہ مشہور حدیث ہے جسے عام طور سے سند قبولیت حاصل ہوچکی ہے۔امت کا تعامل بھی اس پر ہے، لہٰذا یہ قرآن کی مخصص بھی ہوسکتی ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے مطابق حلت بیع والی آیت کی دو تخصیصیں کردی گئیں۔

(۱) اول یہ کہ حدیث میں جن اشیا کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں ربا کو حرام قرار دیا۔

(۲) اس حدیث میں ذکر کردہ اشیا کے نظائر وامثال کو علما کے حسب اختلاف ان پر قیاس کیا گیا ہے۔

فقہائے رائے اور فقہائے حدیث کا اختلاف:

فقہائے رائے جن کے سرخیل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ سنت عند الضرورت کتاب کی شارح ہوسکتی ہے اگرچہ ان کی رائے میں حاجت فقہائے حدیث کے خیال کے برخلاف بہت کم ہوتی ہے۔

حنفی علمائے اصول نے قرآن کی تشریح وتوضیح کا بھی ذکر کیا ہے۔لہٰذا حدیث کا شارح قرآن ہونا تین قسموں پر منقسم ہے:

۱۔ قسم اول: بیان تقریر۔

بیان تقریر سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے بیان سے آیت کی تاکید وتثبیت ہوتی ہو جیسا کہ حد رمضان کے بارے میں حدیث نبوی

((صوموا لرویته وافطروا لرویته.[صحیح مسلم : کتاب الصیام، ۲/۱۴۷]

چاند دیکھ کر روزے رکھنا شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے رکھنا ترک کردو۔

یہ حدیث مندرجہ ذیل آیت کی مؤکد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ أُنزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَٰتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ﴾[البقرۃ:۱۸۵]

ماہ رمضان ہی میں وہ قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے باعث ہدایت اور رشد وہدایت کے دلائل پر مشتمل ہے۔جس کی زندگی میں یہ مہینہ آجائے وہ اس میں روزے رکھے۔

اس آیت میں شہود رمضان پر روزہ رکھنے کا حکم ہے جس کی تقریر وتاکید رویت ہلال پر ہے۔

۲۔ قسم ثانی بیان تفسیر۔

بیان تفسیر سے مراد اس چیز کی وضاحت ہے جس میں کچھ خفا ہو جیسے قرآن میں مجمل اور مشترک وغیرہ۔

بیان مجمل کی مثال نماز، روزہ اور حج کی تفصیلات ہیں۔قرآن میں ان کا بیان مجمل تھا۔نماز کا حکم دیا مگر اس کے ارکان اور اوقات نہیں بتائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ان کی وضاحت کردی فرمایا:

صلوا کما رایتمونی أصلی. [صحیح بخاری: کتاب الأذان، ۱/۱۵۸]

یوں نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔

قرآن میں زکاۃ کا حکم دیا۔حدیث نے اس کی وضاحت کی چنانچہ آپ نے سونے اور چاندی کی زکاۃ کے بارے میں فرمایا:

هاتوا ربع عشر اموالکم. [نصب الرایة: ۲/۳۶۵]

اپنے مال کا چالیسواں حصہ دو۔

آپ نے اپنے عمال کے نام خطوط بھیج کر مویشیوں اور مختلف قسم کے غلہ جات کی زکاۃ کی وضاحت فرمائی۔

اسی طرح حج کا ذکر قرآن میں مجمل تھا۔حدیث نے پوری طرح مناسک حج بیان کیے۔

قرآن کا مجمل حکم جس کی وضاحت حدیث نبوی نے کی اس کی مثال آیت سرقہ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُواْ أَيْدِيَهُمَا جَزَاء بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ﴾

[المائدہ:۳۸]

چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کیے کی سزا ہے اور خدا کی طرف سے عبرت آموزی ہے۔

اس آیت میں اس نصاب کی مقدار متعین نہیں کی گئی جس سے قطع ید لازم آتا ہے، اس کے شروط بھی مذکور نہیں، سنت نے اس کی وضاحت کی۔

ایسے ہی مجمل حکم (جس کی سنت نے وضاحت کی) کی مثال احناف کے یہاں آیت ربا ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرہ:۲۷۵]

خدا نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

ہمارے مطابق حدیث نے ربا کے حدود و قیود متعین کیئے اور بتایا کہ ربا کن احوال میں ہوتا ہے۔

مشترک اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنی اصل وضع کے اعتبار سے متعدد معانی کے لیے ہو۔ جیسے لفظ ''عین'' یہ لغوی معنی کے اعتبار سے آنکھ، پانی کے چشمہ اور شخصیت وغیرہ پر بولا جاتا ہے اور جیسے لفظ ''قروء''

کہ اس کا اطلاق طہر وحیض دونون پر ہوتا ہے۔

اس کی مثال جسے حدیث نے واضح کیا۔ درج ذیل آیت میں لفظ ''قروء'' ہے۔

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلاَثَةَ قُرُوْءٍ﴾ [البقرہ:۲۲۸]

مطلقہ عورتیں تین ''قروء'' تک انتظار کریں۔

لفظ قروء سے طہر اور حیض دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ سنت سے واضح ہوا کہ یہاں حیض مراد ہے۔

حدیث نبوی میں ہے:

''طلاق الامة اثنتان وعدتها حيضتان''

[السنن لابن ماجه: كتاب الطلاق ، ٦٦٣/٢]

لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ ''قروء'' سے مراد حیض ہے نہ کہ طہر۔ ورنہ حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ ''لونڈی کی عدت دو طہر ہے'' حالانکہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لونڈی کی عدت دو حیض ہے''۔

بیان کی یہ قسم متصل بھی ہوسکتی ہے اور منفصل اور زمانے کے اعتبار سے متراخی بھی اور مقارن بھی تاہم عمل کی ضرورت کے وقت سے تاخیر جائز نہیں متصور ہوسکتی کیوں کہ اس میں تکلیف مالا یطاق پائی جاتی ہے پھر جس امر میں خفا اور اجمال ہو اس پر عمل کیسے ممکن ہوگا؟ اس پر تو عمل کرنے کا مطالبہ گویا مطالبۂ محال ہے جو جمہور علمائے اصول کے یہاں ناجائز ہے۔ [کشف الاسرار ج۳ص۱۰۸]

البتہ عام کی تخصیص حنفیہ کے یہاں مؤخر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ تخصیص کا مفہوم یہ بتانا ہے کہ عام سے اس کے بعض آحاد مراد ہیں، تخصیص کے ذریعہ ایک لفظ کو عموم سے نکال کر خصوص کی حدود میں داخل کردیا جاتا ہے اور مخصص اس کا قرینہ ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ مخصص عام کے متصل اور ساتھ ہو اس سے متراخی نہ ہو۔ نیز اس لیے بھی کہ حنفیہ کے یہاں عموم وخصوص ایجاب حکم کے اعتبار سے مساوی درجہ کے ہوتے ہیں۔ جب مخصص متاخر ہوگا حالانکہ عام واجب العمل ہو چکا ہوگا پھر جب مخصص بتاخیر آئے گا تو وہ گویا عام کے ایک جز کو اس پر عامل ہونے کے بعد باطل قرار دے گا۔ مگر اسے تو نسخ کہتے ہیں نہ کہ تخصیص، اور یہ تبدیلی ہوئی تفسیر نہ ہوئی۔

بیان مجمل ومشترک اور تخصیص عام میں فرق:

حنفی علمائے اصول کے ہاں ان میں فرق پایا جاتا ہے کہ بیان مجمل ومشترک کو محض تفسیر وتوضیح کی

حیثیت حاصل ہے، کیونکہ جب تک ان دونوں کی وضاحت نہ کی جائے خفا اور اشتباہ کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ برخلاف اس کے کہ جہاں تک عام کی دلیل مخصص کا تعلق ہے اسے ہر اعتبار سے بیان کہنا موزوں نہیں۔ کیوں کہ ذاتی اعتبار سے عام میں نہ کوئی احتمال واشتباہ ہوتا ہے اور نہ اس کے معنی میں کوئی اجمال اور ابہام پایا جاتا ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ لہذا مخصص کی حیثیت عام کے مقابلہ میں معارض ومقابل کی ہوتی ہے۔ پس مخصص ایک لحاظ سے بیان اور دوسرے اعتبار سے معارضہ ہوتا ہے۔ ان دو متضاد پہلوؤں میں جانب بیان کو ترجیح دیتے ہوئے عام اور مخصص میں اتصال اور عدم تاخیر زمانی کی شرط لگائی گئی ہے۔ شمس الائمہ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

بیان مجمل کو بیان مخصص کی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس میں بیان کے شرائط موجود ہیں۔ مجمل میں ایسا احتمال پایا جاتا ہے جو عمل سے مانع ہوتا ہے اور اس میں اس امر کی گنجائش ہوتی ہے کہ اس کے ملحقہ بیان کو اس کی تفسیر اور توضیح مراد پر محمول کیا جائے، لہذا یہ ہر لحاظ سے بیان ہے اور اسے معارض کہنا صحیح نہیں۔ لہذا مجمل اور اس کے بیان میں فاصلہ اور علاحدگی بھی درست ہے۔ لیکن جہان تک دلیل خصوص کا تعلق ہے وہ ہر لحاظ سے بیان نہیں۔ اسے اس اعتبار سے بیان کہا جاسکتا ہے کہ عام کا صیغہ خصوص کو بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر خصوص ابتداء دلیل معارض ہے کیوں کہ عام بذات خود بھی اپنے مشتملات میں موجب عمل ہوتا ہے۔ لہذا خصوص کی حیثیت استثنا اور شرط کی ہوگی اور وہ بیان ہونے کے اعتبار سے متصلاً صحیح ہوگا۔ اور اگر اسے عام سے الگ کردیا جائے تو وہ معارض اور پہلے حکم کا ناسخ متصور ہوگا۔

[کشف الاسرار ج۲ ص ۱۱۰]

قسم ثالث بیان تبدیل:

یہ نسخ ہوتا ہے، ہمارے یہاں قرآن کی ایک آیت دوسری کی ناسخ ہوسکتی ہے۔ حدیث متواتر یا مشہور بھی قرآن کو منسوخ کرسکتی ہے۔ اس قسم کی بحث ناسخ ومنسوخ کے مباحث کی قبیل سے ہے۔

یہ ہے علمائے اصول حنفیہ کی گفتگو۔ اور یہ ہیں وہ قواعد وضوابط جو انہوں نے متفرق فقہی فروعات سے استنباط کیے ہیں۔ یہ فروعات فقیہ جن احکام پر مشتمل ہیں ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی مذہب کے قدیم علما یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے تلامذہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم توضیح قرآن کریم میں کس حد تک سنت پر اعتماد کرتے تھے۔ اور ان کے یہاں یہ اصل طے شدہ اور متفقہ ہے کہ اس سے کوئی ایسا فقیہ جس کی فقہی معلومات کا دائرہ وسیع ہو اور اس سے فروعات منقولہ کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ مثلاً حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قاعدہ سے کبھی انحراف نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ جب قرآن

حکیم شریعت اسلامیہ کے ماخذ و مصدر کی حیثیت رکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سے احکام کا استنباط کرنے والا سنت پر پورا پورا بھروسہ نہ کرے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔

علامہ شاطبی موافقات میں لکھتے ہیں:

قرآن سے استنباط مسائل کرتے وقت اس کی شارح یعنی حدیث سے صرف نظر کر کے صرف قرآن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ کیوں کہ قرآن ایک ضابطہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں اصول مسائل کا ذکر ہے، جیسے نماز، زکاۃ، حج اور روزہ وغیرہ۔ لہذا ان اصولی مسائل کی تشریح کے لیے حدیث کی طرف رجوع کرنا نہایت ضروری ہے۔

خبر واحد اور امام اعظم ابوحنیفہ:

امام اعظم ابوحنیفہ اولین فقیہ تھے جنہوں نے اخبار آحاد کو لائق احتجاج قرار دیا۔ اگر اپنی رائے کو مخالف حدیث پایا تو اس کو احادیث آحاد کے تقاضوں کے مطابق کر لیا۔

ہمارے سامنے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد کی دونوں کتاب الآثار موجود ہیں۔ ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو اخبار آحاد سے کتنی وابستگی تھی اور کس طرح آپ اپنی فقہ کو ان پر مبنی قرار دیتے تھے۔ ان کی نصوص کو اخذ کرتے اور ان سے علل الاحکام کا استخراج کرتے۔ پھر ان پر اپنا قیاس استوار فرماتے جس میں مصلحت عامہ ہمیشہ ملحوظ رہتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے تلامذہ کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے جس کو انہوں نے بھی قبول کیا۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب الاصل (مبسوط) میں کثرت سے صحیح احادیث ذکر کی ہیں جن سے اخبار آحاد کا حجت ہونا مستفاد ہوتا ہے، اور فقہ حنفی کا ہر رمز شناس اس حقیقت ثابتہ سے آگاہ ہے کہ یہ اصل حنفی مسلک اور اس کے طرز فکر و نظر کی صحیح ترجمانی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعدد واقعات قلم بند کیے ہیں کہ کس طرح صحابہ اخبار آحاد کو اخذ کرتے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے اس فعل کی تائید فرماتے۔ آپ کے وصال کے بعد بھی کسی کو ایسی احادیث کے قبول کرنے سے مجال انکار نہ تھی۔ اگر چہ کبھی ایسا ہوتا کہ بعض محتاط صحابہ دوسرے سے پوچھ کر ایک حدیث کی توثیق کر لیتے، اس سے حلف اٹھواتے۔ مگر یہ سب کچھ اطمینان قلب کی خاطر تھا اخبار آحاد کی تردید کے لیے نہیں۔ امام محمد نے یہ سب امور اپنی کتاب الاصل کے باب استحسان میں ذکر کیے ہیں۔

اب ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ حنفی

میں کس حد تک احادیث آحاد پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

۱۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جدہ (وادی) کو وارث قرار دینے میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ذکر کی ہے۔ جب انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دلایا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کوئی اور شاہد لائیے، چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور اس کی تائید کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو چھٹا حصہ دے دیا۔ یہ ایک دینی کام تھا اور اس میں خبر واحد کو تسلیم کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے اس کی مزید تائید وتوثیق کے لیے ایک شاہد بھی طلب فرمایا۔

۲۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر شہادت دی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص تین مرتبہ اذن مانگے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہیے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کوئی اور شاہد لائیے۔ چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حق میں شہادت دی۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذکورہ بالا دونوں احادیث پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاہد طلب کرنے کی غرض صرف احتیاط تھی ورنہ خبر واحد کافی تھی۔

۳۔ خبر واحد کے امور دین میں حجت ہونے پر امام محمد نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ ضحاک بن سلیمان کلابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا تھا: اشیم ضبابی کی عورت کو اس کے خاوند کی دیت (خون بہا) سے حصہ دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے قول کو قبول کرلیا۔ قبل ازیں آپ عورت کو خاوند کی دیت سے حصہ نہیں دیا کرتے تھے۔

۴۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط دے کر قیصر روم کی طرف بھیجا تھا اور وہ خط اس پر حجت تصور کیا گیا۔ (حالانکہ یہ بھی خبر واحد ہے)

۵۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں ''جب میں کوئی حدیث آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بذات خود نہ سنتا بلکہ کسی دوسرے صحابی کے ذریعہ یہ حدیث مجھے پہنچتی تو میں اس سے حلف طلب کرتا۔ لیکن یہ حدیث مجھے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنائی اور انھوں نے سچ فرمایا (ان سے حلف لینے کی ضرورت نہیں) امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حلف لینا حضرت علی کا منفرد مسلک ہے۔آپ گواہ کو حلف دیتے تھے اور مدعی کو بھی مع بینہ کے حلف دیتے۔اسی طرح راوی سے حلف لیتے تھے۔گویا آپ کا مطلب یہ تھا کہ قسم دلانے سے روایت مزکی ہو جاتی ہے۔جیسا کہ بیوی خاوند کی شہادات مسئلہ لعان میں کہ ان میں بھی قسم دی جاتی ہے۔جو شخص کذب سے معصوم نہ ہو تو قسم کا تزکیہ کیے بغیر اس کی خبر حجت نہیں ہوتی۔حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کو صدیق کا لقب عطا کرنا ہی آپ کی شہادت کے معتبر ہونے کے لیے کافی ہے۔

الغرض فقہ حنفی کے اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اخبار آحاد کو حجت مانتے تھے اور اپنے قیاسات واصول کے لیے ان سے سند لیتے تھے۔

[ص ۴۷۶تا۴۷۹]

امام اعظم ابوحنیفہ اور حجیت حدیث مرسل:

مرسل وہ حدیث ہے جس میں تابعی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے والے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چھوڑ کر کہے: آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: اس تعریف سے حدیث مرسل تابعی میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

فخر الاسلام کی ذکر کردہ تعریف میں زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔وہ لکھتے ہیں: ''مرسل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند مذکور نہ ہو''۔

یہ تعریف ارسال صحابی کو بھی شامل ہوگی جب کہ اس نے وہ حدیث آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ سنی ہو۔

نیز ارسال تابعی بھی اس میں داخل ہے۔اور اسی طرح ہر قابل اعتماد راوی کا ارسال خواہ کسی زمانہ میں ہو اس میں شامل سمجھا جائے۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھئے وہ آپ کے استاذ الاستاذ ہیں۔آپ ان کے طرز فکر ونظر سے متاثر ہیں۔

مراسیل کا عام رواج:

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مرسل احادیث سے احتجاج کرنے کا عام رواج تھا۔کیوں کہ جن ثقہ تابعین اور ان کے تلامذہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مل چکے تھے اور وہ

برملا اعتراف کرتے تھے کہ جب انہوں نے کوئی روایت متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اخذ کی ہو تو وہ صحابی کا نام ظاہر نہیں کرتے، حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے:

''جب کوئی روایت چار صحابیوں سے مروی ہو میں اس وقت اس کو مرسل روایت کرتا ہوں''

نیز ان کا ہی کا قول ہے:

''جب میں تم سے یہ کہوں کہ مجھے فلاں شخص نے بتایا تو یہ صرف اسی سے روایت ہے اور جب میں کہوں: ''قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم'' تو وہ حدیث میں نے ستر یا ان سے زائد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنی ہوئی ہوتی ہے۔

اعمش کہتے ہیں: میں نے ابراہیم نخعی سے کہا ''جب عبداللہ سے سن کر تم مجھے کوئی روایت بتایا کرو تو پوری سند بیان کیا کرو''۔

ابراہیم نخعی نے جواب میں کہا:

''جب میں تجھے یہ کہوں کہ فلاں شخص نے مجھے عبداللہ سے سن کر سنایا تو اس کا راوی صرف وہی ہے۔ اور جب کہوں عبداللہ نے یوں کہا تو اس صورت میں مجھے عبداللہ سے سن کر بتانے والے متعدد اشخاص ہوتے ہیں''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں شیوع کذب سے پہلے تابعین میں ارسال عام طور سے شائع وذائع تھا۔ اسی لیے تو سند کی ضرورت لاحق ہوئی تا کہ راوی کے مسلک و مذہب کا پتہ چل سکے۔
ابن سیرین کہتے ہیں: ہم حدیث کی سند ذکر نہیں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ فتنہ کا دوردورہ ہوا۔

اسی لیے مذکورہ بالا حدود کے اندر رہ کر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراسیل کو قبول کرلیا کرتے تھے۔ یعنی یہ حدود کہ ایسی روایات بیان کرنے والے ثقہ راوی ہوں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بابت منسوب کتب آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ مرسل حدیث کو آپ خبر واحد کے برابر سمجھتے تھے۔ لہذا مرسل اور خبر واحد کے متعارض ہونے کی صورت میں آپ کا طریقہ ان کی ترجیح میں وہی تھا جو باہم متعارض اخبار آحاد کا ہوتا تھا۔ بعد میں احناف مختلف الخیال ہو گئے کہ جب مرسل اور خبر واحد باہم متعارض ہوں تو کس کو ترجیح دی جائے۔ بعض مرسل کو ترجیح دیتے اور بعض متصل کو۔

خلاصۂ مباحث:

یہ ہیں حدیث کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے افکار و آراء۔ حدیث آپ کے

یہاں دین کا رکن رکین ہے۔ اگر قابل اعتماد ثقہ راویوں سے مروی ہو اور شک وشبہ کی آلائش سے پاک ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اسے قیاس سے مقدم سمجھا جائے گا۔ اخبار آحاد عمومات قرآن سے متاخر ہوں گی۔ جب احادیث دین کے کسی مسلم قاعدہ سے ٹکراتی ہوں جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو تو ایسی حدیث مطعون اور شاذ سمجھی جائے گی، کیوں کہ وہ اسلامی شریعت کے مسلمات کے خلاف ہے اور یہ بات امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دماغ کی اختراع نہ تھی بلکہ جمہور فقہا اور علمائے حجاز کے سرخیل امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس مسئلہ میں ان کے ہم نوا ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اخبار آحاد اور مراسیل کو بھی قابل احتجاج قرار دیتے تھے بشرطیکہ وہ کتاب اللہ احادیث مشہورہ اور شرعی مسلمات سے متصادم نہ ہوں۔

[حیات امام اعظم ص ۵۱۹ تا ۵۲۵]

فتاویٰ صحابہ:

امام اعظم ابوحنیفہ کے اصول ذکر کرتے وقت ذکر کیا جا چکا کہ آپ نے فرمایا: ''اگر کتاب وسنت میں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو میں اقوال صحابہ پر عمل کرتا ہوں۔ جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا چھوڑنا چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان کے اقوال سے تجاوز کر کے کسی اور کا قول اخذ کروں جب نوبت ابراہیم نخعی، عامر شعبی، ابن سیرین، حسن بصری، ابن مسیّب اور عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال تک آتی ہے تو میں بھی ان کی طرح اجتہاد کرتا ہوں۔

اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ اقوال صحابہ کو اخذ کرتے اور انہیں واجب الاتباع سمجھتے تھے۔ جب آپ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد کرتے اور اس میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال بھی ہوتے تو ان میں سے کوئی قول انتخاب کرتے اور ان کے ہوتے ہوئے دوسروں کے اقوال کو تسلیم نہ کرتے، جب صحابہ کا کوئی قول موجود نہ ہوتا تو اجتہاد فرماتے اور تابعی کی تقلید نہ کرتے۔ کسی نہ کسی صحابی کی تقلید کر لیتے۔ [حیات امام اعظم ص ۵۲۶]

اجماع:

جن علما کی رائے میں اجماع فقہ اسلامی کے اصولوں میں ایک اصول کی حیثیت رکھتا ہے ان سب کے نزدیک اجماع کی تعریف یہ ہے:

''کسی زمانہ میں امت اسلامیہ کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر جمع ہو جانا اجماع کہلاتا ہے''۔

یہ اجماع کی صحیح ترین تعریف ہے۔ جمہور علمائے اصول کے نزدیک یہی تعریف پسندیدہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ''الرسالۃ'' میں یہی تعریف ذکر کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اولین شخص تھے جنھوں نے اس کی تعریف لکھی، اس کا حجت ہونا واضح کیا اور اسے فقہ اسلامی میں معتبر سمجھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف بھی یہی تھا، علمائے احناف نے اس کی خوب وضاحت کی ہے۔

احناف کے یہاں اجماع کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے تو اس صورت میں یہ ہرگز جائز نہیں کہ ان کے اقوال کو چھوڑ کر ایک ایسے قول کو اختیار کیا جائے جس کا قائل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کوئی نہ ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر صحابہ کا ایک ہی قول ہوتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تقلید کرتے اور اگر متعدد اقوال ہوتے تو اپنے حسب مزاج و قیاس جس قول کو پسند کرتے اخذ کر لیتے۔

اس قول سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ آپ اقوال تابعین یا تبع تابعین میں اس اصول کے پابند نہ تھے بلکہ ان کی طرح اجتہاد فرماتے اور ان کے منفرد اقوال کو اپنا مسلک نہ بتاتے، جب آپ کے ذاتی قیاسات مجموعی یا انفرادی اعتبار سے ان کے اقوال سے متصادم ہوتے تو آپ اپنے قیاسات کو نیا عمل قرار دیتے۔ آخر آپ کو بھی ان کی طرح حق اجتہاد حاصل تھا۔ وهو رجل وهم رجال. [ص۵۴۰تا۵۴۱]

قیاس:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل ہو چکا کہ جب آپ کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے فتاویٰ میں کوئی مسئلہ نہ پاتے تو اجتہاد کرتے اور پیش آمدہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غائرانہ نظر ڈالتے۔ کبھی قیاس کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی استحسان پر عمل فرماتے۔ لوگوں کی ''مصلحت اور عدم حرج'' آپ کے رہنما اصول تھے۔ جنہیں کسی وقت نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ عام حالات میں قیاس پر عمل کرتے، جب قیاس میں کوئی قباحت دیکھتے اور وہ لوگوں کے معاملات سے لگاؤ نہ کھاتا تو ''استحسان'' کی طرف رجوع کرتے۔

قیاس کی تعریف:

جس قیاس میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی بعد کے علما نے ایک جامع مانع تعریف کے ذریعہ اسے منضبط کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے قیاس کی تعریف یہ کی ہے:

کتاب یا سنت یا اجماع میں مذکور کسی منصوص حکم کے ساتھ اشتراک علت کی بنا پر ایک غیر منصوص مسئلہ کے حکم کا بیان قیاس ہے۔

کثرت قیاس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا اجتہاد صرف ان مسائل کے دائرہ میں محدود نہ تھا جو عملی طور سے وقوع پذیر ہو چکے تھے بلکہ آپ کے استنباط میں وسعت تھی اور آپ ان مسائل کے احکام سے بھی بحث و تفتیش کرتے تھے جو ہنوز واقع نہیں ہوئے تھے مگر ان کے وقوع کا تصور ذہن میں موجود تھا تاکہ نزول بلا سے پہلے ہی مناسب تیاری کر لی جائے اور جب وہ واقع ہوں تو اس سے چھٹکارہ کا طریقہ پہلے سے معلوم ہو جیسا کہ قبل ازیں آپ سے منقولہ عبارت میں اشارہ موجود ہے۔

بلاشبہ ان امور کا تقاضا تھا کہ آپ احکام کے علل باعثہ اور ان کے مشروع ہونے کی غایات مناسبہ تلاش کرتے۔ احکام کی بنا علل پر قائم کرتے اور وہ علتیں جہاں بھی پائی جاتیں وہاں احکام کو جاری کر دیتے۔

فہم نصوص میں آپ کا جو مخصوص مسلک تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ قیاس سے زیادہ کام لیتے، کیوں کہ آپ ان سے صرف احکام ہی اخذ نہیں کرتے تھے بلکہ ان حوادث کی پہچان حاصل کرتے جو ان سے متعلق ہوتے۔ ان کے اصلاحی پہلوؤں کو اجاگر کرتے۔ اسباب باعثہ اور احکام میں تاثیر پیدا کرنے والے اوصاف کو واضح کرتے اور انہی کے مقتضیات پر قیاس کی عمارت استوار کرتے۔

آپ قرآنی آیات کے اسباب نزول اور ان واقعات سے جن کی بنا پر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث بیان کی تھیں، احکام میں تاثیر کرنے والے علل شرعیہ کا استخراج کرتے تھے یہاں تک کہ آپ حدیث کے بہترین شارح سمجھے گئے۔ کیونکہ آپ الفاظ کے ظاہری مفہوم کے پابند نہ تھے۔ بلکہ عبارۃ النص اور اشارۃ النص کے پوشیدہ معانی کو سمجھتے۔ اقتضاء النص کے مدلول کو پہچانتے جو حوادث و واقعات کی مشروعیت سے مقرون ہوتے ان کے خفیہ اشاروں کی تہہ تک پہنچتے، ان جملہ امور کا نتیجہ کثرت قیاس کی صورت میں برآمد ہوتا تاکہ آپ اپنے مسلک کی وضاحت میں اپنے منتہائے مقصود کو پہنچ سکیں۔

حدیث وقیاس کا تعارض اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

یہ جملہ امور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں کثرت قیاس کے محرک بنے۔ جو نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ ان کے پیش نظر ہوتیں ان سے علل الاحکام استنباط کرتے اور ان سے فروعات کا استخراج کرتے تھے۔ پھر ان علل کو قواعد قرار دیتے۔ غیر منصوص فیصلہ جات کو ان پر پیش کرتے اور ان کے مطابق فیصلہ صادر کرتے۔ جو احادیث آپ کو مل جاتیں انہی استنباطی قواعد کی روشنی میں ان کا مطالعہ

کرتے۔اگر احادیث ان قواعد کے مطابق ہوتیں تو ان کی قوت اور بڑھ جاتی۔اگر ان کے مخالف ہوتیں اوران کا راوی آپ کے یہاں قابل اعتماد ہوتا،مزید براں وہ احادیث شروط صحت کی حامل ہوتیں تو حدیث پرعمل پیرا ہوتے اور سمجھتے کہ یہ حدیث بظاہر خلاف قیاس ہے۔البتہ عمل کرنے میں صرف اس حدیث کے مفہوم تک محدود رہتے اوراس کے اشباہ وامثال کواس پر قیاس نہ کرتے۔

مثال کے طور پر دیکھئے۔''ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھول کر کھا پی لیا۔آپ نے اس کا روزہ باقی رکھا اور فرمایا: یہ رزق خدا نے اس کی طرف پہنچایا ہے''۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث پر عامل ہیں اوراپنے اس قاعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس کا منشا یہ ہے کہ مفطر وہ چیز ہے جو شکم تک پہنچے یا پھر جماع باعث افطار ہے۔آپ نے بھول کر کھانے پینے کے سوا باقی مقامات میں قیاس کی علت کو اپنے عموم پر رہنے دیا ہے۔خطا کو نسیان پر قیاس نہیں کیا حالانکہ علت جامعہ دونوں میں ایک ہے اور وہ یہ کہ ارادہ کسی میں بھی نہیں پایا جاتا۔قیاس نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نسیان کا حکم قیاس کے مقتضیٰ سے معدوم ومنحرف ہے،لہذا مورد نص تک محدود رہے گا۔اس سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

علت قیاس کی شناخت:

علت قیاس کا رکن رکین ہے اور یہ معلوم ہے کہ علت ہی وہ امتیازی وصف ہوتا ہے جس کے متعلق ایک شرعی دلیل یہ شہادت دیتی ہے کہ حکم کا تعلق صرف اسی سے ہے اور حکم کا مدار وہی ہے۔لہذا یہ وصف جہاں پایا جائے گا وہاں حکم بھی پایا جائے گا۔اس میں شبہ نہیں کہ جب اصل (مقیس علیہ) میں متعدد اوصاف پائے جاتے ہوں تو معلوم کرنا چاہیے کہ ان اوصاف میں علت قرار دینے کی صلاحیت کس وصف میں ہے؟ جس کے پہچاننے کے دوطریقے ہیں:

ا۔ شارع نے صراحۃً علت کی نشان دہی کی ہو یا کسی زمانہ میں مجتہدین کا اجماع منعقد ہوا ہو کہ فلاں وصف علت کی حیثیت رکھتا ہے۔نص سے علت قرار دینے کی مثال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو آپ نے قربانی کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

((كنت نهيتكم عن اذخار لحوم الاضاحى لاجل الدافة.))

میں قربانی کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی سے اس لیے منع کرتا تھا کہ اہل مدینہ کے یہاں مسلمانوں کا ایک قافلہ فروکش تھا۔

علت کونص سے معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں:

یا تو خودنص میں علت ہونے کی صراحت ہوتی ہے۔یا اشارہ کنایہ سے اس کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے۔لہذا علت کو معلوم کرنے کے کئی مراتب ہیں جن سے وہ لوگ بخوبی آگاہ ہیں جو عربی زبان جانتے اور اس کے اسالیب بیان سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ نیز نصوص شرعیہ سے انہیں پورا لگاؤ ہے۔

احناف جن اوصاف کے علت ہونے پر متفق ہیں ان میں سے ایک صغر(کم سنی) ہے، چنانچہ وہ متفق البیان ہیں کہ کم سنی کی بنا پر ولایت علی المال حاصل ہوتی ہے، یعنی کم سنی ولایت علی المال کی علت ہوئی تو ولایت فی النکاح کو اسی پر قیاس کیا جائے گا،لہذا کم سن لڑکی باکرہ (دوشیزہ) ہو یا بیوہ اس پر ولایت نکاح ثابت ہو جائے گی۔ بکارت (دوشیزگی) جبری ولایت کی علت نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خیال ہے بلکہ جمہور فقہا کے مطابق علت کم سنی ہے۔

نیز مسئلہ وراثت میں حقیقی بھائی میراث میں علاتی بھائی سے مقدم ہوگا۔ سب فقہا متفق الخیال ہیں کہ علت قوت قرابت ہے، لہذا حقیقی برادر ولایت نکاح میں بھی مقدم ہوگا۔ زفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے خلاف ہیں جیسا کہ احکام فقہیہ کی تفصیل میں مذکور ہے۔

علت کے معلوم کرنے کا دوسرا طریق استنباط ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کتاب وسنت میں کوئی نص نہ پائی جائے نہ صحابی کا کوئی قول موجود ہو نہ اجماع۔ اس صورت میں علت کو پہچاننے کا طریق یہ ہوگا کہ مصادر شرعیہ اس وصف کے متعلق شہادت دیتے ہوں کہ وہ مناط حکم علت ہے۔ (یعنی حکم کا اسی پر مدار ہے)

علت کی چند مثالیں:

اس قسم کے وصف کا استنباط کوئی ایسا امر نہیں جو حدود وقیود سے آزاد ہو۔ بلکہ فقہائے رائے نے یا ان فقہا نے جو قیاس کو مانتے اور اسے فقہ اسلامی کا ایک اصول قرار دیتے ہیں جس حکم کی علت کی معرفت مطلوب ہو اس کے سارے اوصاف میں سے علت کی معرفت کے لیے کچھ حدود وضوابط کرر کھے ہیں۔

چنانچہ احناف نے علت تصور کیے جانے والے وصف کی پہچان کا طریقہ وہی رکھا ہے جو سلف صالحین کے یہاں مستعمل تھا۔اور وہ یہ ہے کہ وہ ''شہادت مزکیہ'' ماثورہ سے ثابت ہو یعنی یہ کہ وہ وصف ان علل فقہیہ کے موافق ہو جو سلف صالحین سے منقول ہیں۔ یہ ہے ''شہادت مزکیہ'' اور یہ ان فقہی اصولوں کی شہادت ہے جو اسلاف سے مستنبط و ماخوذ ہیں۔اسلاف سے نقل کردہ علل احکام کے تتبع کی بنا پر فقہائے احناف اس نتیجہ پر پہنچے کہ شارع حکم کو جس وصف کا اثر قرار دیں وہی ''علت'' کہلاتی ہے اور اسی پر قیاس مبنی

ہوتا ہے، وہاں حکم اور وصف میں ضرور کوئی مناسبت ہوتی ہے جو وصف کو حکم کے لیے مؤثر بنا دیتی ہے۔ مثلا جب بیوی تو مشرف باسلام ہو جائے اور خاوند غیر مسلم رہے تو دونوں میں فرقت کا حکم صادر کر دیا جاتا ہے، لیکن اب دو وصفوں میں سے جو باہم مقترن ہیں یہاں کس کو علت بنایا جائے۔ بیوی کے اسلام کو یا خاوند کے انکار کو؟ اس میں بلاشبہ بیوی کا صرف اسلام سبب تفریق نہیں ہوسکتا، کیوں اسلام حقوق زوجیت کا محافظ ہے ان کا قاطع نہیں۔ ہاں بیوی کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد خاوند کا اسلام سے انکار، ممکن ہے کہ شریعت میں مؤثر ہو۔ اس لیے کہ اب میاں بیوی کی حیثیت سے رہنا سہنا موزوں نہیں ہوتا، نیز اس لیے کہ اسلام میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ غیر مسلم کو مسلم پر حق ولایت حاصل نہیں ہے حالاں کہ خاوند کو بیوی پر ایک طرح کی ولایت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لہذا مسلم بیوی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو علتیں منقول ہیں ان کے استقرا سے ثابت ہوتا ہے کہ جس وصف کو علت تصور کیا گیا ہے اس کے اور حکم کے مابین وہ ربط و تعلق پایا جاتا ہے جس سے عقل انسانی یہ باور کرنے پر مجبور ہوتی ہے کہ یہ حکم اثر ونتیجہ ہے وصف کے پائے جانے کا۔ مثلا حدیث شریف میں بلی کے جوٹھے کے پاک ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ علت فرمائی ہے:

((إنها من الطوافين والطوافات عليكم.))

یعنی بلی تو تمہارے یہاں آنے جانے والے جانوروں میں سے ہے۔

اس تعلیل میں اس وصف کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس کی حکم سے ایسی مناسبت ہے جس نے وصف کو حکم کی تکوین میں مؤثر بنا دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ چونکہ بلی ہر وقت گھروں میں آمد و رفت رکھتی ہے لہذا اس کے جوٹھے سے احتراز آسان نہیں بلکہ اس میں شدید مشقت پائی جاتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ﴾[الحج:۷۸]

تو یہی ضرورت عدم نجاست کا موجب ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہاں بھی ضرورت پائی جائے گی وہاں نجاست کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے کپڑوں میں نجاست لگی ہو اور دھونے کے لیے پانی موجود نہ ہو تو نجاست کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ وہ انہی نجس کپڑوں میں نماز ادا کرے گا۔ اس جگہ ''ضرورت'' اور ''عدم نجاست'' میں موافقت ومطابقت واضح ہے۔

آثار صحابہ سے اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو مطبوخ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین پیش آیا۔ روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک انصاری انگور کا مطبوخ عصارہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ کیسے بناتے ہو؟ انصاری نے جواب دیا ''ہم شیرہ کو پکاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں پانی ڈالا اور اسے پی لیا۔ پھر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا جو دائیں جانب تھے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: ''آگ پر پکانے سے یہ حلال کیسے ہوگئی؟'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم دیکھتے نہیں کہ پہلے شراب ہوتی ہے اور پھر وہ سرکہ میں بدل جاتی ہے تو تم اسے پی لیتے ہو۔ (یعنی جس طرح سرکہ بننے سے خمریت جاتی رہی ایسے ہی آگ پر پکانے سے خمریت باقی نہ رہی)

دیکھئے! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ کا مرکز علت ہے اور وہ شیرہ میں نشہ آور مادہ ہے۔ اگر نشہ موجود ہے تو حرمت پائی جاتی ہے، اگر نشہ موجود نہیں تو حرمت بھی نہیں پائی جاتی۔ پس آپ کی نظر وصف موافق و مؤثر پر رہی جو حکم کا موجد ہے۔

استحسان اور قیاس

امام اعظم ابوحنیفہ کی رائے میں علت اس وصف موافق کو کہتے ہیں جو حکم میں مؤثر ہو۔ حکم اور وصف باہم مربوط ہوں اور جہاں وصف پایا جاتا ہو وہاں حکم بھی پایا جائے۔ قیاسات آپ کے ہاں اسی اصول پر مبنی ہیں۔

ہاں ایک بات اور ہے کہ بعض دفعہ ایک فقیہ بظاہر ایک وصف کو مؤثر فی الحکم تصور کرتا ہے اور جہاں بھی یہ وصف پایا جاتا ہو وہاں حکم کو ثابت کرتا ہے۔ تاہم بعض حالات میں ایک دوسرا وصف جو زیادہ قوی الاثر ہوتا ہے اس سے ٹکرا بھی جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مخصوص احوال میں مجتہد وصف ضعیف سے منہ موڑ کر قوی الاثر وصف کو کام میں لاتا ہے۔ احناف اسے استحسان قیاس کہتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ استحسان اس قیاس کو کہتے ہیں جس کا رکن ایک قوی الاثر وصف ہوتا ہے۔ اس کے مدمقابل ایک اور قیاس ہوتا ہے جو اس کے مقابلہ میں ضعیف الاثر ہوتا ہے۔

حضرت امام اور تعمیم علت

جب علت وجود حکم میں مؤثر ہوگی تو وہ لامحالہ متعدی ہوگی، متعدی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پائی جائے گی حکم کو ثابت کردے گی اور وہ مورد نص میں محدود نہیں رہے گی، کیونکہ یہ بات نہیں کہ

علت کی تاثیر صرف اسی جگہ ہے بلکہ جہاں بھی ہوگی تاثیر کرے گا یعنی حکم پایا جانا ضروری ہوگا۔

لہذا فقہائے حنفیہ اسے عموم پر محمول کرتے ہیں۔ جہاں نص نہ ہوگی، اور علت پائی جائے گی وہاں حکم کو ثابت کر دیا جائے گا، جہاں شرعی احکام خلاف قیاس ہوں گے وہ مورد نص میں محدود و مقصور ہوں گے اس سے آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ ان کی نصوص کو خلاف قیاس اور خلاف قواعد مقررہ تصور کیا جائے گا مگر با ایں ہمہ بدستور ان کا احترام ملحوظ رہے گا، اس لیے کہ وہ منصوص ہیں۔

بلاشبہ عموم علت کا مسئلہ اور جہاں وہ مؤثر ثابت ہو وہاں احکام کو لا کھڑا کرنا ان مسائل میں سے ہے جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہیں۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جب یہ تسلیم ہے کہ آپ پہلے فقیہ تھے جنہوں نے بڑی کثرت سے فقہ تقدیری (فرض مسائل کا اختراع) سے کام لیا یہاں تک کہ بعض علما نے آپ کو اس طرز کا پہلا موجد قرار دیا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ پہلے فقیہ تھے جنہوں نے تعمیر علل میں کثرت پیدا کر دی۔

[ص ۵۷۱ تا ۵۷۳]

استحسان:

امام ابوالحسن کرخی نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

استحسان اس چیز کا نام ہے کہ مجتہد ایک مسئلہ میں اس کے نظائر و امثال کے مطابق حکم نہ لگائے بلکہ ایک قوی تر دلیل کی جانب رجوع کرے جو اشباہ و نظائر سے عدول کا تقاضا کرتی ہو''۔

استحسان کے اقسام:

احناف کے یہاں استحسان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم استحسان القیاس کہلاتی ہے جس کا یہ معنی ہے کہ مسئلہ میں دو اوصاف پائے جاتے ہوں جو دو متبائن قیاسات کے مقتضی ہوں۔ ایک ظاہر اور متبادر، یعنی وہی اصطلاحی قیاس۔ دوسرا خفی، جو کسی دوسرے قاعدہ سے الحاق کا متقاضی ہو، اس کا نام استحسان ہے۔ مطلب یہ کہ فقیہ کے خیال میں دونوں قیاسات مسئلہ پیش آمدہ پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک قیاس ظاہر ہے جو مسئلہ کے نظائر میں عمل کرتا ہے۔ اور دوسرا قیاس اس مسئلہ میں خفی ہے کیونکہ وہ اس کے اشباہ و امثال میں عمل نہیں کرتا لیکن پیش نظر مسئلہ میں ایک ایسا امر موجود ہوتا ہے جس کی بنا پر اسی خفی قیاس پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو اس کے نظائر میں نہیں ہے۔ اسی لیے شمس الائمہ ایسے استحسان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''استحسان میں دراصل دو قیاس جمع ہوتے ہیں'' ایک جلی اور واضح مگر ضعیف الاثر، اسے قیاس

کہتے ہیں۔ دوم خفی مگر قوی الاثر، یہ استحسان یعنی قیاس مستحسن کہلاتا ہے۔ تو وجہ ترجیح تاثیر کی بنا پر ہے وضوح اور خفا پر نہیں۔

عرف وعادت:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ نصوص اور قیاس واستحسان سے جب کام نہیں چلتا تو آپ لوگوں کے تعامل کو دیکھتے۔ تعامل سے مراد وہ عرف ہے جو لوگوں میں عام طور سے جاری ہو۔ آپ عرف پر اس وقت عمل کرتے جب کتاب وسنت اور اجماعِ امت میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہوتی۔ نہ قیاس واستحسان پر محمول کرنے کا کوئی امکان ہوتا خواہ وہ استحسان قیاس ہو، استحسان حدیث، استحسان اجماع، یا استحسان ضرورت۔ ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہوسکتی ہو تو عرف پر عمل کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آپ عرف کو شریعت کے مصدر وماخذ یا ایک دینی قاعدہ کی حیثیت دیتے تھے۔ اور جب دوسری کوئی دلیل نہ ہوتی اس وقت اسی کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

فقہائے حنفیہ کا نظریہ:

جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرف استنباط مسائل کے لیے ایک فقہی اصول ہے۔ اسی طرح آپ کے مجتہدین مذہب اور مخرجین سے بھی ایسی روایات منقول ہیں۔ علامہ البیری کی شرح الاشباہ والنظائر میں ہے ''عرف سے جو بات ثابت ہو وہ شرعی دلیل سے ثابت متصور ہوگی''۔

ایسے ہی مبسوط سرخسی میں جو یہ ہے کہ ''جو مسئلہ عرف سے ثابت ہو وہ گویا نص سے ثابت ہے'' تو اس کا بھی غالباً مطلب یہ ہے کہ جو بات عرف سے ثابت شدہ ہو وہ دلیل سے ثابت ہے۔ کیونکہ نص کی عدم موجودگی کی صورت میں عرف بھی نص کی طرح قابل اعتماد ہے۔

دلائل:

عرف کے شرعی دلیل ہونے کا ثبوت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ملتا ہے فرماتے ہیں:

((ماراہ المسلمون حسنافھو عنداللہ حسن)).

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھتے ہوں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس قول کی عبارت اور مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے عرف میں جس چیز کو امورحسنہ

میں سے خیال کیا جاتا ہو وہ بلاشبہ حسن ہے اور عرف عام کی مخالفت کرنے میں حرج اور دشواری پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾[الحج:۷۸]

علما جب یہ کہتے ہیں کہ عرف اصول استنباط میں سے ایک اصول ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جہاں کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہ ہو وہاں عرف پر عمل کیا جاتا ہے۔ جب عرف عام کتاب وسنت کے خلاف ہو جیسے بعض اوقات لوگوں میں شراب نوشی اور سود خواری کا چرچا ہو جاتا ہے اور اسی طرح دیگر محرمات عام طور سے رائج ہو جاتے ہیں تو ایسا عرف مردود ہے، کیونکہ اسے معتبر سمجھنے سے ترک نص لازم آتا ہے۔ اس کا اتباع نفسانی خواہش کی پیروی ہوگی اور اس سے شریعت کا ابطال لازم آئے گا۔ شریعت اس لیے نہیں آئی کہ محرمات کو رواج دیا جائے، اگر منہیات شرعیہ کا عام چرچا بھی ہو تو ان کا انسداد کرنا چاہیے نہ کہ انہیں رائج کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عرف عام آثار کے مقابلہ میں بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ آیا عرف عام قیاس کا مقابلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

''اگر دلیل (یعنی نص کا حکم، عام ہو اور اس کے بعض افراد میں عرف اس کے خلاف ہو یا دلیل قیاس ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا بشرطیکہ وہ عرف عام ہو، کیونکہ عرف عام مخصص ہو سکتا ہے اور اس سے قیاس کو ترک کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مسئلہ استصناع (آرڈر دے کر چیز تیار کرانے) میں۔

عرف عام اور دیگر ادلۂ شرعیہ:

اس کلام سے معلوم ہوا کہ مذہب حنفی کے اہل تخریج کی رائے میں عرف عام سے نص کی تخصیص جائز ہے اگر نص عام ہو اور اس سے قیاس کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ اگر عرف عام ہر لحاظ سے مخالف نص ہو تو اسے ناقابل التفات سمجھ کر ترک کر دیا جائے گا۔ ایسے ہی عرف خاص کے مقابلہ میں قیاس ظنی العلت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس قیاس کی تطبیق فروعات پر انہیں اہل شہر یا اسی قوم کے اعتبار سے ترک کر دی جاتی ہے جن کا وہ عرف ہوتا ہے وہ قیاس دوسرے لوگوں کے یہاں قابل عمل ہوگا اور متروک قرار نہیں دیا جائے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرف عام سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور نص مخصوص ہو جایا کرتی ہے۔ یہ بظاہر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے خلاف ہے کہ آپ اسی صورت میں عرف عام پر عمل کرتے تھے جب قیاس اور استحسان سے کام نہ چلتا اور ان کے یہاں عرف عام کو اس وقت

دلیل سمجھا جاتا جب کوئی اور دلیل نہ ہوتی۔ لیکن ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سہیل بن مزاحم کے نقل کردہ قول اور متاخرین علما کے اقوال میں جمع و تطبیق کا کام بڑا آسان ہے اور وہ اس طرح کہ آپ کے قول ''جب قیاس اور استحسان جاری نہ ہوتے تو لوگوں کے تعامل کی طرف رجوع کرتے تھے''۔ کا مطلب یہ ہے کہ اگر قیاس کو اس کے عموم پر جاری کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی تھی اور وہ مستحسن نہیں رہتا تھا تو اس وقت آپ لوگوں کے تعامل کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ کیونکہ علل الاحکام کا یہ دستور ہے کہ جب وہ لوگوں کے عرف و دستور سے بعید ہوں تو نہ وہ درست ہوتی ہیں اور نہ ان کی تطبیق فروعات پر موزوں ہوتی ہے۔ اس صورت میں قیاس واستحسان کا امکان نہیں رہتا۔ عرف جس نص عام کی تخصیص کرتا ہے وہ اپنی دلالت یا روایت کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہے۔

عرف عام کے بدلنے سے فقہی احکام میں تغیر:

بہر حال امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی منہج ومسلک اختیار کیا کہ عرف عام نص کی عدم موجودگی میں دلیل کا کام دیتا ہے بلکہ ان بعض ظنی آثار کے عموم کا مخصص بھی ہوتا ہے جن کی بعض صورتیں اس عرف عام کے منافی ہوتی ہیں جن پر تمام اقطار اسلامیہ کے مسلمان عامل ہیں۔ عرف عام پر عامل ہونے کی بنا پر آپ کے مذہب میں سہولت، خوشگواری اور قوت پائی جاتی ہے۔ حنفی مذہب کے اہل تخریج نے بھی فروعات میں اسے پیش نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ میں جدت کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ اور یہ فقہ اس قابل ہوگئی کہ تمام زمانوں میں لوگوں کے حالات اور عرف کا ساتھ دے سکے، چنانچہ بعد میں آنے والے مجتہدین ائمہ سابقین کے اجتہادات پر ٹھہر ہی نہیں گئے بلکہ نص کی عدم موجودگی کی صورت میں اسے عرف عام کے تابع کر دیا۔ یعنی جب ثابت ہو جائے کہ حنفی مذہب کی صحیح روایات کے مطابق جو حکم صادر کیا گیا ہے وہ عرف عام کے مخالف ہے اور کتاب وسنت کی کسی صریح دلیل پر مبنی نہیں تو حنفی مفتی کو یہ حق حاصل ہے کہ مذہب کی صریح روایات کی خلاف ورزی کرے۔ ایسا فتویٰ دینے سے وہ حنفی مذہب سے خروج کرنے والا نہیں تصور کیا جائے گا۔ علامہ ابن عابدین اس مقام پر لکھتے ہیں ''حنفی مذہب کی ظاہر روایت کبھی صریح نصوص کتاب وسنت یا اجماع پر مبنی ہوتی ہے۔ اور مخالف نص عرف عام کو نا قابل التفات تصور کیا جاتا ہے کیونکہ بقول ابن الہمام کبھی عرف باطل بھی ہوتا ہے۔

علامہ ابن عابدین مزید لکھتے ہیں:

فقہی مسائل یا تو صریح نص سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ یا قیاس واجتہاد سے ثابت ہوتے ہیں۔ بہت سے مسائل مجتہد کے نزدیک اس کے زمانہ کے عرف عام پر مبنی ہوتے ہیں بایں

طور کہ اگر وہ مجتہد جدید عرف والے زمانہ میں ہوتا تو ایسا فتویٰ نہ دیتا۔اسی واسطے مجتہد کی یہ شرط قرار دی گئی ہے کہ اس کے لیے لوگوں کی عادات سے واقف ہونا ضروری ہے، کیونکہ بہت سے مسائل زمانہ کے تغیر سے بدل جاتے ہیں، کیونکہ اہل زمانہ کا عرف وہ نہیں رہتا۔ یا کوئی نئی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ یا اہل زمانہ میں فساد رونما ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر سابقہ احکام باقی رہیں تو اس سے مشقت اور ضرر رسانی کا اندیشہ ہے، مزید برآں یہ شرعی قواعد کے بھی خلاف ہے جن کی اساس تخفیف ویسر اور دفع ضرر وفساد پر رکھی گئی ہے تاکہ یہ کائنات بہترین نظام کے مطابق چلتی رہے۔ آپ دیکھیں گے کہ مشائخ مذہب مجتہد کے خیالات کی اکثر مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہ مسائل مجتہد کے اپنے زمانہ کے مطابق تھے اور مشائخ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اگر وہ مجتہد ان کے زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی یہی کچھ کہتا جو ہم کہہ رہے ہیں اور مذہب کے قواعد سے استفادہ کرتا۔

یہ ہے عرف اور یہ ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب واہل تخریج کی نگاہ میں فقہ اسلامی میں اس کی اہمیت وحیثیت۔ ائمہ احناف نصوص کتاب وسنت کی عدم موجودگی میں عرف عام پر عمل کرتے تھے۔ نصوص عامہ اگر عرف عام کے خلاف ہوتیں تو ان کی تخصیص کرتے تھے۔ جب تک ممکن ہوتا قیاس ظنی اور عرف میں مطابقت پیدا کرتے۔ اگر تطبیق کا امکان نہ ہوتا اور عرف قیاس کا شدید مخالف ہوتا تو عرف کو اخذ کرتے۔ عرف خاص پر اس وقت عمل کرتے جب اس کے سوا کوئی اور دلیل نہ ہوتی تھی۔

(ملخصاً از حیات ابوحنیفہ مع زیادت، شیخ محمد ابوزہرا مصری)

امام اعظم کے تلامذہ کے اقوال پر

فتوی ہونے کی نوعیت

یہاں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ فقہ حنفی کی تدوین کے دوران ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ ہر مسئلہ اتفاق رائے سے طے ہوا ہو۔ بلکہ بسا اوقات امام اعظم اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف رہا اور وہ اختلاف آج تک کتابوں میں نقل چلا آ رہا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو فتویٰ بھی امام اعظم کے قول اور ان کے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے، پھر محض امام اعظم کی تقلید کا دعویٰ کرنا اور علی الاطلاق مذہب حنفی کی اتباع پر زور دینا کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اعلام اور علمائے کرام نے جوابات رقم فرمائے ہیں۔ زیر مطالعہ ''فتاویٰ مفتی اعظم'' میں سیدنا اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کا خلاصہ اس طرح تحریر ہے:

قول امام ابو یوسف یا قول امام محمد یا ان کے سوا امام زفر وغیرہ تلامذۂ حضور امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل سے حنفی، یوسفی یا زفری وغیرہ نہ ہو جائے گا کہ مذہب نہیں مگر امام اعظم کا۔ ان کے اقوال امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔ جو جس سے مروی ہوا اس کی طرف منسوب ہوا۔ جس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ملتا امام ابو یوسف مضطرب ہوتے اور حیران رہتے، خود ان سے یہ منقول ہوا:

علامہ محقق ابن نجیم مصری بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے ناقل:

”کل مالم یرو عن أبي حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ فیه قول بقي کذلك مضطرباً إلیٰ یوم القیامة ـ وحکي عن أبي یوسف ـ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ـ أنه کان یضطرب في بعض المسائل وکان یقول کل مسئلة لیس لشیخنا فیها قول فنحن فیها هکذا.“

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق]

ہر وہ امر جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہو قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل ہوا کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب حیران و پریشان ہوتے اور فرمایا کرتے: ہر وہ مسئلہ جس میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہیں ہمارا اس میں یہی حال ہے۔

ایسی جگہ کبھی یہ امام ابو یوسف یا امام کے اصحاب سے کوئی صاحب جو فرمائیں وہ بھی امام ہی کا ارشاد ہے کہ جو کچھ فرماتے ہیں آخر انہی اصول و قواعد سے جن پر امام اعظم کے مذہب کی بنا ہے۔ یہ حادثہ اگر امام اعظم کے عہد میں حدوث پاتا، امام کے حضور پیش ہوتا، انہی اصول سے امام کا بھی یہی ارشاد ہوتا۔

قول دوطرح کا ہوتا ہے: صوری وضروری۔ صوری وہ جو منقول ہو، ضروری وہ جس کا قائل نصاً قائل نہیں لیکن ضمناً ضرور قائل ہے۔ جیسے: کوئی اپنے خدام کو کسی شخص صالح کے اکرام کا حکم دے اور بار بار بہ تکرار اس سے کہے کہ: ان کی تعظیم کیا کرو، اور تعظیم فاسق سے انہیں روکے کہ کسی فاسق کی تعظیم کبھی ہرگز نہ کرنا۔ پھر وہی شخص جو صالح تھا معاذ اللہ فاسق ہوکر آئے تو خدام پر اس کی تعظیم ان کے آقا کی اس ممانعت عام سے ممنوع ہے، اگرچہ ان کے آقا نے اس شخص کے اکرام پر نص کی تھی اور یہاں اس کے ترک تعظیم پر نص نہیں، خدام پر اس عام ممانعت کی بنا پر اس خاص کی ترک تعظیم لازم۔ اگر وہ باوجود اس ممانعت کے اس کی تعظیم کریں گے اپنے آقا کی اطاعت نہیں۔ نافرمانی کریں گے۔ خدام اس ممانعت کی بنا پر اس کا اکرام و تعظیم نہ کریں تو کون عاقل ہے جو یہ کہے گا کہ اس کے خدام نے اس کی نافرمانی کی۔ ظاہر ہوا کہ قول وہی نہیں جو مقول ہو نصاً بلکہ قول وہ بھی ہے جو ضمنی ہو۔

اس تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ ایسے حوادث جن میں امام کا کوئی قول مقول منقول نہیں، حضرت امام ابو یوسف یا کسی اور امام اصحاب امام الائمہ کا قول ہے تو وہ مقول ان کا ہے صوری اور قول امام ہے ضمنی ضروری۔ درر الحکام میں ہے:

"إذا حكم الحنفي بما ذهب إليه أبو يوسف أو محمد ونحوهما من أصحاب الإمام فليس حكماً بخلاف رأيه."

[درر الحكام شرح غرر الأحكام: باب ما تقضي فيه المرأة، ۲/ ۴۱۰]

جب حنفی امام ابو یوسف، امام محمد و دیگر اصحابِ امام کے مذہب پر حکم کرے تو وہ اس کے مذہب حنفی ہی کا حکم ہے۔

علامہ شامی درر سے عبارت مذکورہ "ردالمحتار" میں نقل کرکے فرماتے ہیں:

"أفاد أن أقوال أصحاب الإمام غير خارجة عن مذهبه۔ فقد نقلوا منهم أنهم ما قالوا قولاً إلا هو روي عن الإمام، كما أوضحت ذلك في شرح منظومتي في رسم المفتي"

[ردالمحتار: كتاب القضاء، ۸/۸۹]

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تلامذۂ امام کے اقوال آپ کے مذہب سے باہر نہیں، علمانے ان سے روایتیں نقل کیں، وہ حضرات جو مسئلہ بھی بیان کریں تو وہ امام ہی سے مروی ہوتا ہے، جیسا کہ میں نے اپنی منظوم شرح رسم المفتی میں، اس کی وضاحت کی ہے۔

نیز جلد چہارم ردالمحتار میں بھی ایسا ہی فرمایا کہ حنفی، مذہب ابو یوسف یا مذہب امام محمد پر جو حکم

کرے وہ اس کے مذہب حنفی ہی کا حکم ہے۔

اگر یہ صوری وضروری اقوال مختلف ہوں تو یہ مطلب نہ ہوگا کہ: امام کا مذہب کچھ ہے اوران کے اصحاب سے اس قائل کا مذہب کچھ ہے۔ بلکہ ویسا ہی ہے جیسے خود اقوال مقولات امام میں اختلاف۔ اختلاف عصر وزمان اختلاف ہی نہیں، ایسے وقت جو یہ فرمارہے ہیں امام بھی یہی فرماتے ہیں۔ تو ان کا یہ قول امام ہی کا ارشاد ہے، جیسے احادیث میں عورتوں کو مساجد سے روکنے کی حضور نے ممانعت فرمائی:

((لاتمنعوا إماء الله مساجد الله.))[سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة ،۱/۱۵۵]

اللہ کی باندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو۔

عورتوں کو حاضری کا حکم تھا یہاں تک کہ حائضات کو بھی کہ وہ عیدگاہ میں علیحدہ حاضر رہیں اور دعا میں شریک ہوں۔ یہاں تک کہ بعض نے عرض کیا کہ ہمارے پاس جلباب (چادر) نہیں۔ ارشاد ہوا چادر والی اپنی ساتھی کو بھی اپنی چادر میں لے لے۔ أو كما قال عليه الصلاة و السلام۔

مگر باوجود ایسے حکم اوراس نہی کے حضرت سیدنا عمر امیر المؤمنین فاروق اعظم نے عورتوں کو مسجد سے نکالا اورانہیں روک دیا۔ وہ شکایت لیکر حاضر خدمت حضرت ام المؤمنین صدیقہ ہوئیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہم میں اگر وہ ملاحظہ فرماتے جو ہم دیکھتے ہیں تو وہ بھی عورتوں کو مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد سے روک دیا تھا۔ کیا معاذ اللہ حضرت صدیقہ اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے ارشاد کے خلاف کیا۔ لا واللہ بلکہ وہی کیا جو حضور فرماتے۔ تو ان کا یہ قول وفعل حضور ہی کا قول وفعل ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

[فتاویٰ مفتی اعظم جلد ۴]

اور فتاوی اجملیہ میں حضرت علامہ مفتی محمد اجمل صاحب سنبھلی نے فتاویٰ شامی وغیرہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل تحقیقات پیش فرمائیں:

واقعی ہمارے ائمہ احناف میں بعض مسائل مستنبطہ میں اختلاف ہے اور یہ وہ اختلاف نہیں ہے جو شرعاً مذموم ہو بلکہ یہ وہ اختلاف ہے جس کو شریعت لوگوں کے لیے وسعت بلکہ رحمت قرار دیتی ہے جس کے لیے حدیث شریف میں وارد ہے ((اختلاف امتی رحمة)) یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ علاوہ بریں حضرت امام ابو یوسف۔ امام محمد۔ امام زفر۔ حسن وغیرہم اصحاب امام کے جس قدر اقوال ہیں وہ درحقیقت حضرت امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔

خود اصحاب امام اس حقیقت کا اقرار واعتراف کرتے ہیں۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

((روی عن جمیع اصحابه من الکبار کابی یوسف ومحمد وزفر والحسن انهم قالوا ماقلنا فی مسئله قولا الاوهو روایتنا عن ابی حنیفة واقسموا علیه أیمانًا غلاظًا)).

(ردالمحتار مصری: ج ا/ص ۴۸)

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ اقوال اصحاب امام حقیقۃً اقوال امام اعظم ہیں۔

اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ خود حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہر مسئلہ کی خاص مجلس منعقد کرتے جس میں اپنے چالیس مجتہدین اصحاب یعنی امام ابو یوسف۔امام محمد۔امام زفر۔امام حسن بن زیاد، امام داؤد طائی وغیرھم کو جمع فرماتے اور ان کے سامنے ایک مسئلہ پیش کرتے ،اس کے چند پہلو جدا جدا بیان کرتے تو اس مسئلہ میں جس قدر احتمالات ہوتے اتنے ہی حضرت امام کے اس مسئلہ میں اقوال قرار پاتے۔آپ کے اصحاب ان اقوال امام میں سے ایک ایک قول کو اختیار کر لیتے ،خود حضرت امام بھی ایک قول کو اختیار فرماتے۔ پھر ہر ایک اس پر اپنی حسب طاقت قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ سے دلائل قائم کرتے اور اس کو ہر طرح مدلل ومبرہن کر کے اس قول کو متحقق کر لیتے۔تو وہ قول امام اعظم اب اس مجتہد کے نام سے موسوم ہو جاتا۔اس کے بعد پھر اس خاص مسئلہ کو طے کرنے کے لئے ایک مجلس مناظرہ منعقد ہوتی جس میں ان چالیس اصحاب مجتہدین کو جمع کیا جاتا۔ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے اختیار کئے ہوئے قول امام کو اور اس پر قائم کئے ہوئے دلائل کو پیش کرتا، حضرت امام اعظم ان کے سارے اقوال اور ہر قول کے دلائل کو سنتے ، پھر خود حضرت امام اپنا اختیار کیا ہوا قول پیش کر کے اس پر دلائل سناتے۔پھر اپنے اصحاب سے مناظرہ کرتے یہاں تک کہ کسی مسئلہ پر ایک ماہ تک مناظرہ جاری رہتا تو جب وہ مسئلہ پورے طور پر متحقق اور طے ہو جاتا تو حضرت امام اعظم اس قول کو مفتی بہ اور راجح قول قرار دیتے، پھر وہ قول اگر چہ حضرت امام ہی کا قول تھا لیکن جن صاحب نے اس قول کو اختیار کر کے اس پر دلائل قائم کئے تھے اب وہ قول مجازاً انہیں کے نام سے مشہور ہوتا۔تو جس قول امام کو امام ابو یوسف نے اختیار کیا اب وہ قول امام ابو یوسف کہلائے گا۔اور جس قول کو امام محمد نے اختیار کیا اب وہ قول امام محمد کہلائے گا۔اور جس قول کو امام زفر نے اختیار کیا تھا اب وہ قول امام زفر کہلائے گا۔وعلی ھذا القیاس۔تو اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس وقت اگر چہ ان اقوال کی نسبتیں مجازاً ان اصحاب کی طرف کی جارہی ہیں لیکن یہ تمام اقوال اصحاب حقیقۃً حضرت امام اعظم ہی کے اقوال ہوئے ،لہٰذا یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اصحاب حضرت امام نے قسم کھا کر

فرمایا کہ ہمارا جس مسئلہ میں جوقول ہے وہ ہمارے امام اعظم ہی کا قول ہے اوران سے روایت ہے۔

چنانچہ اس تفصیل کو ردالمحتار میں اس طرح نقل کیا:

عن شفيق البلخى أنه كان يقول: كان الامام أبو حنيفة من أورع الناس وأعبدالناس وأكرم الناس وأكثرهم احتياطاً فى الدين وأبعدهم عن القول بالرائى فى دين الله عز وجل، وكان لايضع مسئلة فى العلم حتى يجمع أصحابه عليها مجلسًا، فاذا اتفق أصحابه كلهم على موافقتها لشريعة قال لأبي يوسف أو غيره: ضعها فى الباب الفلانى اه ونقل ط عن مسند الخوارزمى أن الامام اجتمع معه ألف من أصحابه أجلهم وأفضلهم أربعون قد بلغوا حد الاجتهاد، فقربهم وأدناهم وقال لهم: إني لجمعت هذا الفقه وأسرجته لكم فاعينونى، فان الناس قد جعلونى جسرا على النار، فان المنتهى لغيرى اللعب على ظهري، فكان إذا وقعت واقعه شاورهم وناظرهم وحاورهم وسائلهم فيسمع ما عندهم من الأخبار والآثار ويقول ما عنده يناظرهم شهراً واكثر حتى يستقر آخر الاقوال فيثبته أبو يوسف حتى اثبت الاصول على هذا المنهاج شورى لانه تفر دبذلك كغيره من الائمة اه۔

(درمختار ج ا صفحہ ۴۷)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

قد اتفق لأبي حنيفة من الأصحاب ما لم يتفق لأحد، وقد وضع لهذا مذهب شوریٰ ولم يستنبطه لو ضع المسائل، وإنما كان يلقنها على أصحابه مسئلة فيعرف ما كان عندهم ويقول ما عنده ويناظر هم حتى يستقر أحد القولين يثبته أبو يوسف حتى أثبت الأصول كلها وقد أدرك بفهمه ما عجزت عنه أصحاب القرائح ۔ (فتاوی سراجیہ صفحہ ۵۹۷ ج ۴)

قطب ربانی حضرت عبدالوھاب شعرانی میزان الشریعۃ میں فرماتے ہیں:

كان الامام أبو حنيفة يجمع العلماء فى كل مسئلة لم يجد هاصريحة فى الكتاب والسنة، ويعمل بمايتفقون عليه فيها، وكذلك كان يفعل اذااستنبط حكما فلا يكتبه حتى يجمع عليه علماء عصره فان رضوه قال لأبى يوسف: اكتبه، رضى الله عنه۔ (میزان الشریعۃ مصری جلد ا صفحہ ۵۵)

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ ہمارے ائمہ احناف کا اختلاف اقوال ہمارے لئے وسعت ورحمت ہے۔اور اصحاب امام اعظم یعنی امام یوسف وامام محمد وغیرھم کے اقوال حقیقۃ امام اعظم علیہ الرحمۃ ہی کے اقوال ہیں۔تو اب ہر قول اصحاب قول امام اور ہر مذہب اصحاب مذہب امام ہوا۔اب جس قول کی نسبت امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرف کی جاتی ہے وہ مجازی نسبت ہے بلکہ اس قول کی حقیقی نسبت حضرت امام اعظم ہی کی طرف ہے۔

امام شعرانی میزان الشریعۃ میں ناقل ہیں:

نقل الشيخ كمال الدين بن الهمام عن أصحاب أبي حنيفة كأبى يوسف ومحمد وزفر والحسن أنهم كانو يقولون: ما قلنا فى مسئلة قولاً الا وهورو ايتناعن أبى حنيفة وأقسموا على ذالك أيمانا مغلظة فلم يتحقق أذن فى الفقه بحمد الله تعالىٰ جواب ولا مذهب إلا له رضى الله عنه كيفما كان، وما نسب الىٰ غيره فهو من مذهب أبى حنيفة وان نسب الى غير ه فهو بطريق المجاز للموافقة فهو قول القائل: قولى كقوله ومذهبى كمذهبه، فعلم أن من أخذ بقول واحد من أصحاب أبى حنيفة فهوآخذ بقول أبى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه۔

ردالمحتار میں ہے:

إن الامام لما أمر أصحابه بأن يأخذ وأ من اقواله بما يتجه لهم منا عليه الدليل صار ما قالوه قولا له لابتنائه على قواعده اللتى اسسها فلم يكن مر جو عاعنه من كل وجه فيكون من مذهبه۔ (صفحہ۴۸ جلد۱)

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ جس نے امام ابی یوسف یا امام محمد کے قول کو لیا اس نے قول امام اعظم ہی کو لیا،تو اب ہمارا قول امام ابو یوسف یا امام محمد پر عمل کرنا بھی حنفی قول پر ہی عمل کرنا ہوا۔اور پھر اس عمل کے بعد بھی ہم یوسفی یا محمدی نہ ہوئے بلکہ حنفی ہی رہے۔نیز اقوال اصحاب قول مفتی بہ کو راجح کرنے والے حکم خود حضرت امام اعظم ہی ہیں جو امام الائمہ۔استاذ المجتہدین ہیں اور یہ تو ایسے قابل تقلید ہیں کہ جن کی تقلید امام ابو یوسف وامام محمد جیسے مجتہدین نے بھی کی ہے۔

[فتاوی اجملیہ ۱/۳۴۰ تا ۴۳۱]

طبقات مجتہدین

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ائمہ مجتہدین میں ان کے استنباط واستخراج مسائل کی نوعیت میں اختلاف کے سبب مراتب میں اختلاف ہے، سارے مجتہدین یکساں نہیں، لہذا مفتی کو چاہیے کہ ان کے فرق مراتب کو ملحوظ خاطر رکھے اور فتویٰ نویسی میں ان مراتب کا لحاظ پاس رکھنا لازم ہے۔ قدرے تفصیل اس طرح ہے کہ فقہائے کرام کے سات طبقات ہیں:

(۱) طبقہ اولیٰ: مجتہد مستقل:

وہ ائمہ جو ان قواعد احکام کے وضع کرنے میں مستقل ہوں جن پر فقہ کی بنیاد ہے، جیسے ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ علامہ شامی نے انہی کو مجتہدین فی الشرع کہا ہے۔

(۲) طبقہ ثانیہ: مجتہد مطلق غیر مستقل:

وہ ائمہ جن کے اندر شروط اجتہاد تو پائے جاتے ہیں جن سے مجتہد مستقل متصف ہے مگر وہ اپنے اجتہاد کے لیے قواعد وضع نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے شیخ واستاذ کے قواعد کی رعایت کرتے ہیں اور انھیں پر عمل پیرا رہتے ہوئے اجتہاد میں مشغول رہتے ہیں۔ لہذا یہ مجتہد مطلق منتسب ہیں، مستقل نہیں، جیسے ائمہ اربعہ کے تلامذہ۔ مثلا امام اعظم کے تلامذہ میں:

امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وغیرہم۔

امام مالک کے تلامذہ میں:

امام ابن القاسم، امام اشہب، امام اسد بن فرات۔

امام شافعی کے تابعین میں:

امام بویطی، امام مزنی۔

امام احمد بن حنبل کے متبعین میں:

امام ابوبکر اثرم، امام ابوبکر مروزی۔

علامہ شامی نے اس طبقہ کا نام مجتہدین فی المذہب رکھا ہے۔ یہ حضرات ائمہ اپنے شیخ کے وضع کردہ قواعد کی روشنی میں ادلہ شرعیہ سے استخراج احکام کرتے ہیں اگر چہ بعض فروعی مسائل میں یہ اختلاف

بھی کرتے ہیں، مگر قواعد واصول میں یہ اپنے امام کے مقلد ہوتے ہیں۔

(۳) طبقہ ثالثہ: مجتہد مقید۔ یا۔ مجتہد مسائل:

یہ وہ ائمہ ہیں جو ایسے مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن کے بارے میں مجتہد فی الشرع اور صاحب مذہب سے کوئی نص اور روایت نہیں ہوتی، جیسے: امام خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، امام شمس الائمہ حلوانی، امام شمس الائمہ سرخسی، امام فخر الاسلام بزدوی، امام فخر الدین قاضی خاں، اور ان جیسے دوسرے ائمہ۔

امام مالک کے یہاں اس طبقہ میں امام ابہری اور ابن ابی زید قیروانی ہیں۔ امام شافعی کے یہاں امام ابواسحاق شیرازی، امام مروزی، امام محمد بن جریر طبری، امام ابونصر اور امام ابن خزیمہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے یہاں قاضی ابویعلی، قاضی ابوعلی بن ابوموسیٰ انہیں میں شمار ہوتے ہیں۔

(۴) طبقہ رابعہ: اصحاب تخریج:

یہ قواعد ومسائل دونوں میں مقلد ہیں، یہ اجتہاد بالکل نہیں کرتے البتہ اصول مذہب کا احاطہ کر لینے کی وجہ سے اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ کسی مجمل قول کی تفصیل کر دیں اور محتمل قول کا فیصلہ سنا دیں، مگر یہ تفصیل وتوجیہ ان کے اجتہاد سے نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی صاحب مذہب یا ان کے اصحاب مجتہدین میں سے کس سے منقول ہوتی ہے۔ جیسے امام کرخی، امام رازی۔ لہذا ہدایہ وغیرہ میں بعض جگہ آتا ہے۔

کذا فی تخریج الکرخی، کذ فی تخریج الرازی. یہ اسی قبیل سے ہے۔

(۵) طبقہ خامسہ: یہ اصحاب ترجیح مقلدین ہیں،

ان کو اس بات پر قدرت حاصل ہوتی ہے کہ امام مذہب کے ایک سے زیادہ اقوال میں کسی ایک کو ترجیح دیں۔ یا امام مذہب اور ان کے تلامذہ کے اقوال میں سے کسی کو راجح قرار دیں، جیسے امام ابوالحسن قدوری اور امام مرغینانی صاحب ہدایہ وغیرہما۔ یہ بعض روایات کو دوسری بعض کے مقابلہ میں کہتے ہیں: جیسے هذا أولیٰ. هذا أصح، هذا أرفق للناس.

شوافع کے یہاں یہ مقام امام رافعی اور امام نووی کو حاصل ہے، اور مالکیہ کے یہاں علامہ خلیل وغیرہ کو۔ اور حنابلہ کے یہاں قاضی علاء الدین مرداوی کو۔

(۶) طبقہ سادسہ: اصحاب تمیز:

جو اقوی وقوی ،ضعیف وظاہر مذہب ،اور ظاہر روایت وروایت نادرہ کے درمیان امتیاز رکھتے ہیں، جیسے متاخرین فقہامیں اصحاب متون: صاحب کنز، صاحب درمختار، صاحب وقایہ اور صاحب مجمع الانہر وغیرہ۔ان کا کام یہ ہے کہ یہ اپنی تصانیف میں اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہ کریں۔

(۷) طبقہ سابعہ: محض مقلدین

یہ مذکورہ بالا امور میں سے کسی پر قادر نہیں ہوتے ،قوی وضعیف اور کھرے کھوٹے کی ان کو تمیز نہیں ہوتی ،جو پاتے ہیں نقل کردیتے ہیں۔

[مقدمه المبسوط، ملخصاً ۴۳۔تا ۴۵]

فقہ کی ترقی کے مراتب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا علم چھ صحابہ کرام میں مجتمع تھا۔

(۱) حضرت عمر فاروق اعظم (۲) حضرت علی مرتضی (۳) حضرت ابی بن کعب (۴) حضرت زید بن ثابت (۵) حضرت ابو درداء (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔پھر چھ حضرات کا دو صحابہ میں مجتمع ہوگیا۔

(۱) حضرت مرتضی (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے کہ ان دونوں حضرات کے علوم کی اشاعت اعلیٰ پیمانہ پر کوفہ میں ہوئی خاص طور پر حضرت ابن مسعود کے علوم ومعارف جن کے بارے میں خود امیر المومنین حضرت علی مرتضی نے فرمایا:

اے ابن مسعود! تم نے کوفہ کو علم سے بھر دیا اور تمہاری وجہ سے یہ گہوارۂ علم ہوگیا۔ پھر یہ علم یونہی مختلف مراحل سے گزرتا ہوا محرر مذہب حنفی امام محمد بن حسن شیبانی تک کس طرح پہنچا،فقہائے کرام نے اس سلسلۃ الذہب کو استعارہ کی زبان میں یوبیان فرمایا:

حضرت عبداللہ بن مسعود نے علم فقہ کی کھیتی بوئی۔

حضرت علقمہ بن قیس نخعی نے اس کو سیراب کیا۔

حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا۔
حضرت حماد بن ابی سلیمان نے اس کو گھایا، (بالیوں سے دانے نکالے)
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے ان کا آٹا پیسا۔
حضرت امام ابو یوسف نے اس کا آٹا گوندھا۔
حضرت امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں۔
اب تمام لوگ ان کی پکائی ہوئی روٹیاں کھا رہے ہیں۔
اس کی وضاحت یوں ہے کہ...

حضرت عبداللہ بن مسعود سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم فقہ کے فروع اور مسائل کے استنباط کا سلسلہ شروع کیا۔
حضرت علقمہ بن قیس نے ان فروع کی تائید وتوضیح فرمائی۔
حضرت ابراہیم نخعی نے اس کے متفرق فوائد کو جمع کیا اور نفع بخش بنایا۔
حضرت حماد بن ابی سلیمان نے ان کی تنقیح اور وضاحت کی۔
حضرت امام اعظم نے اس کے بہت سے اصول وضع کیے اور ان سے مسائل کا استخراج فرمایا۔ اس لیے کہ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہ کو ابواب وکتب پر مدون فرمایا جیسا کہ آج کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب ''مؤطا'' میں آپ ہی کی اتباع کی۔ اس سے پہلے یہ علم صرف حفظ مسائل تک محدود رہا۔

امام ابو یوسف نے حضرت امام اعظم کے قواعد واصول میں دقت نظر سے کام لیا اور مزید فروع کے استنباط میں کوشش کی۔

حضرت امام محمد نے مسائل کے استنباط، ان کی تنقیح، تہذیب، اضافہ اور ان سب کو ضبط تحریر میں لا کر پیش کر دیا کہ اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی۔ اب جو کچھ ہے امام محمد کی تفریعات سے ہی اخذ کیا جاتا ہے۔

امام محمد نے مذہب حنفی کو جب تحریر کر دیا تو پھر اس کی تشریحات وتوضیحات کے لیے فقہائے احناف کمر بستہ ہوئے اور بے شمار کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ فقہی اصول کو مبوب ومفصل انداز میں پیش کیا گیا، اختلافی مسائل کی وضاحت کی گئی، فروع کے اسباب وعلل بیان کیے گئے، غرض کہ وہ سب کچھ بیان ہوا جو ایک فن کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

فقہ تقدیری

جب کوئی فن وضع ہوتا ہے تو اس میں صرف انہی اصول وفروع کا بیان نہیں ہوتا جو وقوع پذیر ہو چکے بلکہ وہ مسائل بھی معرض بحث میں آتے ہیں جو ابھی تک رونما نہیں ہوئے البتہ ان کا واقع ہونا ممکن ہے، چوں کہ فقہ بھی ایک فن کی حیثیت سے وضع ہوا جس میں تمام مسائل ممکنہ کے اصول متعین کیے گئے تو ایسے مسائل ان کے دائرے میں آئے جو کبھی بھی رونما ہو سکتے تھے۔

لہذا تقدیری فقہ سے مراد ان فرضی مسائل میں فتویٰ دینا جو ابھی تک وقوع پذیر نہ ہوئے ہوں۔

طبقات کتب

ان تمام طبقات فقہا کے بعد یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی کی کتابیں بھی تین طبقات میں منقسم ہیں۔

طبقہ اولیٰ: مسائل اصول

ان کو ظاہر روایت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب یعنی ائمہ ثلاثہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہیں۔ امام زفر اور امام حسن بن زیاد کے مسائل بھین بھی انھیں سے ملحق ہیں۔ مگر ظاہر روایت اکثر وبیشتر ائمہ ثلاثہ ہی کے اقوال ہیں۔ ان مسائل کو امام محمد کی یہ چھ کتابیں جامع ہیں:

(۱) مبسوط:

اس کو "کتاب الاصل" بھی کہا جاتا ہے اور آج کل اسی نام سے طبع ہو رہی ہے، یہ امام محمد کی طویل ترین کتاب ہے۔ راقم الحروف کے پاس اس کا جدید ایڈیشن ۱۲/جلدوں میں ہے۔

اس کتاب میں امام محمد نے بہت سے مسائل سے متعلق امام اعظم کے فتاوی بھی جمع کیے ہیں، اگر مسئلہ اختلافی ہو تو امام ابو یوسف اور امام محمد کا اختلاف بھی مذکور ہوتا ہے۔ جہاں اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا وہ متفق علیہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کو روایت کرنے والے متعدد حضرات ہیں، ان امام محمد کے شاگرد احمد بن حفص اور دوسرے ابو سلیمان جوزجانی ہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ امام محمد سے مبسوط کے متعدد نسخے مروی ہیں، سب سے بہتر نسخہ ابوسلیمان جوز جانی کا ہے، متاخرین کی ایک جماعت نے اس کی شرحیں لکھیں، جیسے شیخ الاسلام بکر خواہرزادہ نے، ان کی کتاب کا نام ''مبسوط کبیر'' ہے اسی طرح شمس الائمہ حلوانی وغیرہ نے بھی اس کی شروح تحریر کیں۔

[فتاوی شامی، مقدمہ:۱/۲۲۷]

(۲) الجامع الکبیر:

فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی دوسری کتاب ہے، اس میں مسائل فقہیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا ہے۔ نیز اس کتاب کی عربی بھی بے حد بلیغ ہے۔ جس طرح یہ کتاب فقہی طور پر حجت تسلیم کی جاتی ہے اسی طرح اسکی عربیت بھی زبان و بیان کے اعتبار سے حجت مانی جاتی ہے۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں حاجی خلیفہ نے اس کی پچاس سے زیادہ شروح کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے متعدد راوی ہیں۔ اور اس کے قلمی نسخے استنبول کے کتب خانوں میں بھی موجود ہیں۔

یہ کتاب امام محمد نے اگر چہ امام ابو یوسف سے روایت نہیں کی مگر اس کے مندرجات سے امام ابو یوسف آشنا تھے، لہذا بہت سے مسائل امام ابو یوسف سے بھی ماخوذ ہیں۔ علاوہ ازیں اور مسائل بھی ہیں جو امام محمد کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہیں، یا پھر انھوں نے یہ مسائل علما کی ذاتی ڈائریوں سے اخذ کیے ہیں۔

آپ نے یہ کتاب دو مرتبہ تصنیف کی، پہلی تصنیف کے راوی امام ابو حفص کبیر، ابوسلیمان جوز جانی، ہشام بن عبید اللہ رازی، محمد بن سماعہ اور کچھ دیگر تلامذہ تھے، پھر اس پر نظر ثانی کی اور بہت سے ابواب و مسائل بڑھا دیے، اکثر مواضع کی عبارتیں منقح کر دیں جس سے یہ کتاب حسن الفاظ اور کثرت معانی کے اعتبار سے پہلی تصنیف سے بڑھ گئی۔

بہت سے ائمہ نے اس کی شروح تحریر کیں، ان میں ابو بکر جصاص راشی، ابو اللیث سمرقندی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام بزدوی وغیرہم ہیں۔

(۳) الجامع الصغیر۔

فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے اس کتاب میں ۱۵۳۶ مسائل ہیں جن میں سے دو کے سوا باقی تمام مسائل کی بنیاد احادیث اور آثار پر رکھی ہے باقی دو مسئلوں کو قیاس سے ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام محمد سے فرمائش کی کہ وہ امام اعظم کے ان مسائل کو جمع کریں جو امام محمد نے امام ابو یوسف کی وساطت سے سماع کئے ہیں۔ جب یہ کتاب امام محمد نے لکھ کر امام

ابو یوسف پر پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور باوجود اپنی جلالت علمی کے سفر وحضر میں ہر جگہ اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔اس کتاب کے مسائل کی تین قسمیں ہیں۔پہلی قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر امام محمد کی دوسری کتب میں نہیں ہے۔دوسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر دوسری کتب میں ہے لیکن یہ تصریح نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے یا نہیں ، یہاں پر اس بات کی تصریح کردی ہے۔تیسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا محض اعادہ کیا ہے مگر وہ بھی تغییر عبارت کی وجہ سے افادہ سے خالی نہیں۔عہدۂ قضاء کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری خیال کیا جاتا تھا۔اس کی تیس سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں۔

(کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۱)

متاخرین میں سے ایک شرح مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے لکھی ہے اور اس کے شروع میں مبسوط مقدمہ ''النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں اس کتاب کی تمام خصوصیات اور اس کی شروح کا ذکر کیا ہے۔اس کتاب کے تمام مسائل بروایت امام محمد، امام ابو یوسف سے منقول ہیں ،اسی لیے ہر باب کا آغاز اس عبارت سے کرتے ہیں:

محمد عن يعقوب عن أبى حنيفة.

امام محمد سے یہ کتاب عیسی بن ابان اور محمد بن سماعہ نے روایت کی ہے۔اس کتاب کے مندرجات اگرچہ امام محمد کے جمع کردہ ہیں مگر ترتیب وتبویب آپ کی نہیں ، بلکہ یہ کام قاضی امام ابو طاہر دباس نے انجام دیا ہے تاکہ طلبہ پر اس کا حفظ ومطالعہ آسان ہوجائے۔

(۴) السیر الصغیر

علم فقہ میں امام محمد کی یہ چوتھی تصنیف ہے۔امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو سیر ومغازی کے باب میں جو کچھ املا کرایا یہ اس کا مجموعہ ہے۔

(۵) السیر الکبیر

فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی پانچویں تصنیف ہے۔سیر ومغازی کے موضوع پر یہ ایک انتہائی مفید کتاب شمار کی جاتی ہے۔اس کتاب میں جہاد وقتال اور امن وصلح کے مواقع اور طرق بیان کئے ہیں۔غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات ان کے حقوق وفرائض اور تجارتی اور عام معاملات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔اسلام کے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

یہ کتاب امام محمد کی انتہائی اہم اور ادق کتاب شمار کی جاتی ہے،قوت استدلال اور دقت بیان کے اعتبار سے یہ کتاب ان کی دیگر تمام کتب میں ممتاز ہے۔ہارون الرشید کو اس کتاب سے اس درجہ دلچسپی تھی

کہ اس نے اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کا سماع کرایا۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت امام سرخسی کی شرح کو حاصل ہوئی، یہ شرح مع متن حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے امام سرخسی سے نقل کیا کہ اس کا سبب تالیف یہ ہے کہ شام کے مشہور عالم امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی نے امام محمد کی ''السیر الصغیر'' دیکھی تو کہنے لگے، کہ یہ کتاب کس کی ہے، بتایا گیا کہ ''محمد عراقی'' کی، امام اوزاعی نے فرمایا: اہل عراق کو ایسی کتابوں کی تصنیف سے کیا تعلق، کیوں کہ سیر و مغازی سے تو وہ نابلد تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مغازی کا علم تو حجازی اور شامی صحابہ کو تھا۔ کیوں کہ عراق تو بعد میں فتح ہوا۔ امام محمد کو پتہ چلا تو آپ ناراض ہوئے اور بڑی محنت سے ''سیر کبیر'' مرتب کی، جب امام اوزاعی نے یہ کتاب دیکھی تو بولے: اگر اس میں احادیث نہ ہوتیں تو میں کہتا: یہ علم ان کا اپنا وضع کردہ ہے، اللہ تعالیٰ نے صحیح جواب کو ان کی رائے میں محصور فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلَيْهِمْ﴾ [یوسف:۷٦]

اور ہر علم والے سے زیادہ علم والا بھی ہے۔ [فتاوی شامی، مقدمہ ١/١٦٨]

(٦) الزیادات:

امام محمد کی یہ چھٹی تصنیف ہے جو سیر صغیر اور سیر کبیر کے تتمہ کے حکم میں ہے۔ کیونکہ سیر اور مغازی کے جو مسائل ان دو کتابوں میں رہ گئے تھے ان کا اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے استنبول کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں وہ مسائل درج ہیں جو کتب سابقہ میں نہیں۔ بعض علما نے یہ کتاب ظاہر الروایہ میں شمار نہیں کی ہے، مگر جمہور فقہا اسی طرف ہیں کہ یہ ظاہر الروایہ میں شامل ہے۔

ان کتب ستہ کو ظاہر الروایہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ امام محمد سے ثقہ راویوں کی روایت سے مروی ہیں، اور بطور تواتر یا کم از کم بطور شہرت ثابت ہیں۔

ان کے علاوہ ''کتاب الآثار'' اور ''کتاب الرد علی اہل المدینہ'' یہ دونوں کتابیں بھی اسی طرح کی شہرت رکھتی ہیں مگر ان کو ظاہر الروایۃ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتاب الاصل: (مبسوط)

کتاب الاصل کے مندرجات کی مزید توضیح

یہ کتاب بارہ جلدوں میں پانچ ہزار سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں دس ہزار سے

زیادہ مسائل مذکور ہیں۔ اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں، مشہور نسخہ وہ ہے جو ابوسلیمان جوزجانی سے مروی ہے۔ امام شافعی نے اس کو حفظ کر لیا تھا۔ ایک غیر مسلم اہل کتاب اس کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو محمد اکبر کی کتاب کی کیا شان ہوگی۔ (کشف الظنون ج۲ص۱۰۸۱)

فقہ حنفی میں شرح وبسط کے ساتھ سب سے پہلی جو کتاب لکھی گئی وہ امام محمد بن حسن شیبانی کی یہی ''کتاب الاصل'' ہے، اس کو ''اصل'' بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ گویا فقہ حنفی کی اصل ہے، باقی تمام کتابیں اسی پر متفرع ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا نام ''المبسوط'' ہے، اس کی وجہ تسمیہ بھی اسی طرح ہے کہ اس سے پہلے اتنی بسیط اور تمام ابواب کو جامع کوئی کتاب فقہ حنفی میں نہیں لکھی گئی۔

مجموعی طور سے یہ کتاب اب تک غیر مطبوع تھی، جو کچھ طبع ہو کر منظر عام پر آیا تھا وہ اس کے مختلف اجزا تھے، یہ پہلا موقع ہے کہ تمام اجزا یکجا منظر عام پر آئے ہیں۔ یہ کتاب بارہ ضخیم جلدوں میں ہے جو حال ہی میں ''دار ابن حزم، بیروت، لبنان'' سے چھپی ہے، سنہ طباعت ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء ہے۔ امام احمد رضا اکیڈمی کی عظیم لائبریری میں موجود ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کے اس سرمایہ کا قدرے تعارف کرادیں۔

اس سے قبل آپ پڑھ چکے کہ مذہب حنفی کی کتب اصول میں (جنھیں ظاہر الروایت کہا جاتا ہے) یہ کتاب ''الاصل'' یا ''المبسوط'' پہلے نمبر پر ہے۔ چوں کہ فقہی مذاہب میں اولیت مذہب حنفی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے علم فقہ کو فن کی حیثیت سے امام اعظم نے ہی مدون فرمایا اور ہزاروں مسائل کا استخراج واستنباط فرما کر ان کی تدوین وترتیب آپ کے ذریعہ ہی عمل میں آئی، جیسا کہ آپ متعدد بار پڑھ چکے ہیں۔

چنانچہ یہ کتاب الاصل اسی کا اولین نمونہ ہے، اس کتاب میں امام محمد نے اپنے دونوں استاذ ''امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے فتاویٰ اور ان سے منقول مسائل کو جمع کیا ہے، ساتھ ہی اپنے مسائل اور آرا کو بھی تحریر کیا ہے۔ بعض مقامات وہ بھی ہیں جہاں امام زفر، ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور اہل مدینہ کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔

یہ کتاب تمام فقہی کتب وابواب کو شامل ہے۔ کتاب میں دو طریقے اپنائے گئے ہیں:

پہلا طریقہ: سوال وجواب کے بغیر مسائل بیان کیے ہیں جیسا کہ کتب فقہیہ میں متون، شروح اور حواشی میں ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ: سوال وجواب کے ذریعہ مسائل کی تفہیم کرائی گئی ہے جس طرح فتاویٰ کی کتابوں میں مروج ہے۔

بعض کتب وابواب میں پہلا اور بعض میں دوسرا اسلوب اپنایا ہے مگر بعض ابواب ایسے بھی ہیں جن میں دونوں طریقے اپنائے گئے ہیں۔

ان اسالیب کے اعتبار سے تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا طریقہ ان ابواب میں اپنایا گیا ہے:

(۱) کتاب الصلاۃ	(۲) کتاب الزکاۃ	(۳) کتاب الھبۃ
(۴) کتاب الصید	(۵) کتاب الذبائح	(۶) کتاب المکاتب
(۷) کتاب الجنایات	(۸) کتاب الحدود	(۹) کتاب السرقہ
(۱۰) کتاب السیر	(۱۱) کتاب الودیعہ	(۱۲) کتاب العاریہ
(۱۳) کتاب الحیض	(۱۴) کتاب التحری	(۱۵) کتاب الاستحسان
(۱۶) کتاب البیوع	(۱۷) کتاب السلم	(۱۸) کتاب الرھن
(۱۹) کتاب القسمۃ	(۲۰) کتاب المضاربۃ	(۲۱) کتاب الرضاع
(۲۲) کتاب العتاق	(۲۳) کتاب العتق فی المرض	(۲۴) کتاب الوصایا
(۲۵) کتاب الفرائض	(۲۶) کتاب الولاء	(۲۷) کتاب الدیات
(۲۸) کتاب الدور	(۲۹) کتاب الخراج	(۳۰) کتاب الدعویٰ
(۳۱) کتاب البنیات	(۳۲) کتاب الاقرار	(۳۳) کتاب العبد الماذون
(۳۴) کتاب المفقود	(۳۵) کتاب الوقف	

دوسرا طریقہ ان ابواب میں ہے:

(۱) کتاب الآبق (۲) کتاب الحیل (۳) کتاب اللقطہ (۴) کتاب الغصب

ان کے علاوہ باقی کتب وابواب میں دونوں طریقے ملے جلے ہیں۔ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کتاب الصوم: اس میں باب اعتکاف تک سوال وجواب ہیں، اس کے بعد بغیر سوال وجواب۔

(۲) کتاب الایمان: اس میں فقط ایک مقام پر سوال وجواب ہے، باقی تمام مسائل بغیر سوال وجواب۔

(۳) کتاب الصرف: اس میں کم مقامات پر سوال وجواب ہیں، باقی اکثر جگہوں پر نہیں۔

(۴) کتاب الاجارات: اس میں تقریبا ایک ثلث مسائل سوال وجواب کے ذریعہ ہیں اور باقی

بغیر سوال وجواب۔

(۵) کتاب الشرکۃ: اس کے ایک مقام پرسوال و جواب ہیں اور سوال نہایت طویل ہے جس طرح آج کے فتاویٰ کی کتابوں میں بھی بسا اوقات سوال صفحہ دوصفحوں میں ہوتا ہے اس میں بھی نصف صفحہ پرسوال منقول ہے۔ باقی مسائل بغیر سوال وجواب مذکور ہیں۔

(۶) کتاب الطلاق: اس میں بھی ایک مقام پرسوال و جواب ہیں باقی مقامات پرنہیں، البتہ اس میں ایک باب مستقل ایک کلمہ کے ذریعہ تین طلاقوں کے واقع ہونے نہ ہونے کی بحث ہے۔

(۷) کتاب الاکراہ: اس میں متعدد مقامات پرسوال وجواب ہیں۔ اور کچھ مقامات پرنہیں، البتہ اس میں بعض مسائل کے سلسلہ میں احتجاج اور بحث ومباحثہ بھی ہے۔ اس کو ''فان قال قائل'' اور ''قیل لہ'' جیسے کلمات سے بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح مندرجہ ذیل ابواب میں مسائل مذکور ہیں۔

(۸) کتاب السیر (۹) کتاب العشر (۱۰) کتاب الشرب (۱۱) کتاب الحجر (۱۲) کتاب الشفعہ (۱۳) کتاب الخنثی (۱۴) کتاب العقل (۱۵) کتاب المزارعۃ (۱۶) کتاب النکاح (۱۷) کتاب الحوالۃ (۱۸) کتاب الکفالۃ (۱۹) کتاب الصلح (۲۰) کتاب الوکالۃ (۲۱) کتاب الشہادات (۲۲) کتاب الرجوع عن الشہادات (۲۳) کتاب الصدقۃ الموقوفۃ۔

احادیث آثار:

اس کتاب کو محض مسائل اور سوالات کے جوابات کے طرز پر ہی تحریر نہیں کیا گیا بلکہ مسائل کے دلائل کے طور پر احادیث وآثار بھی ہیں جو آپ نے اپنے اساتذہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام مالک وغیرہم کی سند سے ذکر کیے ہیں۔ کبھی کبھی ''بلاغات'' کا طرز بھی اپناتے ہیں جو متقدمین کا طرز رہا ہے۔ جیسے مؤطا میں امام مالک نے اپنایا۔ لہذا کہتے ہیں:

بلغنا عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .

ان تمام احادیث مرفوعہ، موقوفہ اور اقوال تابعین وغیرہ کی تعداد (۱۶۳۲) تک پہنچتی ہے۔

شروح کتاب:

اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔

شرح اول: شمس الائمہ حلوانی (ت: ۴۴۸ھ) نے اس کی شرح ''مبسوط'' نام سے لکھی۔

یہ امام عبدالعزیز بن احمد بخاری ہیں، نسبت میں حلوانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ حلوی فروخت فرماتے تھے، بخارا میں احناف کے امام تھے، امام سرخسی وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا۔ [الجواہر المضیہ :۲/ ۴۲۹]

شرح دوم:

شیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ (ت:۴۸۳) نے اس کی شرح ''مبسوط بکری'' کے نام سے لکھی۔ یہ امام محمد بن حسین بخاری ہیں، فقہائے احناف میں عظیم فقیہ تھے۔ انہی کی ''تجنیس'' اور ''مختصر'' بھی ہے۔ ان کو خواہر زادہ (بھانجا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے ماموں عظیم عالم تھے، اور ان کے استاذ بھی تھے۔

شرح سوم:

فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی (ت:۴۸۲) کی ایک شرح ''المبسوط للفتاویٰ'' کے نام سے ہے۔ کتب احناف مثلاً: کشف الاسرار للبخاری، تلویح، اور تقریر وتحبیر میں اس کی عبارات منقول ہیں۔

شرح چہارم:

امام علی بن منصور اسبیجابی (ت:۴۸۰) نے بھی شرح مبسوط کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کی عبارات کشف الاسرار اور تلویح میں موجود ہیں۔

واضح رہے کہ ''مبسوط'' کے نام سے مندرجہ ذیل فقہائے احناف کی کتابیں بھی ہیں:

۱۔ امام ابواللیث سمرقندی (ت:۴۸۰)

۲۔ شمس الائمہ سرخسی (ت:۴۸۳)

۳۔ صدر الاسلام محمد بن محمد بزدوی (ت:۴۹۳)

۴۔ ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی (ت:۵۵۶)

۵۔ علاء الدین اسبیجابی۔

ان کو بھی امام محمد کی اس کتاب کی شروح میں شمار کیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ ایسا ہو، مگر ان تمام کتابوں کا جواب تک مذکور ہوئیں طریقہ وہ نہیں جو متاخرین فقہا نے شروح کے لیے اپنایا کہ اصل کتاب کی عبارت کی تشریح اور پھر بحث، اس طرح شرح میں پورا متن بالفاظہ ملحوظ رہتا ہے۔

جس طرح اس کتاب کی توضیح وتشریح میں ائمہ احناف نے اپنی دل چسپی کا مظاہرہ فرمایا اسی طرح اس کے اختصار کے لیے بھی فقہا نے جد وجہد کی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل کتب اسی کی تلخیص واختصار ہیں۔

۱۔ الکافی للحاکم الشهید (ت: ۳۳٤)

۲۔ مختصر الاصل لمحمد بن ابراهيم الحنفی (ت: ۷۰۵)

۳۔ مختصر الاصل لابی نصر عبدالرحیم بن عصام البلخی۔

ان مختصرات میں ’’الکافی‘‘ کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور متعدد فقہا نے اس کی شروح تحریر کیں۔ان میں امام سرخسی کی ’’المبسوط‘‘ زیادہ مشہور ہے۔

فقہ حنفی میں یہ کتاب اصول کا درجہ رکھتی ہے اور ہدایہ وغیرہ میں جب مطلقاً ’’مبسوط‘‘ کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد یہ ہی مبسوط سرخسی ہوتی ہے۔

امام اسبیجابی اور شمس الائمہ حلوانی نے بھی اس کی شروح تحریر فرمائیں۔

’’کافی‘‘ کے مصنف امام محمد بن محمد بن احمد ابوالفضل مروزی بلخی ہیں جو’’حاکم شہید‘‘ کے نام سے مشہور ہیں۔اپنے زمانہ میں امام حنفیہ کے نام سے مشہور تھے۔بخارا کے قاضی رہے پھر امیر خراسان نے اپنا وزیر بنالیا تھا۔’’رے‘‘ ۳۳۴ھ میں شہید ہوئے۔

’’مبسوط‘‘ کے مصنف امام کبیر فقیہ اصولی شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی ہیں۔

’’سرخس‘‘ خراسان کا ایک شہر تھا،عبداللہ بن حازم مسلمی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں فتح کیا۔

آپ نے علم فقہ اپنے استاذ شمس الائمہ ابومحمد عبدالعزیز بن احمد حلوانی سے حاصل کیا اور استاذ کے لقب سے اپنے دور میں مشہور ہوئے۔آپ نہایت ذکی فقیہ اصولی مناظر تھے اور علم فقہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔

آپ نے ’’مبسوط‘‘ پندرہ جلدوں میں مراجعت کتب کے بغیر اپنے تلامذہ کو املا کرائی، اور آپ اس وقت ایک اندھے کنویں میں قید تھے، جرم یہ تھا کہ آپ نے سلطان وقت کو کسی غیر شرعی بات پر نصیحت کردی تھی۔

دوسری کتاب ’’شرح سیر کبیر‘‘ بھی آپ نے اسی عالم میں لکھوانا شروع کی ، ابھی دو جلدیں لکھوائی تھیں کہ آپ کو رہا کردیا گیا۔پھر آپ آخری عمر میں ’’فرغانہ‘‘ چلے گئے ، وہاں کے امیر نے آپ کی نہایت عزت وتوقیر کی، چنانچہ اس کتاب کی تکمیل آپ نے اسی امیر کے دربار میں کی۔

تیسری کتاب ’’شرح مختصر الطحاوی‘‘ ہے، یہ کتاب اپنی تحقیق انیق کے اعتبار سے فقہ حنفی میں نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز ہے۔

اسی طرح آپ نے امام محمد کی باقی تصانیف کی شروح تحریر فرمائیں۔

چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانی اگر محرر مذہب حنفی ہیں تو آپ مذہب حنفی کے شارح ہیں۔

آپ کا وصال ۴۹۰ھ میں ہوا۔ [مقدمۃ التحقیق علی المبسوط: ۴۸]

''کتاب الاصل'' جو اس وقت ہمارے پاس ہے اس کے محقق دکتور محمد بوینوکالن ہیں، انھوں نے کتاب کے ۲۵ رنسخوں سے تحقیق کے بعد اس کو مرتب کیا ہے، ان تمام نسخوں کی تفصیلات بھی انھوں نے اپنے مقدمہ میں تحریر کی ہیں۔ اسی سے اخذ کر کے ہم نے کتاب کا تعارف لکھا ہے۔

دراصل واقعہ یہ ہے کہ امام محمد نے یہ کتاب بالاستیعاب ترتیب وار فقہی ابواب پر نہیں لکھی۔ بلکہ یہ آپ کے مختلف اجزا کا مجموعہ ہے۔ یعنی کبھی مستقل کتاب الصلاۃ کو تحریر کیا تو کبھی کتاب النکاح کو، اسی طرح دوسرے ابواب فقہیہ، اسی لیے جن مخطوطہ نسخوں کا تذکرہ محقق نے کیا ہے ان میں سے چند کو چھوڑ کر باقی سب ایک دو، چار، چھ کتب فقہیہ پر مشتمل ہیں۔

کتاب الاصل کے مضامین

اس کتاب کا مقصد تصنیف فقہی مسائل اور جزئیات کو بیان کرنا ہے، استدلال وتعلیل احکام مصنف علیہ الرحمہ کا مقصد نہیں۔ پھر بھی بہت سے مقامات پر آپ نے دلائل شرعیہ کو بیان کیا ہے، بالخصوص اختلافی مسائل میں آپ کثرت سے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔

آپ نے ''کتاب ادب القاضی'' میں ادلہ شرعیہ کی ترتیب اور وضاحت بھی کی ہے اور مسلک حنفی میں ادلہ شرعیہ کو جو مقام حاصل ہے اس کو دلائل کے ذریعہ ثابت بھی کیا ہے۔

مثلاً: اس مقام پر کتاب وسنت اور اجتہاد کے سلسلہ میں حدیث معاذ بن جبل کا تذکرہ ہے۔ پھر آپ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکتوب کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ارسال کیا تھا۔ اس میں یہ عبارت تھی:

القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة ، الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب و السنة ، وأعرف الأمثال والأشباه ، وقس الأمور عند ذلك ، ثم أعمد إلى أحبها الى الله تعالىٰ واشبهها بالحق فيما ترى.

[الكافى للحاكم الشهيد ۱/ ۲۱۵]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت تو فقہ کے لیے بنیادی ماخذ ہیں، لہذا ان میں جو احکام ملیں ان کی پیروی ہوگی۔ اور اگر کوئی ایسا مسئلہ رونما ہو جو ان میں نہ مل سکے تو پھر اس مسئلہ کے نظائر وامثال پر قیاس

کیا جائے گا۔

پھر حضرت عمر فاروق اعظم کا ایک دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے، اس میں ہے کہ آپ نے ملک شام کے ایک جدید قاضی کو بلا کر پوچھا: تم کس طرح فیصلے کرو گے؟ انھوں نے کہا: کتاب اللہ کے احکام کی روشنی میں، فرمایا: اور اگر اس میں تمھیں وہ مسئلہ نہ ملا تو کیا کرو گے؟ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح فیصلہ فرمایا ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ فرمایا: اور اگر حضور کا بھی کوئی ایسا فیصلہ تم کو نہ مل سکا تو؟ عرض کیا: شیخین کریمین صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے فیصلوں کی روشنی میں، فرمایا: اور ان کے فیصلوں میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے فرمایا: تم واقعی قاضی ہو اور دار القضا کے اہل ہو۔

[الکافی للحاکم الشہید ۱/۲۱۶]

اس روایت سے قیاس کی حجیت ثابت ہوئی۔ امام سرخسی نے اس مقام پر فرمایا: حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی اتباع کے سلسلہ میں تو خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ لہذا صحابہ کرام بھی ان دونوں حضرات کے اجتہادات وتطبیقات اور فیصلوں کو سنت کا نام دیتے تھے۔

امام محمد نے اس مقام پر ایک تیسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ذکر کی ہے، آپ نے فرمایا: ہم پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ ہم سے کوئی مسئلہ دریافت نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہم اس منصب پر تھے، پھر حالات اس منزل پر آ گئے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، لہذا یاد رکھنا کہ جب تم میں سے کوئی قاضی یا مفتی کے منصب پر فائز ہو تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرے۔ اگر اس کو کتاب اللہ میں وہ مسئلہ نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق، اور اگر سنت رسول میں بھی نہ مل سکے تو صالحین (صحابہ کرام) نے جو فیصلے فرمائے ان کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور یہاں بھی اس کو نہ مل سکے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔

ان تمام روایات کے بعد امام محمد شیبانی فرماتے ہیں: چنانچہ قاضی ومفتی کے لیے لازم ہے کہ کتاب اللہ، پھر سنت رسول، پھر اجماع صحابہ سے حکم شرع سنائے۔ اگر ان میں سے کسی میں وہ مسئلہ نہ ملے اور صحابہ میں اس سلسلہ میں اختلاف نظر آئے تو ان کے اقوال میں تحری کرے، جو اس کی رائے میں احسن ہو اس پر عمل کرے، مگر اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ صحابہ کی مخالفت کر کے خود اپنی رائے کو اس میں دخل دے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ وہی ترتیب ہے جو امام اعظم نے واضح الفاظ میں خود بیان فرمائی ہے۔ غرض کہ امام محمد نے اپنی اس کتاب میں امام اعظم کے اصول کا پوری طرح التزام کیا ہے اور مذہب

حنفی کی کما حقہ توضیح فرمائی ہے۔ اسی لیے ظاہر الروایۃ میں یہ تمام کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے بلکہ اصل الاصول ہے۔

کتاب الاصل میں ادلہ شرعیہ کی تفصیلات کے ساتھ طرق استنباط، احکام تکلیفیہ، احکام وضعیہ اور اجتہاد وغیرہ فقہی امور کی توضیحات وتطبیقات شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔

طبقہ دوم: مسائل نوادر

یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب سے کتب ستہ میں نہیں، ہاں امام محمد کی دوسری کتابوں میں ہیں جن کا ثبوت تواتراً نہیں، جیسے کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات۔ یا پھر امام محمد کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہیں۔ جیسے ''کتاب مجرد'' جو حسن بن زیاد کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح ''أمالی أبي یوسف'' کہ ان کو امام ابو یوسف نے اپنے تلامذہ کو بٹھا کر املا کرایا تھا۔ اسی طرح وہ بعض مسائل جو ابن سماعہ اور معلیٰ بن منصور کی روایت سے منقول ہیں۔

طبقہ سوم: فتاویٰ اور واقعات

ان سے مراد مجتہدین کے وہ فتاوی ہیں جن کے دریافت کیے جانے پر متقدمین اہل مذہب کی کوئی روایت نہیں مل سکی لہذا انھوں نے ان کو خود استنباط کیا، یہ حضرات فقہا امام ابو یوسف اور امام محمد کے تلامذہ۔ یا پھر تلامذہ کے تلامذہ تھے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے مایا: امام ابو یوسف اور امام محمد کے تلامذہ میں یہ ائمہ تھے:

عصام بن یوسف۔ ابن رستم۔ محمد بن سماعہ۔ ابوسلیمان جوزجانی۔ ابوحفص بخاری۔

پھر ان کے بعد آنے والے اصحاب جیسے: محمد بن سلمہ۔ محمد بن مقاتل۔ نصیر بن یحییٰ۔ ابوالنصر قاسم بن سلام۔

واضح رہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ متاخرین اپنے سے سابق اصحاب مذہب کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انھیں ایسے دلائل واسباب کا علم ہو جاتا ہے جو ان سے پہلے ائمہ کو نہ تھا۔ [فتاوی شامی، مقدمہ: ۱/ ۲۲۷]

نیز فتاوی کے سلسلہ میں علامی شامی نے فرمایا:

وأول كتاب جمع في فتواهم فيما بلغنا ''كتاب النوازل'' للفقيه ابو الليث السمرقندي . [ایضا: ۱/ ۲۲۷]

فتاوی میں سب سے پہلی کتاب جو ہمیں پہنچی وہ ''فتاوی نوازل'' جس کو ابو اللیث سمرقندی نے تصنیف کیا۔

پھر ''عیون مسائل'' بھی انہی کی ہے۔ان کے بعد مجموع النوازل، واقعات ناطفی، واقعات صدر شہید وغیرہ کتب فتاویٰ لکھی گئیں۔

اس کے بعد متاخرین فقہا نے مسائل کو مخلوط انداز میں ذکر کرنا شروع کردیا کہ ان میں اصول، نوادر اور فتاویٰ سب طرح کے مسائل ہوتے۔ جیسے فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصۃ الفتاویٰ میں۔البتہ ان کے بعد ''محیط سرخسی'' میں امام رضی الدین سرخسی نے مسائل کو ترتیب وار ذکر کیا۔ پہلے اصول، پھر نوادر، اور پھر فتاویٰ و واقعات کو۔اس طرح متقدمین اور متاخرین فقہا میں پھر کوئی ایک اسلوب نہ رہا بلکہ جو فتاوی و واقعات کی جو اصطلاح وضع ہوئی تھی وہ اپنے ان قدیم معنی میں نہ رہی، اب تو صدیوں سے اصول، نوادر اور فتاوی و واقعات کا مخلوط علمی ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔اب تو یہ ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا اس نے سوال کیا اور مفتی شرع نے اپنی صواب دید پر اس کا جواب تحریر کردیا، خواہ وہ مسئلہ کتب اصول کی روشنی میں ہو یا نوادر کی۔ یا نوازل و واقعات سے منقول و ماخوذ ہو۔اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تاریخ اسلام میں محفوظ ہے۔بعض کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

کتب فتاویٰ

تیسری صدی ہجری:

فتاویٰ ابی بکر: شیخ محمد بن فضل بن عباس حنفی بلخی، متوفی: ۳۱۹ھ

فتاویٰ ابی القاسم: احمد بن عبداللہ بلخی حنفی، متوفی: ۳۱۹ھ

چوتھی صدی ہجری:

فتاویٰ ابن قطان: شیخ ابو العباس احمد بن ابی احمد طبری شافعی، متوفی ۳۳۵ھ

فتاویٰ ابی اللیث: شیخ نصر بن محمد بن احمد سمرقندی، متوفی: ۳۸۳ھ

آپ فقیہ ابو جعفر ہندوانی بلخی کے شاگرد ہیں، کتب فتاویٰ میں ان کی رائے اور اقوال بہت بڑے اعتماد کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں۔آپ کثیر التصانیف ہیں۔آپ کی تصانیف میں تفسیر القرآن، تنبیہ الغافلین، بستان العارفین، شرح جامع صغیر، النوازل، خزانۃ الفقہ، تاسیس النظائر، مختلف الروایہ۔

فتاویٰ ابن الحداد: شیخ ابوبکر محمد بن احمد بن محمد کنانی مصری، متوفی: ۳۴۵ھ
فتاویٰ الرستغفی: امام ابوالحسن علیل بن سعید حنفی رستغفنی، متوفی: ۳۴۳ھ

آپ امام ابومنصور ماتریدی کے تلامذہ سے ہیں اور شمس الائمہ حلوانی سے پہلے، اصحاب تخریج میں آپ کا شمار ہے۔ آپ سمرقند کے کبار مشائخ سے نہیں۔ رستغفن ایک گاؤں کے باشندے تھے جو سمرقند کے نواح میں ہے۔ آپ کی تصانیف میں ''ارشاد المہتدی۔ کتاب الزوائد۔ کتاب الخلافیات''۔

فتاویٰ عبداللہ بن عباس: شیخ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن خلیفہ مامون رشید،

پانچویں صدی ہجری:

فتاویٰ الاسبیجابی: امام ابونصر احمد بن منصور حنفی، متوفی: ۴۸۰ھ
فتاویٰ خواہرزادہ: امام ابوبکر محمد بن حسین بن محمد بخاری، متوفی: ۴۸۳ھ
فتاویٰ شمس الائمہ: شیخ عبدالعزیز بن احمد بن نصر حلوانی حنفی، متوفی: ۴۳۹ھ
فتاویٰ الفضلی: شیخ ابوعمرو عثمان بن ابراہیم اسدی حنفی، متوفی: ۵۰۸ھ
فتاویٰ خجندی: یہ مشائخ عصر کا فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو حسب ذیل ہیں:

شیخ بن محمد ترجمانی۔ شیخ علی بن احمد کرباسی۔ شیخ ابوحامد فضل بن محمد بن علی فقہی۔ شیخ حسن بن سلیمان خجندی۔ شیخ عمر بن علی روبی، شیخ عبدالرحیم خقنی۔ شیخ ابوعبداللہ وبری۔ شیخ یوسف بن محمد ترجمانی۔ شیخ ابوالفضل کرمانی۔ شیخ عمر بن عبدالعزیز برھان الائمہ۔ شیخ حسن بن علی مرغینانی۔ شیخ عمر نسفی۔ شیخ محمد بن یوسف بقائی۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم وبری۔ شیخ ابوذر خطیبی۔ شیخ عبدالسید خطیبی۔ شیخ یوسف بن محمد بلالی۔ شیخ عبدالعزیز بن احمد حلوانی وغیرہم۔

فتاویٰ سغدی: امام رکن الاسلام قاضی ابوالحسن علی بن حسین سغدی مفتی حنفیہ، متوفی: ۴۶۱ھ

نہایت عظیم فقیہ اور مناظر تھے، بخارا میں مفتی و قاضی کے منصب پر فائز تھے، اور دور دراز سے آپ کے پاس استفتے آتے اور آپ جواب رقم فرماتے۔ شمس الائمہ سرخسی کے شاگرد ہیں۔ فتاویٰ قاضی خاں اور دوسرے بہت سے فتاویٰ میں آپ کے اقوال مذکور ہیں۔ آپ نے ''جامع کبیر'' کی شرح بھی تحریر فرمائی تھی۔ ''سغد''، سمرقند کا ایک گاؤں ہے اسی کی طرف منسوب ہیں۔

چھٹی صدی ہجری:

فتاویٰ ابی الفضل: شیخ عبدالرحمٰن بن محمد کرمانی حنفی، متوفی: ۵۴۳ھ

یہ خراسان میں احناف کے امام تھے، ''مرو'' شہر میں آئے۔ اور قاضی محمد بن حسین اردستانی فخر القضا ۃ سے علم فقہ حاصل کیا، پھر وہیں درسگاہ لگائی جہاں بہت سے طلبہ آپ کے پاس آئے اور عوام وخواص میں آپ کی شہرت ہوئی، پھر آپ کے تلامذہ ہر طرف پھیل گئے اور آپ کی تصانیف کا خراسان اور عراق میں خوب چرچا ہوا۔ آپ کی تصانیف میں ''جامع کبیر۔ تجرید فی الفقہ۔ ایضاح شرح تجرید'' وغیرہا ہیں۔

فتاویٰ التمر تاشی: امام ابو محمد ظہیر الدین احمد بن ابی ثابت اسماعیل بن محمد حنفی مفتی خوارزم، متوفی:۶۰۰ھ

فتاویٰ حسام الدین: شیخ عمر بن عبد العزیز بن مازہ شہید، متوفی:۵۳۶ھ

آپ کا لقب برہان الائمہ ہے اور صدر شہید سے مشہور ہیں، اپنے والد سے علم فقہ حاصل کیا، آپ کے فتاویٰ میں فتاویٰ صغریٰ اور فتاویٰ کبریٰ دونوں ہیں، نیز آپ کی تصانیف میں شرح جامع صغیر ہے، صاحب ہدایہ نے ان کو اپنے اساتذہ میں شمار کیا اور فرمایا کہ وہ میرا نہایت اکرام کرتے اور مجھے اپنے خاص تلامذہ کے درس میں شامل فرماتے۔

فتاویٰ الدیناری: شیخ علاء الدین عمر بن عثمان دیناری حنفی، متوفی:۵۹۰ھ

فتاویٰ سراجیہ: شیخ سراج الدین اوشی حنفی،

الفتاویٰ البخاریہ: شیخ صدر الاسلام طاہر بن محمد بن احمد بخاری حنفی، متوفی:۵۰۴ھ

الفتاویٰ الظہیریہ: شیخ ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد قاضی بخاری حنفی، متوفی:۶۱۹ھ

اس میں ایسے مسائل ہیں جن کی ضرورت عام طور پر لوگوں کو ہوتی ہے، مصنف نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس میں بہت سے فوائد کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے اس کے مسائل کا انتخاب کر کے ایک کتاب مرتب فرمائی جس کا نام ''المسائل البدرية المنتخبة من الفتاوى الظهيرية'' رکھا اور فرمایا یہ ایسی کتاب ہے جس میں متقدمین کی کتابوں کی ایسے مسائل ہیں جن سے علمائے متأخرین کو استغنا نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان: امام فخر الدین حسن بن منصور ت اوزجندی فرغانی، متوفی:۵۹۲ھ

اس کو خانیہ بھی کہتے ہیں، یہ نہایت معتبر اور مقبول فتاویٰ ہیں، حکام اور مفتیان کرام کے لیے نہایت اہم، علما اور فقہا کے درمیان اس کے مسائل نہایت معتبر ہیں اور شب وروز پیش آنے والے مسائل کو بیان کیا گیا ہے، ترتیب بھی بہت عمدہ ہے، جس مسئلہ میں متاخرین کے بہت سے اقوال ہوتے ہیں وہاں ایک یا دو قول جو مفتیٰ بہ ہوتے ہیں اسی کو تحریر کرتے ہیں جیسا کہ امام قاضی خاں نے خود ہی مقدمہ میں اس کی صراحت کر دی ہے۔ امام قاضی خاں مجتہد فی المسائل تھے، آپ کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے،

کیوں کہ آپ فقیہ النفس تھے۔

فتاویٰ الکبریٰ: امام صدر کبیر شہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز حنفی، متوفی: ۵۳۶ھ

فتاویٰ نسفیہ: شیخ نجم الدین عمر بن محمد نسفی الشہیر بعلامہ سمرقند،

فتاویٰ شہاب الدین: امام شہاب الدین حنفی، متوفی: ۵۳۶ھ

فتاویٰ الصغریٰ: شیخ امام عمر بن عبد العزیز معروف بحسام الدین شہید، متوفی: ۵۳۶ھ

خلاصۃ الفتاویٰ: امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری سرخسی، حنفی، متوفی: ۵۴۲ھ

ان فتاویٰ کو مصنف نے اپنی تصنیف ''خزانۃ الواقعات'' کے بعد لوگوں کے اصرار پر بطور خلاصہ تحریر فرمایا ہے، اس میں فقہی روایات غیر مکرر جمع کی گئی ہیں، مفتیان کرام کے لیے نہایت مفید کتاب ہے۔

فتاویٰ واسطیہ: شیخ عماد الدین ابو حامد محمد بن یونس موصلی شافعی، متوفی: ۶۰۸ھ

کثیر التصانیف بزرگ گزرے ہیں، کہا جاتا ہے کہ علمی جاہ وجلال میں حضرت بن ہمام کے پایہ کے تھے اور کثرت تصانیف میں امام سیوطی کے مدمقابل قرار دیے جاتے تھے۔

فتاویٰ ابن ابی عصرون: فقیہ شام ابو سعد عبد اللہ بن محمد موصلی تمیمی شافعی متوفی: ۸۵۸ھ

فتاویٰ شہاب الدین: امام شہاب الدین حنفی، متوفی: ۵۳۶ھ

فتاویٰ الارغیانی: شیخ ابو نصر محمد بن عبد اللہ شافعی، متوفی: ۵۳۸ھ

ساتویں صدی ہجری:

فتاویٰ ابن ابی الام: شیخ شہاب الدین ابراہیم بن عبد اللہ حموی، متوفی: ۶۴۲ھ

فتاویٰ العربیہ: شیخ جمال الدین محمد بن عبد اللہ بن مالک نحوی، متوفی: ۶۷۲ھ

فتاویٰ الوبری: حنفی، متوفی: ۶۰۸ھ

الفتاویٰ الولوالجیہ: شیخ ظہیر الدین ابی المکارم اسحاق بن ابی بکر حنفی، متوفی: ۷۱۰ھ

مصنف نے صدر شہید کی کتاب ''الجامع لنوازل الاحکام'' کے مسائل کی تفصیل کر کے بہت سے اہم فتاویٰ شامل کیے ہیں اور امام محمد کی کتابوں سے بہت سے مسائل وفوائد بڑھائے ہیں تاکہ یہ کتاب مسائل وقوائد فقہیہ کے لیے جامع ہو جائے۔

فتاویٰ ابن مالک: شیخ جمال الدین محمد بن عبد اللہ نحوی، متوفی: ۶۷۲ھ

فتاویٰ موہوب: ابن عمر بن موہوب جزری شافعی، متوفی: ۶۷۵ھ

فتاویٰ ابن رزین: شیخ محمد بن حسین حموی شافعی، متوفی: ۶۸ھ

فتاویٰ ابن الصلاح: شیخ ابونصر عبدالسیر بن محمد بغدادی شافعی۔ متوفی: ۴۷۷ھ

فتاویٰ ابن الصلاح: شیخ ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہزوری شافعی، متوفی: ۶۴۳ھ

فتاویٰ ابن عبدالسلام: شیخ عزالدین بن عبدالعزیز شافعی، متوفی: ۶۶۰ھ

آٹھویں صدی ہجری:

فتاویٰ جلال الدین: شیخ جلال الدین بن احمد بن یوسف ترکمانی بنانی حنفی، متوفی: ۷۹۳ھ

فتاویٰ حنفیہ: علامہ شیخ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی: ۷۹۳ھ

فتاویٰ السبکی: شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی، متوفی: ۷۵۶ھ

فتاویٰ نووی: امام محی الدین یحییٰ بن شرف نوری، متوفی: ۶۷۶ھ

فتاویٰ طرسوسیہ: شیخ نجم الدین ابراہیم بن علی طرسوسی حنفی، متوفی: ۷۵۸ھ

فتاویٰ التاتارخانیہ: علامہ فقیہ امام عالم بن علاء اندریتی ھلوی ھندی، متوفی: ۷۸۶ھ

اس کی ترتیب ہدایہ کے طرز پر ہے اس کے مآخذ میں محیط برھانی، ذخیرہ، خانیہ اور ظہیریہ ہیں۔ مصنف علم فقہ وفتاویٰ اور عربی زبان میں یدطولی رکھتے تھے۔ چوں کہ یہ فتاویٰ خان اعظم تا تارخان کی فرمائش پر لکھ گئے تھے لہذا اس کا یہ نام ہوا۔ فی الحال یہ چار جلدوں میں ہیں۔

خیرۃ الفتاویٰ: امام علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصیرالدین ملکان برتوانی حنفی۔

اس میں مفتی بہ اقوال اصح واصوب جمع کی گئے ہیں۔ غیر مفتی بہ اقوال اس میں نہیں۔

فتاویٰ ابن عقیل: شیخ ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن نحوی شافعی متوفی: ۷۸۲ھ

فتاویٰ ابن فرکاخ: شیخ برھان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم فزاری مصری شافعی، متوفی: ۷۲۹ھ

فتاویٰ الزرکشی: شیخ بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ مصری شافعی، متوفی: ۷۹۴ھ

نویں صدی ہجری:

فتاویٰ حنبلی زادہ: شیخ ابراہیم بن قاسم حلبی حنفی، متوفی: ۹۰۳ھ

فتاویٰ قاسمیہ: شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی تلمیذ ابن الہمام، متوفی: ۸۷۹ھ

مصنف، علامہ ابن حجر عسقلانی اور قاری ہدایہ کے شاگرد ہیں۔ ۸۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔

فتاویٰ الکردری: شیخ محمد بن محمد،

فتاویٰ قاری الھدایہ: علامہ سراج الدین عمر بن اسحٰق غزنوی حنفی ہندی، متوفی: ۸۲۹ھ

فتاویٰ ابن ابی شریف: شیخ کمال الدین محمد بن امیر ناصر الدین محمد بن ابی بکر بن علی مقدسی شافعی،
متوفی:۹۰۳ھ

فتاویٰ بزازیہ: شیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب کردری حنفی، متوفی:۸۲۷ھ

مصنف ابن بزاز کے نام سے مشہور ہوئے۔ مصنف نے اس کا نام ''الجامع الوجیز'' رکھا تھا، مفتیان کرام اس کے معتبر و مستند ہونے پر متفق ہیں، مفتی انام علامہ ابو سعود مفسر فقیہ رومی اس کے معتبر ہونے کی شہادت دے چکے ہیں۔ واقعیہ ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اتنے عظیم فقیہ ہیں پھر آپ اہم مسائل کیوں نہیں جمع کر دیتے کہ لوگوں کو عظیم نفع حاصل ہو۔ فرمایا: مجھے بزازیہ کے مصنف سے شرم محسوس ہوتی ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے جامع فتاویٰ میں اہم مسائل کو نہایت تحقیق کے ساتھ بیان کر دیا ہے، تو اب کیا لکھوں اور کیوں تحصیل حاصل کے درپے رہوں۔ اس واقعہ سے فتاویٰ بزازیہ کی عظمت واضح ہے۔

دسویں صدی ہجری:

فتاویٰ ابن الشبلی: شیخ شہاب الدین احمد بن یونس حنفی، متوفی:۱۰۱۰ھ

فتاویٰ ابی سعود: محمد عمادی حنفی ترکی، متوفی:۹۸۳ھ

یہ فتاویٰ ترکی زبان میں ہیں جس کو وقتاً فوقتاً مستفتیوں کو عند الحاجت دیا کرتے تھے، ان فتاویٰ کے جامع مولانا توزن زادہ محمد بن احمد متوفی ۹۸۳ھ ہیں۔

الفتاویٰ الزینیہ: فی الفقہ الحنفیہ: شیخ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم مصری۔ متوفی:۹۷۰ھ

فتاویٰ السندی: امام عطاء اللہ بن حمزہ حنفی

فتاویٰ الشعرانی: امام عبد الوہاب بن احمد مصری شعرانی شافعی، متوفی:۹۷۳ھ

فتاویٰ عدلیہ:

الفتاویٰ الحامدیہ: شیخ حامد بن محمد قونوی مفتی روم، متوفی:۹۸۵ھ

یہ فتاویٰ چار جلدوں میں ہیں، علامہ شامی نے اس کی تنقیح کی ہے۔

الفتاویٰ القاعدیہ: امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی قاعدی خجندی،

فتاویٰ ابن کمال پاشا: علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان رومی، متوفی:۹۴۰ھ

جواہر الفتاویٰ: امام رکن الدین ابو بکر محمد بن عبد الرشید کرمانی حنفی، متوفی:

یہ فتاویٰ کتاب الطہارۃ سے کتاب الشرکۃ تک قلمی ۳۱۴ صفحات میں رضا لائبریری رامپور میں موجود ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری:

فتاویٰ خیریہ: علامہ خیرالدین بن احمد بن علی رملی حنفی متوفی: ۱۰۸۱ھ

آپ کی ولادت ۹۹۳ھ میں ہوئی، ''رملہ'' شہر کی طرف نسبت کی وجہ سے ''رملی'' ہیں جو فلسطین میں ہے، صاحب درمختار کے استاذ ہیں اور سراج الدین خانوتی کے شاگرد رشید ہیں۔

فتاویٰ رضائی: شیخ علی بن محمد، متوفی: ۱۰۳۹ھ

فتاویٰ شیخ الاسلام: شیخ یحییٰ آفندی بن شیخ الاسلام زکریا آفندی،

فتاویٰ الانقروی: شیخ الاسلام فاضل کامل مولانا محمد بن حسینی، متوفی: ۱۰۹۸ھ

اس میں اکثر مفتیٰ بہ مسائل فقہیہ کو جمع کیا گیا ہے، ممالک روم اور شام میں اس کو مقبولیت حاصل ہوئی، مصر میں یہ چھپ چکے ہیں۔

بارہویں صدی ہجری:

الفتاویٰ الہندیہ: رئیس الجامعین علامہ شیخ نظام الدین و جماعۃ من علمائے الہند، متوفی

یہ فتاویٰ چھ ضخیم جلدوں میں ہیں۔ ان کو نہایت مقبولیت حاصل ہوئی، ہندو پاک کے علاوہ عرب وعجم پوری دنیائے اسلام میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اکابر علمائے ہند نے سلطان اسلام ابوالظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم پر ان فتاویٰ کو جمع کیا، اس میں فقہ وفتاویٰ کی تقریباً ایک سو کتابوں سے استناد کیا گیا ہے۔ اور ہر مسئلہ کے آخر میں کتاب کے نام کا حوالہ۔ بعض کتابیں یہ ہیں:

جب یہ فتاویٰ مکمل ہوگئے تو حضرت عالم گیر اس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور علمائے کرام کو انعام میں دولاکھ روپے عنایت کیے۔ ایک روایت کے مطابق ان فتاویٰ کی تدوین میں ہندوستان کے پانچ سو مفتیان کرام شریک تھے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) علامہ سید ملا نظام الدین ٹھٹوی۔ یہ سرخیل جماعت تھے، عظیم فقیہ اور جملہ علوم وفنون کے جامع تھے۔

(۲) ملا حامد جونپوری، (معلم شہزادہ اکبر)

(۳) مولانا قاضی محمد حسین جونپوری (قاضی شہر جونپور الہ آباد)

(۴) مولانا ابوالخیر ٹھٹھوی

(۵) ملا محمد جمیل صدیق جونپوری

(٦) مولانا جلال الدین محمد، مچھلی شہری جونپوری۔

تیرہویں صدی:

فتاویٰ شامی: علامہ محمد امین بن عابدین شامی متوفی:۱۲۵۲ھ

اس کتاب کا نام ”ردالمحتار“ ہے اور فتاویٰ شامی کے نام سے مشہور ہے۔ درحقیقت علامہ شامی نے یہ کتاب بطور ”حاشیہ درمختار“ لکھی ہے جو علامہ علاء الدین محمد ابن علی حسنی حصکفی کی تصنیف ہے، اور تنویر الابصار کی شرح ہے، جس کے مصنف شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ خطیب تمرتاشی غزنی ہیں۔

علامہ شامی نے اس کتاب کو فقہ وفتاویٰ کی سیکڑوں کتابوں کا عطر تحقیق بنا کر پیش کیا ہے، فقہائے کرام کے یہاں اس کتاب پر نہایت اعتماد ہے۔

حضرت مصنف کی ولادت ۱۱۹۸ھ دمشق (شام) میں ہوئی، بچپن میں قرآن حفظ کرلیا، پھر شیخ سعید حلبی اور شیخ اطبراہیم حلبی سے علوم وفنون حاصل کیے، پچاس سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں جن میں اکثر فقہ وفتاویٰ سے متعلق ہیں۔ ان میں ”ردالمحتار“ (فتاویٰ شامی) منحۃ الخالق، حاشیہ البحر الرائق، عقود الدریہ فی الفتاویٰ الحامدیہ نہایت اہم ہیں۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ شامی پر ۷؍جلدوں میں جدالممتار کے نام سے حاشیہ لکھا جو طبع ہو چکا ہے۔

عقود الدریہ فی تنقیح فتاویٰ الحامدیہ: علامہ شیخ محمد امین بن عابدین متوفی:۱۲۵۲ھ

حالات مصنف ابھی گزرے ہیں۔

فتاویٰ حامدیہ: علامہ مولانا مفتی ابوالفتح رکن بن حسام ناگوری، متوفی:

یہ فتاویٰ دو جلدوں میں ۱۲۴۱ھ میں مرتب ہوئے اور پہلی بار کلکتہ میں چھپے۔ مصنف نے دیباچہ میں ان فتاویٰ کا ماخذ دوسو پانچ کتابوں کو بتایا ہے اور سب کا نام تفصیل سے شمار کیا ہے۔

فتاویٰ عزیزیہ: علامہ شاہ عبدالعزیز حنفی محدث دہلوی، متوفی:۱۲۳۹ھ

یہ فتاویٰ بھی دو جلدوں میں تھی۔ علوم حدیث وفقہ حنفی میں حضرت محدث دہلوی کا پایہ نہایت رفیع تھا۔

فتاویٰ ارشادیہ: علامہ مفتی ارشاد حسین مجددی رامپوری، متوفی:۱۳۱۱ھ

آپ امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد سے ہیں، رامپور میں آپ کی ولادت ۱۲۴۸ھ میں ہوئی، فارسی کی تعلیم والد ماجد حکیم احمد حسین مجددی سے حاصل کی، علوم نقلیہ فرنگی محل کے علما سے اور علوم عقلیہ ملا محمد نواب خاں تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی سے حاصل کیے۔ نواب کلب علی خاں والی رامپور کو آپ سے نہایت عقیدت تھی، آپ ہی کی بدولت نواب صاحب سنیت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے فتاویٰ دو جلدوں میں ہیں جو ۱۹۲۸ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئے۔

مجموعۃ الفتاویٰ: علامہ مولانا عبدالحئی لکھنوی، متوفی:۱۳۰۴ھ

یہ فتاویٰ تین جلدوں میں ہیں، اس کی تیسری جلد میں سوال بھی خود مصنف کے ہیں، اول اور دوم میں بہت سے فتاویٰ دیگر مفتیان کرام کے ہیں اور آپ کی تصدیق وتصویب ہے، مگر اصل مفتی کا نام مذکور نہیں، اس مجموعہ فتاویٰ میں ایسے فتاویٰ بھی ہیں جو احناف اور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں۔

مصنف فرنگی محل لکھنو کے علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، والد ماجد مولانا عبدالحلیم نہایت عظیم عالم اور مدرس تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۴ھ میں ہوئی۔ دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا، سترہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی، جو کتاب پڑھتے فورا بعد اس کا درس بھی دیتے، تمام کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، فقہ ریاضی اپنے ماموں مولانا نعمت اللہ فرنگی سے پڑھیں۔ شب وروز مطالعہ کتب کا شوق تھا، عمر مستعار کم لے کر آئے تھے، عالم شباب میں فقط ۳۹ر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے مختلف علوم وفنون سے متعلق درسی کتب پر حواشی لکھے اور ۱۲۰ر کتابیں اپنی یادگار چھوڑی، ۱۳۰۴ھ میں انتقال ہوا۔

بعض دیگر کتب فتاویٰ جن کے مصنف اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہوئے

مغنی المستفتی عن سوال المفتی:	فتاویٰ ابن عبدالسلام:	فتاویٰ ابن مالک
فتاویٰ موہوب:	فتاویٰ برہنہ:	فتاویٰ ابوجعفر بلخی حنفی:
فتاویٰ ابن القاص:	فتاویٰ ابی عبداللہ:	فتاویٰ الاسنوی:
فتاویٰ الافطس:	فتاویٰ البغوی:	فتاویٰ البلقینی:
الفتاویٰ الجلالیہ:	فتاویٰ الحموی الشافعی:	فتاویٰ الخاصی:
فتاویٰ الحیاطی:	فتاویٰ الرافعی:	فتاویٰ السراقی الشافعی:
فتاویٰ سیف الائمہ حنفی:	فتاویٰ شرف الدین مکی:	فتاویٰ صاعد:
فتاویٰ عبادی:	فتاویٰ عبدالصمد:	فتاویٰ الغزی:
فتاویٰ العصر:	فتاویٰ الغریب:	فتاویٰ القاضی زکریا:
فتاویٰ مبسوط:	فتاویٰ مجدالدین ترجمانی حنفی:	فتاویٰ مناوی:
الفتاویٰ المنصوریہ:	الفتاویٰ المنہاجیہ:	فتاویٰ ناطقی:

چودھویں صدی:

فتاویٰ رضویہ

امام اہل سنت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں محدث بریلوی

یہ فتاویٰ جہازی سائز کے دس ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل بارہ جلدوں میں تھے۔اب جدید طرز پر ترتیب و کتابت اور تخریج کے بعد تیس جلدوں میں ہیں۔ان فتاویٰ کی خصوصیات وہ نہیں جو اس مختصر میں بیان کر دی جائیں۔ چند گوشے علامہ عبدالحکیم شرف قادری کے ''کلمات آغاز'' سے ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے ترتیب جدید کی جلد اول پر بطور مقدمہ تحریر فرمائے:

عام طور پر مفتیان کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں، فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو بجائے خود مفتی تھے، مصنف تھے، جج تھے یا وکیل تھے، مولانا خادم حسین فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے:

''امام احمد رضا بریلوی............بحیثیت مرجع العلما''

اس مقالہ میں انہوں نے فتاویٰ رضویہ کی نو جلدوں (پہلی سے ساتویں اور دسویں گیارہویں جلد) کا مطالعہ پیش کیا ہے، ان کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پچانوے (۴۰۹۵) استفتا ہیں، جن میں سے تین ہزار چونتیس (۳۰۳۴) عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ (۱۰۶۱) استفتا علما اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علما اور دانشوروں کی ہے۔یہی وجہ کہ عموماً امام احمد رضا بریلوی جواب دیتے وقت ہاں یا نہیں میں بات نہیں کرتے بلکہ دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔مولانا خادم حسین کا یہ مقالہ فتاویٰ رضویہ کی پیش نظر جلد (اول) میں شائع کیا جا رہا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کی جلالت علمی کا یہ عالم تھا کہ انہیں جو عالم بھی ملا عقیدت و احترام سے ملا اور ہمیشہ کے لیے ان کا مداح بن گیا۔حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی، عظیم محدث اور عمر میں بڑے ہونے کے باوجود امام احمد رضا بریلوی سے اس قدر والہانہ تعلق رکھتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔حضرت علامہ مولانا سراج احمد خان پوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علم میراث میں تو

انہیں تخصص حاصل تھا۔الزبدۃ السراجیہ لکھتے وقت ذوی الارحام کی صنف رابع کے بارے میں مفتیٰ بہ قول دریافت کرنے کے لیے دیو بند سہارنپور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا، کہیں سے تسلی بخش جواب نہ آیا، پھر انہوں نے وہی سوال بریلی بھجوادیا، ایک ہفتے میں انہیں جواب موصول ہو گیا جسے دیکھ کر ان کا دماغ روشن ہو گیا اور تازیست امام احمد رضا بریلوی کے فضل وکمال اور تبحر علمی کے گن گاتے رہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ امام احمد بریلوی سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی ان کی فقاہت اور تبحر علمی کے قائل ہیں۔کون نہیں جانتا کہ امام احمد رضا بریلوی نے ندوۃ العلما کی صلح کلیت کا سخت تعاقب اور رد کیا تھا، اس کے باوجود ندوہ کے ناظم اعلیٰ ابوالحسن علی ندوی لکھتے تھے:

''ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب ''کفل الفقیہ'' شاہد ہے جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظّمہ میں لکھی''۔

گزشتہ سال مولانا کوثر نیازی ہندوستان گئے تو ندوۃ العلما لکھنو بھی گئے، واپسی پر انہوں نے اپنے تاثرات میں ندوہ کے بارے میں لکھا کہ اس کے ہال میں ہندوستان کے ممتاز علما کا امتیازی مقام واضح کرنے کے لیے چارٹس آویزاں کیے گئے تھے، چنانچہ علم فقہ میں ممتاز شخصیت کی حیثیت سے حضرت مولانا احمد رضا خاں کا نام لکھا ہوا تھا۔تذکرہ وتاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کیے بغیر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اس دور میں بڑے بڑے فقہاء ہو گزرے ہیں ان سب میں ممتاز فقیہ کے طور پر امام احمد رضا بریلوی کا نام منتخب کرنا اور وہ بھی ان کے مخالفین کی طرف سے، ان کے فضل وکمال کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ع: "الفضل ما شهدت به الاعداء"

(فضیلت وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیں)

امام احمد رضا بریلوی میں بہت سی مجتہدانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان کے بیان واستدلال میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک دکھائی دیتی ہے، اس کے باوجود تکبر اور عجب کی زد میں نہیں آتے، وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ میں مجتہد ہوں اور براہ راست کتاب وسنت سے استدلال کرتا ہوں، بلکہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد کی حیثیت سے فتویٰ دیتے ہیں اور مذہب حنفی کی تائید وحمایت میں ہی دلائل فراہم کرتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں وہ اپنے فتاویٰ کی حیثیت کا تعین کس انداز میں کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

’’فتوے کی دوقسمیں ہیں (۱) حقیقیہ (۲) عرفیہ۔

فتوائے حقیقیہ تو یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کی معرفت کی بنا پر فتویٰ دیا جائے، ایسے حضرات کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ فتویٰ دیا، فتوائے عرفیہ یہ ہے کہ ایک عالم امام کی تقلید کرتے ہوئے اس کے اقوال بیان کرے اور اسے تفصیلی دلیل کا علم نہ ہو، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابن نجیم، غزی، طوری کے فتاویٰ اور فتاویٰ خیریہ، اسی طرح زمانے اور مرتبے میں مؤخر فتاویٰ کو فتاویٰ رضویہ تک گنتے چلے جائیے۔ اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کو باعث خوشنودی اور پسندیدہ بنائے۔ آمین

انہوں نے کثیر مقامات میں اکابر فقہاء متقدمین سے اختلاف کیا ہے لیکن کیا مجال ہے کہ ان کی شان میں بے ادبی کا کوئی کلمہ کہہ دیں یا ایسا کلمہ کہہ دیں جو ان کے شایان شان نہ ہو، وہ اپنی تنقید اور گرفت کو معروضہ یا تطفل (بچپنے) سے تعبیر کرتے ہیں، آج بعض علماء کو اللہ تعالیٰ نے وسعت علمی عطا فرمائی ہے تو وہ بزرگوں کے بارے میں ایسا لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں جیسے کسی طفل مکتب سے ہم کلام ہوں، یہ رویہ کسی طرح بھی قابل تحسین نہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی

ولادت اور تعلیم:

آپ کی ولادت ۱۰؍شوال ۱۲۷۲ھ/۱۴؍جون ۱۸۵۶ء بریلی شریف (یو۔ پی) میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد رئیس الاتقیا مفتی نقی علی خاں اور جد امجد مولانا رضا علی خاں قدس سرہما اپنے دور کے اکابر علما اور اولیا میں سے تھے، آپ کے آباء واجداد قندھار (افغانستان) سے ہجرت کر کے پہلے لاہور پھر بریلی میں قیام پذیر ہو گئے۔

محدث بریلوی قدس سرہ نے تمام مروجہ علوم وفنون اپنے والد ماجد سے پڑھ کر تقریباً چودہ ۱۴؍ سال کی عمر میں سند فضیلت حاصل کی اور مسند تدریس وافتا کو زینت بخشی، والد ماجد کے علاوہ حضرت شاہ آل رسول مارہروی، علامہ احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ، علامہ عبد الرحمٰن مکی، علامہ حسین بن صالح مکی اور حضرت مولانا شاہ ابو الحسین احمد نوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی استفادہ کیا، امام احمد رضا بریلوی نے کچھ علوم زمانے کے متبحر علما سے پڑھے، باقی علوم خداداد قابلیت کی بنا پر مطالعہ کے ذریعے حل کیے اور نہ صرف پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں محیر العقول مہارت حاصل کی بلکہ ہر فن میں تصانیف بھی یادگار چھوڑیں۔

امام احمد رضا بریلوی ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء کو پونے چودہ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے ،اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا،اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا۔اس دن سے آخر عمر تک مسلسل فتویٰ نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے اور فتاویٰ رضویہ کی ضخیم بارہ جلدوں کا گراں قدر سرمایہ امت مسلمہ کو دے گئے ۔علامہ شامی کی عظیم تصنیف ''ردالمحتار'' پر سات جلدوں میں حاشیہ لکھا،قرآن پاک کا مقبول انام ترجمہ لکھا جو''کنزالایمان'' کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے خلاف لب کشائی کرنے پر بھرپور تنقید کی، "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح"(اللہ تعالیٰ جھوٹ جیسے قبیح عیب سے پاک ہے) کے علاوہ امکان کذب کے رد پر پانچ رسالے لکھے۔اللہ تعالیٰ کو جسم ماننے والوں کے رد میں رسالہ مبارکہ ''قوارع القهار علی المجسمة الفجار" تحریر کیا۔دین اسلام کے مخالف،قدیم فلاسفہ کے عقائد پر رد کرتے ہوئے مبسوط رسالہ "الکلمة الملهمة"رقم فرمایا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،صحابہ کرام،اہل بیت عظام،ائمہ دین مجتہدین اور اولیائے کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت محاسبہ کیا۔قادیان میں انگریز کے کاشت کردہ پودے کی بیخ کنی اور اسکے خلاف متعدد رسائل لکھے۔

عبقری فقیہ

امام احمد رضا بریلوی مروجہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر،حدیث،فقہ،تصوف،تاریخ،سیرت،معانی،بیان، بدیع،عروض، ریاضی،توقیت،منطق،فلسفہ وغیرہ کے یکتائے زمانہ فاضل تھے ۔صرف یہی نہیں بلکہ طب،علم جفر،تکسیر،زیجات جبر ومقابلہ،لوگارثم،جیومٹری،مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔یہ وہ علوم ہیں جن سے عام طور پر علما تعلق ہی نہیں رکھتے ۔انہوں نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا اور ہر فن میں قیمتی تحقیقات کا اضافہ کیا۔غرض یہ کہ ایک فقیہ کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب امام احمد رضا بریلوی کو حاصل تھے۔

اسرار شریعت وطریقت کا اجالا پھیلا کر ۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ عین اس وقت عبقری اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی جب مؤذن اذان جمعہ میں کہہ رہا تھا:حی علیٰ الفلاح۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة واسكنه فی أعلیٰ علیین ونفعنا وجمیع المسلمین بعلومه ومعارفه۔

فتاویٰ امجدیہ

صدرالشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی متوفی: ۱۳۶۷ھ

یہ فتاویٰ چار جلدوں میں ہیں۔

حضرت مصنف کو امام احمد رضا قدس سرہ سے فن افتا میں شرف تلمذ حاصل تھا، آپ نے تفقہ کے سلسلہ میں صدرالشریعہ کو اپنے تلامذہ میں خصوصی شرف سے نوازا اور فرمایا:

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔ [الملفوظ:۱/۱۰۳] [فتاویٰ امجدیہ اول۔ تعارف: ذ]

حضرت مصنف کے فتاویٰ کتاب وسنت کی تائیدات سے مزین ہیں، فقہی کلیات وجزئیات اور نظائر وشواہد سے مملو اور ندرت استدلال وحسن استنباط میں فتاویٰ رضویہ کا عکس نظر آتا ہے۔

آپ کی ولادت ۱۲۹۶ھ میں گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری کی خدمت میں مدرسہ حنفیہ جونپور حاضر ہوئے، علوم وفنون کی تکمیل کے بعد علم حدیث محدث عصر حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی سے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاصل کیا۔ منظر اسلام بریلی شریف۔ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف۔ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ وغیرہا مدارس دینیہ میں درس وتدریس کی مسند کو زینت بخشی۔ فقہ حنفی کے جزئیات پر مشتمل عظیم کتاب اردو زبان میں سترہ حصوں میں ''بہار شریعت'' کے نام سے تصنیف فرمائی اور آخر میں شرح معانی الآثار پر عربی حاشیہ لکھا جو مکمل نہ ہو سکا۔ البتہ جس قدر تحریر فرمایا تھا وہ نہایت تحقیقی ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

فتاویٰ صدرالافاضل

صدرالافاضل علامہ شاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔

حضرت مصنف کو امام احمد رضا سے نہایت قرب حاصل تھا اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

آپ کی ولادت ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ والد ماجد مولانا سید معین الدین نزہت ہیں۔ ابتدائی تعلیم حافظ سید نبی حسین اور حافظ حفیظ اللہ سے حاصل کی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا، فارسی کی تعلیم والد ماجد سے اور متوسطات کی تعلیم مولانا حکیم فضل احمد سے حاصل کی، مختلف علوم وفنون شیخ الکل علامہ سید محمد گل کابلی سے حاصل کیے۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ تصانیف میں تفسیر قرآن ''خزائن العرفان'' ہے جو امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' کے حاشیہ پر تحریر فرمائی، مقبول خواص وعوام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جیسے الکلمۃ العلیا۔(مسئلہ علم غیب میں) اطیب البیان ردتقویۃ البیان، التحقیقات، ارشادالانام، وغیرہا، ایک عظیم دارالعلوم قائم فرمایا جو آج جامعہ نعیمیہ کے نام سے آپ کی یادگار ہے۔

آپ کے فتاویٰ محفوظ نہ رہ سکے، جو کچھ مل سکے وہ ایک جلد میں طبع ہو چکے ہیں۔

فتاویٰ حامدیہ

حجۃ الاسلام علامہ شاہ محمد حامد رضا خاں متوفی: ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔

حضرت مصنف، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شہزادۂ اکبر ہیں۔

۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء کو محلہ سوداگران بریلی شریف میں ولادت ہوئی۔ ''محمد'' نام پر عقیقہ ہوا اور عرفی نام ''حامد رضا'' رکھا گیا۔ جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد امام احمد رضا سے حاصل کیے۔ اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے موقع پر ساتھ تھے۔ مکہ مکرمہ میں شیخ محمد سعید بابصیل اور مدینہ طیبہ میں علامہ سید برزنجی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ اکابر علمائے حرمین نے سندیں عطا کیں۔ علامہ خلیل خربوطی نے سند فقہ حنفی عطا فرمائی جو صرف دو واسطوں سے علامہ طحطاوی تک پہنچتی ہے۔ بیعت وخلافت نورالعارفین سید شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی سے حاصل تھی۔

آپ دارالعلوم منظر اسلام میں صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے مصنف پر بھی فائز رہے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی جمیع سلاسل اور جملہ علوم وفنون کی اجازت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت نے مکہ مکرمہ میں علم غیب کے موضوع پر آٹھ گھنٹے میں جو عظیم کتاب ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' کے نام سے تحریر فرمائی اس کی تسوید وتبیض آپ کے ہاتھوں ہی ہوئی۔ پھر اس کا نہایت فصیح

وبلیغ ترجمہ اردو زبان میں آپ نے ہی کیا۔

آپ کو خاص طور پر عربی زبان میں مہارت تامہ حاصل تھی اور تاریخ گوئی میں اپنے والد ماجد کے عکس جمیل تھے۔

آپ حسن سیرت وصورت دونوں کا آئینہ تھے۔ زہد وتقویٰ تو وراثت میں پایا تھا۔ پوری زندگی خدمت دین کے لیے وقف رہی، والد ماجد اعلیٰ حضرت اور جد امجد رئیس الاتقیا مفتی نقی علی خاں کی طرح کبھی کسی کی ملازمت اختیار نہیں کی اور نہ کسی نواب وجاگیردار کی ستائش وقصیدہ خوانی کی۔ ہمیشہ تبلیغ دین وسنت کا جذبہ دل میں موجزن رہا اور نہایت پاکیزہ زندگی گزار کر ستر سال کی عمر میں ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں وصال فرمایا۔ خانقاہ رضویہ میں مزار پاک مرجع انام ہے۔

فتاویٰ ملک العلما

ملک العلما علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی۔ متوفی: ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔

حضرت مصنف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فیض یافتہ اور خاص تلمیذ رشید تھے، علم توقیت وجفر خاص طور پر اعلیٰ حضرت نے ان کو پڑھایا اور بخاری شریف کے درس کے علاوہ افتا کی مشق بھی کرائی اور آپ کو جامع علوم وفنون بنادیا۔

آپ کی ولادت ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور ضلع نالندہ (بہار) میں ہوئی۔ رسم تسمیہ خوانی کے بعد ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخل ہوئے اور یہاں کے اساتذہ سے جلالین شریف تک تعلیم حاصل کر کے پٹنہ کے ادارہ میں محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد کانپور اور پھر بریلی شریف امام احمد رضا کی بارگاہ میں۔ یہاں منظر اسلام سے فراغت کے بعد تدریس، تصنیف اور افتا کا آغاز اسی دار العلوم سے کیا۔ ۱۳۲۹ھ میں شملہ (ہماچل) چلے گئے اور پھر مدرسہ حنفیہ آرہ (بہار) میں مسند درس کو رونق بخشی۔ ۱۳۳۸ھ میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں درس دینا شروع کیا اور ۱۹۴۸ء میں آپ یہاں پرنسپل ہوگئے۔ ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہونے کے بعد بحر العلوم کٹیہار (بہار) کے فروغ واستحکام میں دس سال صرف فرمائے، پھر آپ ظفر منزل پٹنہ میں سکونت پذیر ہوکر دو سال تک باحیات رہے اور ۱۳۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ کے فتاویٰ جملہ ابواب فقہیہ پر ہیں مگر قلیل تعداد میں، غالبًا باقی محفوظ نہ رہ سکے۔آپ کثیر التصانیف تھے۔

فتاویٰ اجملیہ

اجمل العلما علامہ شاہ مفتی محمد اجمل قادری رضوی سنبھلی۔متوفی:۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

یہ فتاوی چار جلدوں میں ہیں۔

تحقیقات عالیہ پر مشتمل عظیم ذخیرہ ہے جو راقم الحروف کی ترتیب جدید کے ساتھ شائع ہو چکا ہے

حضرت مصنف کا شمار اکابر علمائے ہند میں ہوتا ہے،آپ کی ولادت ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ والد کا نام الحاج شاہ محمد اکمل ہے۔ابتدائی تعلیم جد امجد غلام رسول اور والد ماجد سے اپنے وطن سنبھل میں حاصل کی۔پھر مرادآباد صدر الافاضل کی خدمت میں حاضر ہوکر جملہ علوم وفنون حاصل کیے،۱۳۴۲ھ۔۲۴ر سال کی عمر میں فارغ ہوئے۔ ۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی اور اعلیٰ حضرت کے شہزادۂ اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔۲۵ر سال کی عمر سے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا، مسلسل ۳۸ر سال تک فتاویٰ لکھے۔ساتھ ہی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ تازیست رہا ہے۔ سنبھل میں مدرسہ اجمل العلوم قائم کیا جو آپ کی یادگار ہے۔آپ نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ان میں ’’فیصلہ حق وباطل،تحائف حنفیہ‘‘ وغیرہا ہیں۔

فتاویٰ حشمتیہ

شیر بیشۂ اہل سنت علامہ مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی ،متوفی:۱۳۸۰ھ

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔

حضرت مصنف کی ولادت ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء لکھنؤ میں ہوئی۔ والد محترم ابو الحفاظ محمد نواب علی خاں تھے۔حفظ وقرأت کی تعلیم کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں داخل ہوئے ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دست اقدس پر بیعت کی ،نہایت ذہانت وفطانت کے مالک تھے،دوران تعلیم ۱۳۳۸ھ میں دیوبندی مناظر سے ہلاوانی میں مناظرہ کیا،فتح مبین حاصل کرنے پر اعلیٰ حضرت نے ’’ابو الفتح‘‘ کا خطاب عطا فرمایا۔۱۳۴۰ھ میں فارغ التحصیل ہوکر منظر اسلام ہی میں مسند درس وافتا کو رونق بخشی ۔ پوری زندگی

احقاق حق اور ابطال باطل میں گزری، آپ مناظر اسلام تھے، ہر باطل فرقے سے مناظرہ کیا اور ہمیشہ فتح وکامرانی حاصل کی۔ آپ کا تصلب فی الدین آپ کی تحریروں سے ظاہر ہے۔ آپ نے تقریباً پچاس کتابیں تحریر فرمائیں، انہی میں آپ کے فتاویٰ بھی ہیں جو ''العطایا الرضویہ فی الفتاوی الحشمتیہ'' کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

حبیب الفتاویٰ

عمدۃ المحققین مفتی حبیب اللہ نعیمی اشرفی۔ متوفی ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔

حضرت مصنف نے جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے دارالافتا میں ان فتاویٰ کو تحریر فرمایا۔

چونکہ عمدۃ المحققین کے فتاویٰ ہیں لہذا تحقیق وتدقیق کا آئینہ ہیں، یہ جلد عقائد وعبادات پر مشتمل ہے یعنی کتاب العقائد سے کتاب الحج تک، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باقی ابواب کے فتاوی منتظر طباعت ہیں۔

حضرت مصنف کی ولادت فتح پور ضلع بھاگل پور (بہار) میں ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں مولوی لیاقت حسین صاحب اور برادر اکبر مولانا عبدالجبار سے حاصل کی، پھر یہاں کے ایک دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ نظامیہ میں داخل ہوکر استاذ العلما مولانا عظیم بخش بھاگلپوری سے شرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخلہ لیا اور صدرالافاضل کی درس گاہ سے شرف پایا۔ ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ یہاں ہی درس کا آغاز کیا اور پھر مدۃ العمر جامعہ نعیمیہ کے ہوکر ہی رہے، دارالافتا کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد رہیں اور پھر شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز ہوئے

پندرھویں صدی:

فتاویٰ بحر العلوم

بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی متوفی: ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء

یہ فتاویٰ چھ جلدوں میں ہیں۔ راقم الحروف نے ان کو مرتب کیا ہے، حضرت مصنف نے پچاس سال سے زیادہ فتاویٰ تحریر فرمائے، کل فتاویٰ پانچ ہزار کے قریب ہیں جو چھ جلدوں میں ساڑھے تین ہزار

سے زیادہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت مصنف کی ولادت ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں مقام مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں مدرسہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔قرآن کریم ناظرہ حافظ عبدالغفور مبارک پوری اور ابتدائی تعلیم منشی جواد علی خان، منشی ممتاز احمد سے حاصل کی۔

فارسی کی نصابی کتب مولانا سید شمس الحق گجہڑوی سے پڑھیں۔باقی عربی کی نصابی کتب اساتذۂ اشرفیہ اور دورۂ حدیث حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی شیخ الجامعہ سے کیا۔۱۳۶۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ چندسال تلسی پور ضلع گونڈہ انوارالعلوم میں درس دیا پھر اشرفیہ مبارک پور میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔۱۳۹۶ھ میں صدرالمدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے۔۱۴۰۸ھ میں شمس العلوم گھوسی میں شیخ الحدیث کے منصب کو رونق بخشی۔

آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں، ان میں ''الشاہد۔مضامین بحرالعلوم۔انوکھی لڑائی۔مسئلہ آمین'' اور ان کے علاوہ بہت کچھ ہیں جو منتظر طباعت ہیں۔ ہندو پاک میں ہزاروں علما آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں جو آج اکابرین میں شمار ہوئے ہیں۔

فتاوی شارح بخاری

فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

یہ فتاوی تین جلدوں میں ہیں اور فتاویٰ کا سلسلہ ابھی کتاب العقائد تک ہی ہے۔یعنی ابھی فقہی ابواب میں عبادات وغیرہ کا آغاز ہی نہیں ہوا ہے۔آئندہ جلدوں کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا یہ مرتبین کو معلوم ہوگا۔

حضرت مصنف جماعت اہل سنت کے عظیم مفتی تھے اور آپ کو نائب مفتی اعظم کا خطاب دیا گیا تھا۔آپ کے فتاویٰ بھی اسی عظمت شان کے حامل ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ گھوسی میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام عبدالصمد ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔گلستاں بوستاں حکیم احمد علی گھوسوی سے پڑھیں۔اعلیٰ تعلیم کے لیے اشرفیہ مبارک پور ۱۳۵۳ھ میں داخل ہوئے۔

حافظ ملت اور دیگر اساتذہ کی خدمت میں آٹھ سال رہے،اس کے بعد صدر العلما محدث میرٹھی کی خدمت میں ۱۳۶۱ھ میں حاضر ہوئے اور ایک سال رہ کر چند اہم کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد گورداس پوری کے پاس دورۂ حدیث کے لیے حاضر ہوئے اور صحاح ستہ کا دورہ کیا اور حضور مفتی اعظم کے دست پاک سے دستار حاصل کی۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں درس دیا۔ان میں مظہر اسلام بریلی شریف اور شمس العلوم گھوسی بھی ہے۔آخر میں آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے شعبہ افتا کی صدارت پر متمکن ہوئے اور آخر عمر تک یہاں ہی رہے۔

آپ نے پچاس ہزار سے زیادہ فتاویٰ لکھے۔ان کے علاوہ آپ نے درجنوں معرکۃ الآرا کتابیں بھی تصنیف فرمائیں ہیں۔ان میں ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' نہایت اہم اور تحقیق کا موجزن دریا ہے۔

فتاویٰ فیض الرسول

فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی متوفی:۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

یہ فتاویٰ دو جلدوں میں ہیں۔

حضرت مصنف نے چونکہ یہ فتاویٰ اہل سنت کی عظیم درس گاہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے دارالافتا میں تحریر فرمائے تھے لہذا ان فتاویٰ کا یہ نام رکھا گیا۔

حضرت مصنف جماعت اہل سنت کے عظیم عالم دین،کہنہ مشق مدرس اور بالغ نظر مفتی تھے۔آپ کے فتاویٰ نہایت تحقیقی ہیں اور عوام وخواص سب کے لیے یکساں مفید۔

آپ کی ولادت ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں اوجھا گنج ضلع بستی میں ہوئی۔والد ماجد جان محمد اور جد امجد عبدالرحیم تھے۔دونوں بزرگ صاحب تقویٰ تھے۔ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اور ساڑھے دس سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا۔فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں قصبہ التفات گنج میں مولانا عبدالباری سے پڑھیں۔نہایت مشقتوں کے ساتھ آپ نے تعلیم کا یہ سفر طے کیا۔اس کے بعد فاتح جمشید پور علامہ ارشد القادری کے پاس ناگپور حاضر ہوئے اور صبح سے شام تک کام کرنے کے بعد رات کو ۱۱/بجے تک ان کے پاس حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتے۔آپ انہی صبر آزما حالات سے گزرتے ہوئے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں فارغ التحصیل ہوگئے۔چند مدارس میں تدریس کے بعد ۱۹۵۶ء میں آپ فیض

الرسول براؤں شریف میں درس وتدریس کے لیے پہنچے۔اور مسلسل ۳۶/۳۵/سال اسی دارالعلوم میں رہے، آپ کے یہ فتاویٰ اسی زمانہ کی کاوش ہے۔فتاوی فقیہ ملت اور فتاوی برکاتیہ بھی آپ کے فتاوی پر مشتمل ہیں۔ان کے علاوہ آپ نے چھوٹی بڑی بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ان میں انوارالحدیث، فقہی پہلیاں انوارشریعت اور نورانی تعلیم کو نہایت شہرت ملی اور مقبول خاص وعام ہوئیں۔آخری ایام میں اپنی آراضی وقف فرما کر اپنی بستی اوجھا گنج میں ایک دارالعلوم امجدیہ ارشدالعلوم قائم فرمایا اور تربیت افتا کا شعبہ قائم کر کے دارالعلوم انفرادی حیثیت کا مالک بنایا۔آج بھی یہ تمام چیزیں آپ کی یادگار ہیں۔

فتاویٰ مفتی اعظم

فتاویٰ کے اس عظیم ذخیرے میں سیدی حضور مفتی اعظم کے یہ فتاویٰ قارئین کے پیش نظر ہیں، یہ سب سے پہلے تین چھوٹے چھوٹے حصوں میں شائع ہوئے، پھر ایک ضخیم جلد میں حضرت فقیہ ملت نے اپنی نگرانی میں مرتب فرما کر شائع کیے،ان تمام تفصیلات کو آپ شروع مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے۔ اب کچھ غیر مطبوعہ فتاویٰ اور بیس رسائل مطبوعہ وغیر مطبوعہ کے اضافہ کے ساتھ چھ جلدوں میں آپ کے زیر مطالعہ ہیں۔

صدیوں کی شمار کے اعتبار سے یہ فتاویٰ چودھویں صدی کی یادگار ہیں،اس لیے کہ اس کا تاریخی نام بزرگوں کی جانب سے ''المکرّمۃ النبویہ فی الفتاویٰ المصطفویہ (۱۳۲۹) منقول ہے۔

غالبا یہ تاریخی نام حضور مفتی اعظم کے اس پہلے فتوے کے اعتبار سے ہے جو آپ نے مسئلہ رضاعت کے سلسلہ میں قلم برداشتہ تحریر فرمایا تھا اور امام احمد رضا محدث بریلوی نے بغیر کسی اصلاح کے تصویب وتصدیق فرما کر آپ کی فقہی بصیرت پر مہر ثبت فرما دی تھی۔یہ واقعہ حضرت کی فراغت کے فوراً بعد کا ہے جب حضرت کی عمر ۱۹/۱۸/سال ہوگی۔اس لحاظ سے ۱۳۲۹ھ ہی ہوئی، کیوں کہ آپ کی ولادت ۱۳۱۰/ھ میں ہے۔

ان چھ جلدوں میں آپ تقریبا پانچ سو فتاویٰ اور ۲۲/رسائل کے مطالعہ سے مشرف ہوں گے۔

مولیٰ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت سے مشرف فرمائے اور سیدی حضور مفتی اعظم قدس سرہ کا فیضان عام وتام فرمائے،آمین۔یا رب العالمین ، بجاہ النبی الکریم، علیہ التحیۃ والتسلیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم

حیات و کارنامے

سراج السالکین زبدۃ العارفین چشم و چراغ خاندان برکات حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کی عظیم بشارت اور مجدد اعظم دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی کی دعائے جمیل کا مجمع البحرین تھے تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت ابوالبرکات آل الرحمٰن محی الدین مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی۔ قدست اسرارہم العالیہ۔

ولادت اور نام:

ایک مرتبہ سیدنا اعلیٰ حضرت اپنے مرشد کی بارگاہ اقدس میں مارہرہ مقدسہ کی نورانی حویلی میں رات کو آرام فرماتے، صبح کو فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے اور جب مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو نبیرۂ مرشد اعظم صاحب سجادہ آستانہ برکاتیہ نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کو مخاطب فرماتے حضرت نور العارفین نے بشارت سنائی اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: مولانا صاحب آپ کے یہاں ایک عظیم فرزند کی ولادت ہوئی ہے، وہ بچہ نہایت مبارک ہے، ہم نے اس کا نام آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی رکھا ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں اس کو داخل سلسلہ کرلوں، آپ نے عرض کیا: وہ آپ کا غلام زادہ ہے، لہٰذا اس کو غلامی میں قبول فرمالیں۔ حضرت نے بعد نماز فجر مصلی امامت پر ہی غائبانہ مرید فرمایا اور ساتھ ہی اپنا جبہ وعمامہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا ہم جلد ہی بریلی آکر اس بچہ کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کریں گے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے بریلی شریف آکر ساتویں دن ''محمد'' نام پر آپ کا عقیقہ کیا اور عرفی نام

''مصطفیٰ رضا'' تجویز فرمایا۔

خلافت:

اس نوید و بشارت کے چھ ماہ بعد جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں حضرت نور العارفین بریلی تشریف لائے اور آپ کو گود میں لے کر خلافت سے سرفراز فرمایا اور جدید و قدیم تیرہ سلاسل کی اجازت عطا فرمائی، ساتھ ہی ارشاد فرمایا: یہ بچہ مادرزاد ولی ہے، فیض کے دریا بہائے گا۔

اس کے بعد سیدنا اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے لخت جگر کو تمام سلاسل کی اجازت عطا کی، اس طرح خاندان برکات کے دو چشم و چراغ سے آپ نے بلا واسطہ فیض پایا۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے والد ماجد سیدنا اعلیٰ حضرت، عم محترم حضرت مولانا محمد رضا خاں، برادر مکرم حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہم الرحمہ سے پائی اور فارسی و ابتدائی عربی کی تعلیم بھی انہی حضرات سے حاصل کی۔ پھر جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو اپنے والد معظم سیدنا اعلیٰ حضرت اور آپ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے بھی درس لیا۔

۱۔ برادر اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں

۲۔ استاذ الاساتذہ مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری

۳۔ شمس العلما مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری

۴۔ شیخ العلما مولانا سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی

آپ کی فراغت ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں بہ عمر اٹھارہ سال ہوئی اور والد محترم کے دست مبارک سے دستار حاصل کی، پھر ۱۲؍ سال مجدد اعظم امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر رہے اور جملہ علوم و فنون میں دستگاہ اور مہارت تامہ حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بطور خاص اعلیٰ حضرت اپنی تصانیف کے ذریعہ رد فرق باطلہ کا فریضۃ انجام دے رہے تھے اور علم و عرفان کے دریا بہا رہے تھے۔ اس وقت اپنے والد ماجد کی خدمت میں پورے طور پر شریک کار تھے۔ آپ کی بہت سے تصانیف اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن علوم و فنون کو آپ نے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا تھا ان میں مہارت تامہ اور عبقریت حاصل کرنے کا یہی زمانہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر بلا شرکت غیر آپ کے حصہ میں آیا۔

فتویٰ نویسی:

سیدنا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر آپ نے بطور خاص فتویٰ نویسی کے علم وفن میں بھی مہارت حاصل کی، ان دونوں کا ثبوت آپ کے فتاویٰ اور تصانیف میں موجود ہیں۔

فتویٰ نویسی کا آغاز حیرت انگیز طور پر ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب آپ فارغ التحصیل ہوئے تو کسی دن دارالافتا میں تشریف لائے، دیکھا کہ تلمیذ اعلیٰ حضرت ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری فتویٰ لکھنے کے سلسلہ میں فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ میں مشغول ہیں، آپ نے فرمایا: فتاویٰ رضویہ دیکھ کر فتویٰ لکھتے ہیں؟۔ ملک العلما نے جواب دیا: اچھا تو آپ بغیر دیکھے لکھ دیں تو جانوں، آپ نے فوراً مراجعت کتب کے بغیر مدلل فتویٰ تحریر فرمادیا، یہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔

فتویٰ جب اصلاح کے لیے مجدد اعظم امام احمد رضا کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ کس نے لکھا ہے؟ عرض کیا گیا: چھوٹے میاں نے، (اس وقت تک آپ گھر اور باہر اسی عرفیت سے مشہور تھے) آپ نے طلب فرمایا: حضور مفتی اعظم حاضر ہوئے تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نہایت مسرور ہیں، پیشانی اقدس سے بشاشت نمایاں ہے۔ فرمایا: اس پر دستخط کرو، دستخط کرانے کے بعد آپ نے تحریری طور پر اس کی تصدیق وتصویب فرمائی اور یوں تحریر کیا:

صح الجواب بعون الملک الوہاب۔

دستخط ....(امام احمد رضا)

ساتھ ہی پانچ روپے انعام میں عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا:

تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتوی لکھا کرو، اپنا ایک رجسٹر بنالو اس میں نقل بھی کرلیا کرو۔

[پندرہ روزہ رفاقت، فروری ۱۹۸۲ء]

مہر جب بن کر آئی تو اس میں تحریر تھا۔

(ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن عرف محمد مصطفیٰ رضا)

فقیہ اعظم شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی فرماتے ہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بھی پہلا فتویٰ رضاعت کا لکھا اور ان کے آئینہ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا فتویٰ مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔

خاص بات یہ ہے کہ اس پہلے فتوے پر اعلیٰ حضرت نے نہ ایک لفظ گھٹایا نہ ایک لفظ بڑھایا۔ یعنی کوئی اصلاح نہ کی۔ پہلا فتویٰ ہی حضرت مفتی اعظم نے ایسا صحیح اور مکمل لکھا کہ کہیں اس میں کوئی انگلی رکھنے

کی جگہ نہ تھی۔

آغاز کا جب یہ عالم ہے انجام کا عالم کیا ہوگا۔[ایضاً]

پھر اس آغاز کا انجام اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد جب اہل ہند اس فقیہ فقید المثال کے بوقت ضرورت فتاویٰ اور بروقت رہنمائی سے محروم ہوگئے تو بریلی کی وہ عظیم مسند افتا جو تقریباً سو سال سے امت مسلمہ کی رہنمائی کررہی تھی اس کو زینت بخشنے کے لیے اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادگان حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم نے اہم رول ادا کیا۔ مگر حجۃ الاسلام ملک وملت کے دوسرے مسائل حل کرنے میں مصروف ہوئے تو پھر یہ منصب محض آپ کے سپرد ہوا اور اس وقت کے جلیل القدر علما وفقہا نے بالاتفاق آپ کو مفتی اعظم کا خطاب دیا۔ حالاں کہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سیدنا اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر خلفا وتلامذہ موجود تھے۔ اس کے باوجود حجۃ الاسلام کے حکم سے سیکڑوں علما کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت کے ساتویں عرس کے موقع پر ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء کو اس عظیم اجتماع میں جو تجاویز پاس ہوئیں ان کے نمبر (۳) میں آپ کو صدر العلما اور مفتی اعظم لکھا گیا۔ [جہان مفتی اعظم ص ۱۲۶]

اس کے بعد مفتی اعظم کا خطاب اس طرح عام ہوا کہ علما وفقہا، عوام وخواص اور ارباب علم ودانش اسی سے یاد کرتے ہیں اور آج تک یہی زبانوں پر جاری وساری ہے۔ یعنی اب یہ بہ منزلہ علَم ہو چکا ہے۔

فقیہ اعظم شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات طیبہ میں سیکڑوں مسائل لکھوائے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے آستانہ پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم، دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے اور خود زبردست مفتی تھے، مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرمادیتے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے، اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے۔ اس زمانے میں لوگ دین دار، آج کی بہ نسبت بہت زیادہ تھے۔ ہر معاملے میں حکم شرعی دریافت کرتے تھے اور دینی مدارس وہ بھی اہل سنت کے، بہت ہی کم تھے۔ آج بحمدہ تعالیٰ بہ کثرت ہیں اور تقریباً ہر مدرسے میں دار الافتا ہے۔ اب اندازہ لگائیں کہ حضرت مفتی اعظم کتنے مسائل لکھتے رہے ہوں گے؟ پھر فتویٰ کی شان وہ تھی، مفتی اعظم کا قلم ہے اور مضمون اعلیٰ حضرت کا۔ اس وقت ملک کے طول وعرض میں بہت سے مفتی تھے۔ کسی کے یہاں وہ جامعیت جو مفتی اعظم کے فتویٰ میں تھی نہیں ملتی، اور نہ ملے گی۔ گیارہ سال تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل

لکھے ہیں، جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصحیح وتصدیق ہے۔ عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بل کہ بعد مغرب بھی دو دو گھنٹے تک حاجت مندوں کی بھیڑ رہتی۔ یہ حاجت مند خوش خبری لے کر نہیں آتے۔ سب اپنا اپنا دکھڑا سناتے، غم آگیں واقعات سننے کے بعد دل و دماغ کا کیا حال ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آفریں ماحول سے فارغ ہوکر بعد عشا پھر تشریف رکھتے اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ میں گھسا پٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا مگر واہ رے مفتی اعظم ! اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے، یا بے ربطی ہے، یا تعبیر غیر مناسب ہے، یا سوال کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے، فوراً اس پر تنبیہ فرمادیتے اور مناسب اصلاح۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرمادیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔

کبھی ایسے جاں فزا تبسم کے ساتھ کہ قربان ہونے کا جذبہ حد اضطرار کو پہنچ جائے، کبھی ایسے جلال کے ساتھ کہ اعصاب جواب دے جائیں، مگر اس جلال کو کون سا نام دیں جس کے بعد مخاطب کی جرات رندانہ اور بڑھ جاتی۔ کیا کیجیے گا اگر جلال سے مرعوب ہوکر چپ رہتے تو اور جلال بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ مخاطب کو عرض ومعروض کرنا ہی پڑتا۔ یہ جلال وہ جلال تھا کہ جو اس کا مورد بنا کندن ہوگیا۔

یہ مجلس آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بار ہا رات کے دو بج جاتے اور رمضان شریف میں سحری کا وقت تو روز ہو جاتا۔

بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا، کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا، مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دارالافتا میں نہ تھیں، زبانی لکھوا دیتے ۔میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں، پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام بہت کم فرماتے تھے، مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اجلہ علما، انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں فقہا کے متضاد اقوال ہیں تو سب دماغ میں ہر وقت حاضر رہتے۔ سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور قول مختار مفتیٰ بہ پر تیقن اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح سب از بر۔

باب نکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے، جس کی بہتر صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔ پہلی بار جب

میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا، میں نے بیس شق قائم کر کے چار ورق فل اسکیپ کاغذ پر لکھا۔ جب سنانے بیٹھا تو فرمایا: یہ طول طویل شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ نا خدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔ آج یہاں ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے، اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں۔ یہ قید لگا کر کہ آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو یہ حکم ہے۔ یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے سے بھی کم پر مع تائیدات آ گیا۔ اس واقعہ نے بتایا کہ کتب بینی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے اور فتویٰ لکھنا اور بات ہے۔ (جہان مفتی اعظم ۲۵۲۔۲۵۳)

مفتی نظام الدین صاحب مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

فقہی مسائل میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ حالات زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، اس لیے ایک بالغ نظر فقیہ و ماہر مفتی اس بات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے کہ اس کے سامنے جو مسئلہ پیش کیا گیا ہے وہ انھیں مسائل سے ہے یا نہیں، اور اگر انھیں مسائل سے ہے تو کیا ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں جن کی بنا پر احکام میں تبدیلی ضروری ہوتی ہے؟ ان دونوں امور کا فیصلہ نہایت اہم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مفتی اس پر قدرت نہیں رکھتا، اور یہی وجہ ہے کہ ایک مفتی کے لیے حالات زمانہ سے باخبر رہنا بہت ہی ضروری قرار دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ فقہا فرماتے ہیں: من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل جو اپنے اہلِ زمانہ سے نا آشنا ہو وہ جاہل ہے۔ اس کو ایک مثال کی روشنی میں آپ یوں سمجھ سکتے ہیں: ایک عالمِ دین نے گورکھ پور اور مبارک پور کے ایک مخصوص اجتماع میں فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے حوالے سے یہ مسئلہ بیان کر دیا کہ پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسی نماز دوہرانی واجب ہے، اس کے باعث لوگوں میں بے پناہ بے چینی بڑھ گئی، کیوں کہ روزانہ ہزار ہا لوگ پینٹ شرٹ میں ملبوس ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اپنا یہ لباس اتار کر علما و صوفیہ کا لباس زیب تن کر کے نماز ادا کرنے کا التزام کریں۔

مولانا نے حوالہ صحیح دیا تھا، مگر موجودہ حالات کے لحاظ سے مسئلہ صحیح نہ بتایا، کیوں کہ جس زمانہ میں وہ فتویٰ لکھا گیا تھا اس وقت کے حالات یہ تھے کہ یہاں کی ہر قوم عام طور سے پینٹ، شرٹ سے نفرت کرتی تھی، اور یہ لباس انگریزوں کا شعار خاص تھا، مگر آج حالات اتنے زیادہ بدل چکے ہیں کہ ہر قوم اس لباس کو اختیار کر چکی ہے۔ مسلمان بھی عام طور پر پہنتے ہیں، بل کہ بہت سے مقامات پر یہ علما و صلحا کا بھی لباس ہو چکا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب شعار بدل گیا تو اب حکم بھی بدل جائے گا۔ خود مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف اول میں شعار کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کا فتویٰ

دیا ہے اور اسلاف سے اس کی شہادت بھی پیش فرمائی ہے۔علاوہ ازیں فتاویٰ رضویہ میں بہت سے احکام میں حالات زمانہ کے بدلنے سے احکام کے بدل جانے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔فتاویٰ مصطفویہ میں بھی اس کے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں۔ہم یہاں بہ طور نمونہ صرف دو نظیریں پیش کرتے ہیں:

(الف) جوان ساس اور بہو کے احکام میں تبدیلی:

ساس اور بہو محرمات سے ہیں یعنی ان خواتین سے ہیں جن سے داماد اور خسر کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ساس کی حیثیت داماد کے حق میں ماں کی ہوتی ہے اور بہو کی حیثیت خسر کے حق میں بیٹی کی ہوتی ہے لیکن لوگوں میں خدا ناترسی عام ہونے کی وجہ سے اب ان کے کچھ احکام بدل گئے ہیں۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ ساس یعنی بیوی کی ماں کا ہاتھ تعظیماً چومنا جائز ہے نہیں؟

تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہ چاہیے جب کہ یہ اور وہ دونوں جوان ہوں یا دونوں میں سے ایک جوان ہو اور خوف فتنہ ہو، چومنا تو چومنا اس صورت میں تو ہاتھ میں ہاتھ بھی نہ لینا چاہیے۔شہوت ہی سے ہاتھ میں ہاتھ لینا ناجائز نہیں، بے شہوت بھی ناجائز ہے جب کہ شہوت سے امن نہ ہو۔

شہوت اس وقت نہیں اس وقت خالص تعظیم وتحیت ہی کے لیے بوسہ لیا، یا پاک محبت ہی سے ہاتھ میں لیا مگر ہاتھ میں ہاتھ آنے سے شہوت سے مامون نہیں تو چومنا کیسا؟ محض مصافحہ ہی جائز نہ ہوگا۔

محرمات نسبیہ سے خلوت جائز ہے اور رضاعیہ صہریہ سے ناجائز جب کہ وہ جوان ہو:

اس زمانہ فساد میں جب کہ جوان وحسین خصوصاً بیوہ ساس اور رضاعی ماں بہنوں کو میرے نزدیک مس کرنا نظر سے غلیظ تر ہے، مکروہ تر ہونا اور ہمارے قاعدہ مذہب یعنی سد باب فتنہ کا اس سے غیر آبی ہونا ظاہر۔وکم من احکام تختلف باختلاف الزمان جیسے دوسرے کی باندی کے نامحرم کے ساتھ سفر وخلوت کو اس زمانہ میں بوجہ غلبہ اہل فساد علامہ حصکفی نے علامہ ابن الکمال سے نقل فرمایا کہ یہ ناجائز ہے اور یہی مفتی بہ ہے شامی میں ہے:

لم یذکر محمد الخلوۃ والمسافرۃ با ماء الغیر ،وقد اختلف المشائخ فی الحل وعد مہ وھما قولان مصححان اقول :لکن ھذا فی زمانھم لما سیذکرہ الشارح عن ابن کمال انہ لاتسافر الا مۃ بلا محرم فی زماننا لعلبۃ اھل الفساد وبہ یفتی فتامل اھ۔

(تلخیص فتاویٰ مصطفویہ، ص۵۲۵: تا ۵۳۰)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے اس فتویٰ کو درمختار، ردالمحتار ر، عنایہ، مجتبیٰ کشف الحقائق، حدیقہ ندیہ، قنیہ، استحسان القاضی الصدر الشہید، اشباہ، شرح اشباہ کی فقہی عبارتوں سے مزین بھی کیا ہے جنھیں ہم نے اختصار کے پیش نظر نقل نہیں کیا ہے۔

جرمانہ کا حکم:

ابتدائے اسلام میں مجرم سے جرمانہ لینا جائز تھا بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور منسوخ پر عمل کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ لیکن حضرت سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے لوگوں میں بے پناہ جرات و بے باکی بڑھ جانے کی وجہ سے بعض صورتوں میں مجرم سے جرمانہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ آپ کے جاری کردہ درج ذیل فتوے سے بخوبی عیاں ہے۔

تعزیر بالمال ناجائز ہے۔ جرمانہ کرنا نہ چاہیے۔ مگر فتاویٰ خلاصہ میں فرمایا:

سمعت من ثقة ان التعزيز با خذ المال ان راى القاضى اوالوالى جازو من جملة ذلك رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره با خذ المال۔

فتاویٰ خلاصہ کے اس ارشاد سے ایسے شخص پر جرمانہ کی اجازت والی وقاضی کے لیے معلوم ہوئی اگر وہ اس میں مصلحت پائیں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا۔ تو جو نماز ہی نہیں پڑھتے ان پر بدرجہ اولیٰ۔ مگر یہ اخذ انز جار تک ہوگا کہ اس طرح سے اس کی اصلاح ہو جائے تو بعد اصلاح واپس کر دیں اور اگر واپس کرنے سے پھر اس شخص کی وہی حالت ہو جانے کا صحیح اندازہ ہو تو کسی نیک کام میں اس کی طرف سے لگا دیں، یہاں قاضی کہاں۔ یہاں اعلم علمائے بلد سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق قائم مقام والی ہے۔ اس کی اجازت سے یہ تعزیر کی جا سکتی ہے۔ جس کی اصلاح ہو جائے اور واپس کرنے پر پھر اس کے بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو بعد اصلاح اسے اس کی رقم واپس دے دی جائے اور جس کے بگڑنے اور تعزیر کی ہیبت ہی جانے کا اندیشہ ہو اس کی رقم کسی نیک کام میں صرف کر دی جائے۔ اگر اس سے اجازت لے لی جائے تو اچھا ہے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو بھی اس کی طرف سے کسی نیک کام میں لگا دی جائے کہ اسے ثواب پہنچے۔

(۳) غیر منصوص مسائل کے احکام کا استخراج:

جب کوئی مسئلہ نو پیدا ہوا اور اس کا حکم شرعاً منصوص نہ ہو تو اس کے بارے میں امت کی صحیح شرعی رہ نمائی ایک ماہر فقیہ کر سکتا ہے۔ اس خصوص میں جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کا مقام صف علما میں بلند نظر آتا ہے، آپ سے یہ سوال دریافت کیا گیا کہ نماز جنازہ کی امامت پر اجرت لینا جائز ہے کہ نہیں؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ امامت نماز جنازہ پر اجرت لینا دینا ناجائز

ہے۔الفاظ یہ ہیں:

طاعت پر اجرت ٹھہرانا حرام ہے۔ یہی اصل مذہب ہے متاخرین نے بہ خوف ضیاع بعض طاعات کا استثنا فرمایا وہ وہی ہیں جن میں ضرورت ظاہرہ ہے۔ پھر خاص طاعت پر ہی عقد کرنا تو برا ہی ہے۔ کسی کے نزدیک بھی نہ چاہئے امامت صلاۃ جنازہ ان طاعات میں نہیں ہوگی۔ جن کا متاخرین کرام نے استثنا کیا کہ اس میں جماعت شرط وواجب نہیں۔ ایک کے ادا کر لینے سے نماز ادا ہو جائے گی اور کوئی واجب ترک نہ ہوگا۔

خلاصہ میں فرمایا:

”ان کان الامام علی طهارةوالقوم علی غير طهارة صحت صلوة الامام ولاتعاد الصلوة عليه فی التجر يد هٰذا دليل علی ان الجماعة ليست بشرلصلاة الجنازة“

بزازیہ میں فرمایا۔حلیہ میں ہے:

الجماعة فيهاليست بشرط حتی لو صلی الامام بجماعة فيها وكان علی طهارة دونهم لا تعاد لان حق الميت تادی بصلوٰة الامام وبالعكس تعادلان صلوته غير جائزة فكذ اصلوتهم لانهابناء علی صلا ته۔

ہندیہ میں ہے:

الصلاة علی الجنازة تادی باداء الامام وحده لان الجماعة ليست بشرط الصلوٰة علی الجنازة كذا فی النهاية۔

(ان فقہی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں ہے، کوئی شخص تنہا ادا کرلے تو بھی فرض کفایہ ادا ہو جائے گا) نیز فرماتے ہیں:

یہاں تک کہ عورت اگر چہ جاریہ ہو، امامت کرے، جب بھی نماز کا اعادہ نہ ہوگا، مردوں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی مگر اس کی اپنی ہو جائے گی اور وہ ادائے فرض کو کفایت کرے گی۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے برہان، انتباہ، شرح اشباہ، درمختار، ردالمحتار، بحر، بدائع اور فتاویٰ عزیزیہ، ہدایہ، فتاویٰ بزازیہ، وغیرہ کی عبارتوں سے اپنے موقف کو اچھی طرح ثابت فرمادیا، پھر اخیر میں فرمایا:

یہاں امامت صلاۃ جنازہ پہر وہی اجرت ٹھہرا رہا ہے اور اجرت بھی کیا، نکاح خوانی کے حقوق، تو

یہ نا جائز درنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹)

فقہاے متاخرین نے بوجہ ضرورت شرعیہ امامت پر اجارے کی اجازت دی ہے، اس سے بہ ظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھانا بھی امامت ہے، اس لیے یہاں بھی اجارہ جائز ہونا چاہیے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے اس فتوے میں جب یہ صراحت ہوگئی کہ امامت نماز جنازہ پر اجارہ نا جائز ہے تو وجہ فرق واضح ہوکر یہ سامنے آ گیا کہ نماز جمعہ وعیدین کے لیے امام ماذون ضروری ہے، اس کے بغیر یہ نمازیں ادا ہی نہیں کی جاسکتیں اور نماز پنج گانہ کی ادائیگی اگر چہ بغیر امام و جماعت کے تنہا تنہا بھی ممکن ہے مگر جماعت ان نمازوں کی بھی واجب ہے اور جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی بغیر امام کے نہیں ہوسکتی اس لیے ان تمام نمازوں میں شرعاً امام کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس امامت کے لیے اجارہ جائز ہوا۔ لیکن اس کے برخلاف نمازِ جنازہ کے لیے امامت شرط نہیں جیسا کہ فتاویٰ مصطفویہ میں نقل کیے گئے جزئیات سے بہ خوبی ثابت ہوتا ہے اس لیے یہاں امام کی ضرورت نہیں پائی جاتی اور جب ضرورت نہیں تو اس پر اجارہ کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

یہ مسئلہ بجاے خود بہت اہم ہے اور صراحت کے ساتھ اس کا حکم کتب فقہ میں مذکور نہیں ہے مگر یہ دقت نظر ہے حضور سیدی مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کہ آپ نے الجماعۃ لیست بشرط لصلوۃ الجنازۃ سے اس کا استخراج فرمایا۔ ایسے جزیے سے اس مسئلہ کا استخراج وہی فقیہ اعظم کرسکتا ہے جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہو۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین۔

بارگاہِ رسالت کا ادب واحترام:

آپ کے فتاویٰ میں بارگاہِ رسالت کا ادب واحترام بے پناہ پایا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ اس شعر کی مصداق تھی۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سراج العارفین حضرت علامہ مولانا غلام آسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے نام کے شروع میں برکت کے لیے لفظ محمد شامل کرلیا تھا۔ اس پر سیدی حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تنبیہ فرمائی کہ یہاں اسمِ رسالت نہیں ہونا چاہیے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضور پھر محمد عبدالحیٔ کا کیا حکم ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا، کجا عبدالحی وکجا غلام آسی؟ علامہ فرماتے ہیں، یہ جواب سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور حضرت کے تفقہ فی الدین کی عظمت دل میں خوب خوب رچ

بس گئی۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ارشاد سے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جس نام کے شروع میں لفظ محمد لایا جائے، اگر اس نام کا اطلاق لفظ محمد پر درست ہوتو وہاں لفظ محمد لانا درست ہوگا، اور اگر نام کا اطلاق لفظ محمد پر درست نہ ہوتو وہاں لفظ محمد شروع میں لانا درست نہ ہوگا۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبد الحی ہیں لہذا محمد عبدالحی کہنا درست ہے،لیکن غلام آسی نہیں ہیں،اس لیے محمد غلام آسی کہنا نامناسب ہے۔

جس شخصیت نے اپنے فتاویٰ میں بارگاہِ رسالت کے ادب کے تعلق سے ایسی باریک بینی اور دقت نظر کا التزام کیا ہو وہ یقیناً رضائے مصطفیٰ ہوگی اور بجا طور پر بارگاہِ رسالت سے اس انعام کی مستحق ہوگی کہ خلق خدا اسے مفتی اعظم کے نام سے یاد کرے۔(جہان مفتی اعظم ۴۴۰۔۴۴۷)

مفتی مطیع الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

امام احمد رضا کے بعد اجتہاد کے متقاضی جن نئے مسائل سے امت مسلمہ دوچار ہوئی اس میں انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے۔راکٹ کے ذریعہ چاند پر پہنچ سکنے نہ پہنچ سکنے۔حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کا جواز عدم جواز اور لاؤڈاسپیکر کی آواز پر اقتدا کی صحت وعدم صحت کے مسئلے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

اس لیے ہم اس مقالہ میں وقت کی قلت کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت ہی اختصار کے ساتھ ترتیب وار انھیں چند مسائل میں حضور مفتی اعظم کی قوت اجتہاد اور فقاہت نفس کا جائزہ لینے اور دوسرے مفتیانِ کرام کے فتاویٰ سے آپ کے فتاویٰ کے تقابل پر اقتصار کریں گے۔

انجکشن سے روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیان کرام کے سامنے آیا تو بیشتر حضرات متردد رہے۔کچھ حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوجائے گا کیوں کہ انجکشن کی سیال دوائیں معدہ میں بھی پہنچتی ہیں اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا مفسد روزہ ہے۔اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ہاں رگ میں لگوایا جائے تو فاسد ہوجائے گا کیوں کہ دوائیں گوشت سے معدہ میں نہیں پہنچتی ہیں اور رگ سے پہنچ جاتی ہیں۔لیکن مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا انجکشن گوشت میں لگوایا جائے خواہ رگ میں کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں بل کہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں،اس لیے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اس کی تری مسامات کے ذریعہ بسا اوقات معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔آنکھوں میں دوا ڈالنے سرمہ لگانے سے اس کا ذائقہ

حلق میں محسوس اور رنگت تھوک میں دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

حضور مفتی اعظم نے اس فتویٰ میں جہاں فقہ کے اس ضابطہ کلیہ خارج سے کوئی چیز غیر منفذ کے ذریعہ معدہ تک پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ سے استدلال فرمایا ہے۔اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمہ لگانے جیسے امثال و نظائر سے کام لیا ہے، وہیں اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ فرما دیا ہے کہ شریعت مطہرہ کا کوئی حکم کسی طبی تحقیق پر مبنی ہو تو اس سے صرف نظر کر کے فتویٰ صادر کر دینا غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔فساد روزہ کا حکم دینے والے مفتیان کرام نے اگر یہ تحقیق کر لی ہوتی کہ گوشت یا رگ سے معدہ تک منفذ نہیں ہے تو فتویٰ دینے میں ان سے یہ غلطی نہیں ہوتی۔بہر حال اس فتویٰ سے آپ کی مجتہدانہ صلاحیتوں کا کافی سراغ ملتا ہے۔

جب چاند کی دھرتی پر پہلا قدم رکھنے کے لیے روس و امریکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جدوجہد کر رہے تھے تو چاند کو خدائی درجہ دینے اور اس کی عبادت و بندگی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ بعض مفتیان کرام بھی اسے روس و امریکہ کا جنون اور بکواس کہہ رہے تھے۔ان کا استدلال یہ تھا کہ چاند آسمان کے اندر ہے اور آسمان تک کسی غیر مسلم کا پہنچنا محال شرعی ہے، اس لیے روس یا امریکہ کے چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو جانے کا خیال اسلامی اصول کے خلاف ہے۔

بیشتر علمائے کرام گومگو کی کیفیت سے دوچار خاموش تھے لیکن مفتی اعظم نے فرمایا جب چاند کی طرف نگاہ اٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا ہے۔صحابی رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق بھی سورج، چاند اور ستارے سبھی آسمان میں مسخر ہیں۔جیسا کہ تفسیر مدارک میں ﴿کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ (سورہ انبیا:۳۳) کی تفسیر میں ہے۔عن عباس ان المراد بالفلک السماء والجمہور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم (ص ۱۵، ۷ پارہ ۱۶۔دارالمعرفہ، بیروت) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہی ہے جب کہ جمہور کے مسلک کے مطابق سورج، چاند اور ستارے سب زمین و آسمان کے درمیان ایک موج مکفوف میں تیر رہے ہیں۔الغرض مسلک جمہور کی روشنی میں مشاہدہ اور روایات دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ چاند آسمان کے نیچے ہے اور جب آسمان کے نیچے ہے تو چاند پر پہنچنے سے آسمان پر پہنچنا کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچنا محال شرعی ہو جائے۔ہمارے نزدیک انسان کا چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند تک پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔

حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت کا نشان ملتا ہے، وہیں تفاسیر پر گہری نظر اور اسلامی اصولوں سے پوری واقفیت کا بھی اندازہ لگتا ہے جو اجتہاد کے لوازم ہیں۔

حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے نئے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں عالم اسلام کے بڑے بڑے مفتیان کرام پر آپ کا علمی تفوق اور قوت اجتہاد میں برتری روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ہندوستانی حکومت نے شروع شروع میں حج کے لیے بھی پاسپورٹ پر فوٹو لازمی قرار دیا تو تمام مفتیان کرام اس خصوص میں فوٹو کھنچوانے کے جواز وعدم جوام سے متعلق شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ بعض حضرات نے جواز کا فتویٰ دیا اور لکھا حج فرض کی ادائیگی ضروری ہے جو فوٹو کھنچوائے بغیر نہیں ہوسکتی اور فوٹو کھنچوانا شرعاً ممنوع و محظور ہے۔ تو الضرورات تبیح المحظورات کے تحت ناجائز و گناہ نہیں رہنا چاہیے مباح ہو جانا چاہیے۔ نیز حج فرض ہو جانے کے بعد ادائیگی میں تاخیر کرنا از روے شرع بلیۃ (آزمائش) ہے اور فوٹو کھنچوانا بھی بلیہ مگر حج کی ادائیگی میں تاخیر کے بلیہ سے فوٹو کھنچوانے کا بلیہ اَہْوَنْ (زیادہ ہلکی) ہے۔ کیوں کہ حج کی ادائیگی میں تاخیر گناہ وفسق ہے۔

اس لیے" من ابتلی ببلیتین وهما متساويتان ياخذ بايتهما شاء وان اختلفتا يختار اهونهما لان مباشرة الحرام لاتجوز الا للضرورة ولا ضرورة فی حق الزيادة" (الاشباہ والنظائر ج۱۔ص۱۲۶القاعدۃ الخامسہ: الضرر یزال، کراچی)

کے تحت فوٹو کھنچوا کر ادائیگی حج کی اجازت ہونی چاہیے۔ جیسے کسی کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ جھوٹ بولے بغیر حاصل نہ ہو سکتا ہو تو شریعت نے اسے احیائے حق کے لیے جھوٹ بولنے کی رخصت دی ہے۔ باوجودیکہ عام حالات میں جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اسی طرح فوٹو کھنچوانا بھی اگر چہ گناہ ہے مگر چوں کہ حج فرض اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا ہے تو اسقاط فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی بھی رخصت ہونی چاہئے۔ ہاں حج نفل کے لیے فوٹو کھنچوانا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن حضور مفتی اعظم نے فرمایا: حج کے لیے امن طریق بالاتفاق شرط ہے۔ ایک روایت کے مطابق نفس وجوب کی شرط اور دوسری اصح اور راجح روایات کے مطابق وجوب ادا کی شرط۔ ردالمحتار میں ہے۔

"وقدمنا عن اللباب انه من شروط وجوب الاداء فی شرحه انه الا صح ورجحه فی الفتح و روی عن الامام انه شرط وجوب"

(ردالمحتار ج۔۳ص۴۶۲، کتاب الحج، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور امن مطلق ہے جو حسی و شرعی دونوں کو شامل ہے تو جس طرح امن حسی نہ ہو یعنی راہ میں لوٹ

مار سے جان ضائع ہونے کا ظن غالب ہو تو پہلی روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں۔ اس میں تاخیر جائز ہے۔ اسی طرح امن شرعی نہ ہو یعنی ارتکاب حرمت کرنا پڑے۔ جیسے عورت کو شوہر یا محرم کی ہمراہی نصیب نہ ہو یا عورت عدت کی حالت میں ہو تو ایک روایت کے مطابق حج ہی فرض نہیں اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں۔ اس میں تاخیر جائز بل کہ واجب ہے۔ فوٹو کھینچوانے میں بھی ارتکابِ حرمت ہے تو ایسی صورت میں بھی امن شرعی مفقود ہوا۔ لہٰذا پہلی روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج فرض ہوگا مگر ابھی ادا کرنا فرض نہ ہوگا۔ اس میں تاخیر جائز بل کہ واجب ہوگی۔ پہلی روایت کے مطابق حج فرض ہی نہیں تو فوٹو کھنچوا کر حرام کا مرتکب ہونا غیر فرض کے لیے ہے جس کے معصیت ہونے میں شبہہ نہیں۔ دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگر چہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔ تو اب بھی درحقیقت غیر فرض ہی کے لیے فوٹو کھنچوانا ہوگا۔ اس لیے اس صورت میں بھی گناہ سے مفر نہیں۔

پھر یہ مسئلہ اور اس طرح کے تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا جب امتثال مامور بہ ارتکاب حرام کو مستلزم ہو تو مامور بہ کو مؤخر کرنا واجب ہو جاتا ہے اور حرام سے پرہیز کرنا لازم رہتا ہے کہ پرہیز ہی راجح ہے۔ یہاں تک کہ امتثال مامور بہ کے لیے اگر ارتکاب حرام کرے گا تو فاسق ہو جائے گا۔ اور اس کی تائید میں غنیّۃ شرح منیہ اور اس کے علاوہ دوسری کئی کتابوں سے یہ نظیر پیش کی موضع ستر میں قدر درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو تو اس کا دھونا فرض ہے۔ اور دوسرے کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے۔ اب اگر دوسرے کے سامنے ستر کھولے بغیر دھونے کی کوئی صورت نہ ہو تو ستر کھولنا جائز نہیں۔

غنیّۃ شرح منیہ (کتاب الطہارت: کیفیۃ الاستنجاء بالماء) میں ہے:

"لا یجوز الکشف عند احد اصلاً لانہ حرام یعذر بہ فی غسل طھارۃ النجاسۃ اذا لم یمکنہ ازالتھا من غیر کشف۔ و قال البزازی ومن لم یحدث منہ ترکہ ولو علی شط نھر لان النھی راجح عل الامر حتی یستوعب النھی الا زمان ولم یقتض الامر التکرار۔ و قال قاضی خان قالوا من کشف العورۃ للاستنجاء یصیر فاسقا الخ۔"

(ص ۱۶، کتاب الطہارۃ، باب الوضو والغسل، نول کشور، لکھنو ۱۸۷۸ء)

اس مقام تک حضور مفتی اعظم نے اپنے مدعا کو مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور ضمناً اس فتویٰ میں پیش

کی گئی دلیلوں کے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔مگر اب اس کے بعد بالقصد اس فتویٰ کی دلیلوں کو رد کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔فرماتے ہیں:

۱۔ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ فوٹو کھنچوانے کی شرط پر ایک روایت کے مطابق سرے سے حج ہی فرض نہیں ہوگا اور دوسری اصح اور راجح روایت کے مطابق حج اگر چہ فرض ہے مگر ابھی ادا کرنا فرض نہیں۔تو ضرورت ہی متحقق نہیں ہوئی۔اس لیے الضرورات تبیح المحظورات سے استدلال صحیح نہیں۔

۲۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابھی ادا کرنا بہر حال فرض نہیں تو تاخیر میں سرے سے گناہ ہی نہیں اور جب گناہ ہی نہیں تو بلیتین (دونوں آزمائشیں) کا تحقق کہاں ہوا ہے؟ بلیہ تو صرف فوٹو کھنچوانا ہوا۔ اور بالفرض ادائیگی بھی فرض ہو تو بھی تاخیر گناہ کبیرہ نہیں بل کہ اس کے صغیرہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

درمختار میں ہے:

" علی الفور فی العام الاول عند الثانی فیفسق وترد شهادته بتاخیره ای سِنین لان تاخیره صغیرة وبارتکابه مرة لا یفسق الا بالاصرار"۔

شامی میں ہے:

"فیکون التاخیر مکروهاً تحریماً لا حراماً لان الحرمة لا تثبت الا بقطعی"۔

(ج ۳۔ص ۴۵۴ کتاب الحج، دارالکتب العلمیہ ،بیروت)

اور فوٹو کھنچوانا حرام ہے تو تاخیر ہی اہون بلیتین (دو آزمائشوں میں زیادہ ہلکی) ہوگی نہ کہ فوٹو کھنچوانا۔

۳۔ حق العبد اور حق اللہ دونوں کی روایت متعذر ہونے کی صورت میں حق العبد کی رعایت کو ترجیح حاصل ہے۔لہٰذا جب احیائے حق جھوٹ پر موقوف ہو تو جھوٹ نہ بولنے میں حق العبد فوت ہوگا۔اور جھوٹ بولنے میں حق اللہ فوت ہوگا اور ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں حقوق کی رعایت ہو سکے لہٰذا حق العبد کی رعایت کو مقدم رکھ کر جھوٹ بولنے کی رخصت دی جائے گی۔صورت متنازعہ میں حج نہ کرنے سے حق اللہ فوت ہوگا اور فوٹو کھنچوانے سے بھی حق اللہ فوت ہوگا۔اور حق اللہ میں نہی کی رعایت امر پر ترجیح رکھتی ہے۔لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔بل کہ صورت متنازعہ میں جب واجب الادا نہیں تو حج کو مؤخر کرنے سے حق اللہ فوت ہی نہیں ہوگا۔البتہ قریب مرگ اپنی طرف سے حج کے لیے وصیت نہ کرے تو حق اللہ فوت ہوگا۔الخ

فقہی اصول اور ضوابط کے سلسلہ میں حضور مفتی اعظم کی جلالت علمی اور مہارت تامہ اصحاب فقہ وافتا پر روشن ہے، مفتی محمد یامین صاحب مرادآبادی لکھتے ہیں:

قول امام ابو یوسف پر عمل سے آدمی حنفیت سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟:

ایک اصولی استفتا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے کیا گیا کہ وقائع وحوادث تو بہت ہیں۔ اگر کسی مسئلے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہ ملے یا اختلافی مسائل میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر عمل کرے تو کیا اس کی وجہ سے وہ حنفیت سے خارج ہو جائے گا؟ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ٹھوس دلیلوں کے ذریعہ بیان فرمایا کہ وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا مقلد رہے گا۔ آپ رقم فرماتے ہیں:

قول امام ابو یوسف یا قول امام محمد یا ان کے سوا امام زفر وغیرہ تلامذہ حضور امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل سے حنفی، یوسفی یا زفری وغیرہ نہ ہو جائے گا کہ مذہب نہیں مگر امام اعظم کا ان کے اقوال امام اعظم ہی کے اقوال ہیں۔ جو جس سے مروی ہوا اس کی طرف منسوب ہوا، جس مسئلہ میں امام کا کوئی قول نہیں ملتا امام ابو یوسف مضطرب ہوتے اور حیران رہتے خود ان سے یہ منقول ہوا :

ہر وہ امر جس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی قول مروی نہ ہوا قیامت تک مضطرب ہی رہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہوا کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب وحیران وپریشان ہوتے اور فرمایا کرتے ہر وہ مسئلہ جس میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہیں ہمارا اس میں یہی حال ہے۔ ایسی جگہ کبھی یہ امام ابو یوسف یا امام کے اصحاب سے کوئی صاحب جو فرمائیں وہ بھی امام ہی کا ارشاد ہے کہ یہ جو کچھ فرماتے ہیں آخر انھیں اصول وقواعد سے جن پر امام اعظم کے مذہب کی بنا ہے۔ یہ حادثہ اگر امام اعظم کے عہد میں حدوث پاتا امام کے حضور پیش ہوتا انھیں اصول سے امام کا بھی ہر ارشاد ہوتا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ صوری وضروری، صوری وہ جو مقول منقول ہو، ضروری وہ جس کا قائل نصاً قائل نہیں لیکن ضمناً ضرور قائل ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۷۰)

ایمرجنسی دور میں نسبندی کی حرمت کا بے لاگ فتویٰ:

ایمرجنسی دور کے یادگار فتویٰ کو مقررین نے بے تکے انداز میں بیان کر کے اس کی معنوی خوبیوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حق گوئی و بے باکی کے علاوہ اس فتویٰ کی معنوی حیثیت بہت اہم ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی نافذ ہوئی اس دور میں حکومت نے نسبندی کا جبری قانون نافذ کیا۔ لوگ سخت اضطراب، بے چینی، بے یقینی، خوف اور گھٹن محسوس کر رہے

تھے۔کانگریسی مفتیوں کے فتویٰ جواز کی وجہ سے حکومت نے نسبندی کے عمل میں مزید شدت پیدا کردی تھی۔ایسے حوصلہ شکن ماحول میں ایک درویش صفت مفتی نے بے لاگ فتویٰ دے کر حکم شرعی سے لوگوں کو آگاہ کیا۔اور بہ چند وجوہ اسے حرام قرار دے کر حکومت کے عزم واستقلال میں زلزلہ پیدا کردیا۔فتویٰ میں حضور مفتی اعظم نے نسبندی کے حرام ہونے کی جو وجہیں تحریر کی ہیں۔ وہ بہت اہم ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی نظر کتنی دقیق تھی۔آپ نے نس بندی کے حرام ہونے پر جو وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔میں یہاں صرف انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) نسبندی میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے۔جو قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے،

(۲) اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے۔

(۳) نسبندی میں بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی غلیظ ستر کھولا جاتا ہے۔

(۴) ستر وغلیظ ستر کو اس میں چھوا جاتا ہے۔

(۵) قاطع توالد ہونے کی وجہ سے معنی خصا (خصّی ہونا) میں ہے۔اور یہ نص قرآن وحدیث سے حرام ہے۔

(۶) کثرت اولاد کو مفلسی کا باعث سمجھنا بھی وجہ منع ہے۔(فتاویٰ مصطفویہ،ص:۵۳۱)

درجہ بالا وجوہ سے نس بندی کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوا۔وہ بھی ایسے وقت میں جب فتویٰ دینا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔سچ کہا ہے کسی نے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم کی طرف بعض فتاویٰ کا غلط انتساب:

مفتی آل مصطفیٰ صاحب مصباحی لکھتے ہیں:

کچھ لوگوں نے جوش عقیدت میں بعض بے بنیاد فتوے کا انتساب حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف کردیا ہے۔اس سلسلے میں اسٹیج کے مقررین نے زیادہ چرب زبانی دکھائی ہے اور اس پر غور وفکر نہیں کیا ہے کہ منسوب فتوے کی تہہ سے کیسی کیسی بوالعجبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔۲۷۔۲۸ تاریخ کو چاند کی رویت کا مسئلہ بھی انھیں منسوب فتاویٰ میں سے ایک ہے۔چند سال قبل راقم الحروف نے تذکرہ مشائخ قادریہ کے مصنف اور بعض دیگر علما کو اس فتویٰ سے متعلق خط تحریر کیا تھا کہ اس فتویٰ کا اصل ماخذ کیا ہے؟ میرا یہ مطالبہ آج بھی باقی ہے۔ مجھے کہیں سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بہر حال اس تعلق سے خواجہ علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی اور فقیر راقم الحروف نے بہت تفصیل سے مقالے تحریر کیے ہیں۔ جو

ماہنامہ اشرفیہ اور ماہنامہ کنز الایمان میں طبع ہوئے ہیں اور ہیئت و شریعت کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ۲۷۔۲۸ تاریخوں میں چاند اور سورج کے درمیان اتنی دوری نہیں ہوتی کہ چاند قابل رویت ہو سکے۔ بلفظ دیگر ان تاریخوں میں چاند کا دیکھنا ناممکن ہے۔

اسی طرح بعض مقالے میں ایسا فتویٰ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف صراحۃ منسوب دیکھا گیا جو فتویٰ یعنی فتوے کے الفاظ مفتی اعظم کے نہیں، بل کہ مفتی افضل حسین علیہ الرحمۃ یا کسی دوسرے عالم و مفتی کے ہیں۔ہاں مفتی اعظم کی ان فتاویٰ پر تصدیق موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ فتویٰ کی تصدیق کا مطلب حکم پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔نہ کہ الفاظِ فتویٰ و اسلوبِ فتویٰ کو بعینہ الفاظ و اسلوبِ مصدق بتانا۔ ہر مفتی کا اپنا اسلوب بیان ہوتا ہے۔حضور مفتی اعظم کا اسلوب بیان نرالا تھا، ان کے فتاویٰ میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے اسلوب نگارش کی بھرپور جھلک موجود ہے۔ اس لیے ایسے انتساب سے بھی گریز کیا جانا چاہیے۔

اس بات کا اعتراف ہے کہ زیر نظر عنوان کے لیے جو وقت در کار تھا وہ مجھے مل نہ سکا۔مصروفیات کی بنیاد پر اطمینان سے لکھنا نصیب نہ ہوا۔ورنہ اس بطل جلیل کے افتا میں مہارت کے ایسے مزید شواہد پیش کرتا کہ آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور آنے والی نسل کے لیے فن افتا میں مشق و تمرین کے لیے نسخہ کیمیا اثر ثابت ہوتا۔ پھر بھی جو کچھ نقل کیا گیا ہے، اس سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔مولیٰ تعالیٰ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے فیضانِ کرم و سحاب فقہ سے ہم پر بھی بارش برسائے۔آمین

(جہان مفتی اعظم ۵۱۸۔۵۲۰)

علوم و معارف:

مفتی شبیر حسن صاحب لکھتے ہیں:

الولد سر لابیہ۔مفتی اعظم جملہ علوم و فنون میں دسترس و مہارت تامہ و کاملہ رکھتے تھے۔ یہ محض عقیدت ہی نہیں ہے بل کہ حقیقت کا اظہار و بیان ہے۔فقیر کی نگاہ سے کوئی مستقل کتاب معقولات میں حضرت موصوف کی نہیں گزری لیکن ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے اذعان و یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت موصوف گرامی کو علوم عقلیہ میں دسترس تام و قدرت عام حاصل تھی۔حضرت کی تصانیف منیفہ وقعات السنان، ادخال السنان، الموت الاحمر وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علوم عقلیہ کے امام اور ان کے ماہر کامل تھے۔ایسے ایسے ایرادات اور ایسی گرفتیں فرمائی ہیں کہ تھانوی صاحب کو بے زبان کر دیا ہے۔ان پر اور ان کے حواریوں پر ایسا جمود و تعطل طاری ہوا کہ آج

تک لا جواب رہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت لا جواب رہیں گے۔ ارباب تحقیق مذکورہ کتب کا مطالعہ کریں تو میرے بیان کی تصدیق ضرور کریں گے۔ الموت الاحمر حضرت موصوف گرامی کی کتاب مستطاب کفر لزومی والتزامی کے بیان میں ہے۔ اور کفر لزومی والتزامی و کفر فقہی و کلامی میں فرق و تفاوت ہے۔ صاحب تقویۃ الایمان کے کفریات سب کفر لزومی و فقہی ہیں اور صاحب براہین قاطعہ و صاحب تحذیر الناس و صاحب حفظ الایمان وغیرہ کے کفریات التزامی و کلامی ہیں۔ اور لزومی و فقہی پر حضرات فقہائے کرام تکفیر کرتے ہیں اور حضرات متکلمین عظام تکفیر نہیں کرتے اور امام احمد رضا قدس سرہ نے صاحب تقویۃ الایمان کے کفریات بوجوہ کثیرہ ثابت کرنے کے بعد بھی تکفیر قطعی نہیں فرمائی ہے اور فقہا کے نزدیک کافر بتایا ہے اور صاحب براہین قاطعہ و تحذیر الناس وغیرہما کی تکفیر قطعی فرمائی ہے۔

اور امام احمد رضا قدس سرہ نے کتاب لا جواب و مستطاب المعتمد المستند شریف میں ارشاد فرمایا کہ نبوت کا محض امکان ذاتی ماننے پر کافر نہ کہیں گے۔ ہاں خاتم النبیین دو ہونا محال بالذات ہے یعنی جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل محال بالذات ہے۔ اس پر اغیار کو شبہ و اعتراض تھا کہ اس مسئلہ پر دیوبندیوں کی کیوں تکفیر کی گئی؟ انھیں دو مسئلوں سے متعلق شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۳۷ھ میں الموت الاحمر تصنیف فرمائی جس کا پورا تاریخی نام الموت الاحمر علی کل انحس اکفر ہے اور تاریخی لقب ہشتاد بید و بند بر مکاری دیوبند ہے اسی کتاب مستطاب میں علوم عقلیہ میں جولانیت دکھاتے ہوئے اغیار کے شکوک و شبہات واہیہ کا ازہاق و ابطال فرمایا ہے۔ اور ایسا دقیق کلام فرمایا ہے کہ علوم عقلیہ میں بڑے بڑے شغل و اشغال رکھنے والے ماہرین دنگ رہ جاتے ہیں۔ صاحب تحذیر و تھانوی معنوی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ تو بدیہی ہے کہ اس تقدیر پر کہ بعد زمانہ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام بھی کوئی نبی پیدا ہو، ختم زمانی باطل ہو جائے گا۔ کہ وہ تو یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں (تحذیر الناس صفحہ:۲) اور جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہو تو سب میں آخری نبی کب رہیں گے۔ کہ ان سے آخر اور ہوا۔ غرض اس سے ختم زمانی کا انتفا بدیہی اور اس کے انتفا سے نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم کہ اسے ختم زمانی لازم تھا۔ تحذیر الناس صفحہ ۹ ر ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے اور لازم کے انتفا سے ملزوم کا انتفا لازم تو نہ ختم زمانی رہا نہ ذاتی بچا۔ سب فنا اور خاتمیت بجا اس میں کچھ خلل نہ آیا یہ کیسا شدید کفر ہے اور کتنی ڈھٹائی کے ساتھ دیوبندی تعصب و عناد کے مارے ہوئے ہیں؟

تھانوی صاحب آپ تو اب طالب تحقیق ہیں۔ ضرور اس پر غور کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ان کے بدگویوں کی حمایت نہ لیں گے۔ سادساً یہاں آپ اپنی سمجھ قاصر رہنے پر اللہ کو

گواہ کررہے ہیں۔اس شدید قسم کی حاجت نہ تھی۔اکابر دیوبند تو اسے سمجھے نہیں۔آپ کیا سمجھتے ؟ اب سمجھیے اور یہ لباس باطن نہ سمجھ سکیں تو تھانوی صاحب ظاہری بن کر سمجھیے۔تعدد امکان، امکان تعدد نہیں۔جیسے اجتماع امکانات، امکان اجتماع نہیں۔حصول فردیت ہر تشخص سے ممکن اور تعدد محال بالذات ممکن کے وجود وعدم دونوں ہر وقت ممکن اور اجتماع محال بالذات ہر تضاد میں دونوں ضدیں ہمیشہ ممکن کہ ممکن کبھی محال نہیں ہوسکتا ورنہ انقلاب مواد لازم آئے گا اور اجتماع محال، جو وقت لیجیے اس میں رات و دن دونوں ممکن اور دونوں ہوں یہ محال ہے۔اس کی نظیر شرعیات میں حل للازواج ہے۔عورت ہر نامحرم کے لیے حلال اور اجتماع شرعاً محال تو اس امکان ذاتی سے امکان تعدد خاتم سمجھنا کیسا باطل خیال۔اتنی نافہمی کے بعد اس کی کیا شکایت کہ سب اس عالم سے ایک ہی وقت میں تشریف لے جائیں تو سب خاتم ہوں گے —
ایک بھی نہ ہوگا کہ خاتم کا معنی باقرار تحذیر الناس صفحہ ۲؍ یہ ہے کہ سب میں آخری نبی، جب دس بیس ایک ساتھ ہوئے تو سب میں آخر ایک بھی نہ ہوا۔اور حضرت موصوف گرامی علیہ الرحمۃ والرضوان تعددِ امکان، امکانِ تعدد پر تحشیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں جس چیز میں تعدد محال ہے اور علی سبیل البدلیت دو یا سو کا احتمال ہے وہاں تعددِ امکان ہوا یعنی متعدد احتمالات ممکن ہیں مگر امکانِ تعدد نا ممکن، کہ مفروض یہ ہے کہ اس شی میں تعدد محال ہے۔

یہ ہیں چند سطور جو کتاب مستطاب الموت الاحمر سے ہدیہ ناظرین کردی گئی ہیں اور اسی قسم کے مباحث جلیلہ پر پوری کتاب مشتمل ہے۔اس عبارت رشیقہ بدیعہ کے دیکھنے کے بعد ہر ذی علم پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو کس قدر علوم عقلیہ میں دسترس وقدرت حاصل تھی۔ (جہان مفتی اعظم ۳۴۰۔۳۴۱)

حضور مفتی اعظم ''الولد سر لابیہ'' کی سچی تصویر تھے، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے جن علوم ومعارف کے دریا بہائے آپ ان کے شناور تھے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد بارہ سال مسلسل امام احمد رضا کی خدمت میں رہے جس کی بدولت آپ کو ہر فن میں تبحر حاصل تھا۔

مفتی محمد اعظم صاحب لکھتے ہیں:

مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف ومفتی رضوی دارالافتا فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دارالافتا میں بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کررہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے دی گئی تھی، حدیث جبریل میں جہاں قیامت کے علم کو پانچ ان علوم میں سے

بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا اور طلبہ کو سمجھا چکا تھا لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا۔ میں نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور اس حدیث میں مخلوق کے لیے پانچ علوم کے ذاتی نہ ہونے کی تخصیص ہے تو پانچ ہی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے حالاں کہ مخلوق کو کسی چیز کا علم ذاتی نہیں؟

حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا آپ نے کہا ہے کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی، یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علم معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے، خاص کلمات کے ذریعہ مثلاً نفی اور استثنا کے ذریعہ، کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ۔ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا، اس کے بعد فوراً حضرت مفتی اعظم نے فرمایا یہ کہیے علوم خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی۔ اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمق نظر وفکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازلگالیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں مگر مدرس اعظم بھی ہیں۔ پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا حضرت مفتی اعظم نے فرمایا۔

بے شک عالم کے کسی ذرے کا بھی علم مخلوق کو بے عطاے الٰہی حاصل نہیں کہ علم ذاتی خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حدیث شریف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اور ان پانچ کے سوا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے، اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن، قائف (قیافہ شناس) اور ساحر وغیرہ ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور وہ گمراہ تھے۔ اس قابل نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انھیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے، جب انھیں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہی نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کے دعوے سے نکلتا تھا کہ انھیں ان چیزں کا علم ذاتی ہے تو قرآن وحدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بے بتائے جو یہ دعویٰ کررہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے ان علوم کو بھی وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ بتائے اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے۔ یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔ (جہان مفتی اعظم ۳۶۵)

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی، مفتی اعظم کی ایک علمی مجلس کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

شرح ماۃ عامل عبدالرسول کے حاشیے میں عربی کا ایک مقولہ ہے :"اَلنَّارُ فِی الشِّتَاءِ خَیْرٌ مِّنَ

اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ“ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے۔ اور ظاہر ہے یہ معنیٰ کفری ہے۔

حاشیہ شرح ماۃ عامل کے مطابق مِنْ یہاں پر قسمیہ ہے۔ تو اب معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ و سول کی قسم آگ جاڑے میں بہتر ہے۔ مگر اس توجیہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے۔ مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں۔ علما کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا۔ سب نے اپنے اپنے طر پر جوابات دیئے۔ پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا۔ حضرت نے ایسا جواب دیا جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں۔ یہ بات منجانب اللہ ہے۔ اسی طور پر اس جملہ کو سمجھیے۔

حضرت کے ارشاد سے صاف ہوگیا کہ ”مِنْ“ یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو۔ جو گزرا۔ نہ تفضیل کے لیے جیسا کہ اس جملے سے ذہن کو دھوکا ہوتا ہے۔ بل کہ من یہاں ابتداے غایت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے: اللہ و رسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے۔

(جہان مفتی اعظم ۳۶۶)

مفتی مجیب اشرف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک روز ایک صاحب حضور سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو دیکھنے میں بظاہر مولوی لگتے تھے، اور ان کی بات چیت سے ایسا محسوس ہوا کہ متصلب سنّی نہیں ہیں، عقیدے کے اعتبار سے مذبذب ہیں، حضرت والا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر کی بیٹھک میں تشریف فرما تھے، آنے والے صاحب ایک طرف کرسی پر خاموش بیٹھے تھے، کچھ دیر کے بعد حضرت قبلہ نے حسب عادت دریافت فرمایا آپ نے کیسے تکلیف کی؟ انھوں نے عرض کی ایک بات پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو عرض کروں۔ حضرت والا نے فرمایا: کیا پوچھنا ہے؟ پوچھیے، اجازت پا کر ان صاحب نے اپنا سوال پیش کیا۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی تکفیر سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو علما اہل سنت مولانا اشرف علی صاحب اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی وغیرہ علما دیوبند کی تکفیر کیوں کرتے ہیں، یہ لوگ بھی تو اہل قبلہ ہیں؟

جواب: سوال سن کر حضرت والا کی ایمانی غیرت کو جوش آگیا، آپ نے پر جلال انداز میں

ارشاد فرمایا، جو شخص مطلقاً یہ کہتا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر خواہ کیسا ہی کفر صریح وقبیح بک جائے جائز نہیں، وہ جھوٹا، جاہل، بے باک اور شریعت پر افترا کرنے والا ہے۔ شامی جلد چہارم کا صفحہ دو سو ستہتر (۲۷۳) کھول کر دیکھ لو صاف صاف یہ لکھا ہوا ہے لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان اہل القبلۃ المواظب طول العمر علی الطاعات، کچھ سمجھے علامہ شامی علیہ الرحمۃ کیا فرما رہے ہیں؟ سنو! وہ یہ فرما رہے ہیں کہ ضروریات اسلام کے منکر کے کفر میں علمائے اسلام میں سے کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے اگر چہ منکر اہل قبلہ ہو، جس کی پوری زندگی شریعت کی پابندی کرتے گزری ہو۔

اسی میں ہے:

” لاخلاف فیہ کفر المخالف فی ضرویات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد و نفی العلم بالجزئیات وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمرہ علی الطاعات کما فی شرح العزیز“۔

(ج ا۔ص ۳۰۰ باب الامامۃ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور دنیا کے تمام علمائے اسلام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک اور سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قول مقبول معلوم نہیں تھا؟ کہ ان حضرات نے بے سوچے سمجھے اہل قبلہ منکر ضروریات دین کی تکفیر کر دینے کو صرف جائز ہی نہیں بل کہ واجب قرار دیا اور فرما گئے۔”من شك فی کفرہ و عذابہ فقد کفر“ (منکر ضروریات دین کے کفر اور اس کے عذاب میں جو شک کرے وہ بھی کافر ہے۔(خواہ اہل قبلہ سے ہو یا غیر سے)

کیا مدینہ منورہ کے رہنے والے منافقین جنھوں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست پاک پر اپنا ہاتھ رکھ کر توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا، اور ببانگ دہل کہتے پھرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں وہ اہل قبلہ میں سے نہیں تھے، کلمہ، نماز اور روزے وغیرہ جملہ اسلامی کام کرتے تھے، باجود اس کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان پر حکم کفر لگایا۔

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

﴿قَدۡ كَفَرۡتُم بَعۡدَ إِيمَٰنِكُمۡ﴾ [سورہ توبہ: ٦٦]

ترجمہ: اے منافقو! بلاشبہہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر کفر کا حکم عائد فرمایا، ان کو مسجد نبوی شریف سے جمعہ کے دن مسجد سے نکال باہر کیا۔ حضور نے کیا مسلمانوں کو مسجد سے نکالا؟ ہرگز نہیں، بتاؤ! کیا اللہ ورسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا

اہل قبلہ ہونا معلوم نہ تھا، معاذ اللہ، معاذ اللہ، استغفر اللہ، یاد رکھو جو کفر بکے گا اس پر کفر سوار ہو جائے گا، اہل قبلہ ہونا اس کو کفر کی بلا سے ہرگز نہ بچا سکے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو شریعت سے امان اٹھ جائے، فتیح سے فتیح کفر بکتا جائے اور سچا پکا مسلمان بن کر گھومتا رہے، کیا اسی کا نام اسلام ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ ورسول نے کفر واسلام کو خوب سے خوب تر واضح فرما دیا ہے، تاکہ تلبیس ابلیس کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی لیے فرما دیا ہے قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورہ بقرہ، ۲/۲۵۶) ترجمہ: خوب اچھی طرح جدا ہو چکی ہے ہدایت کی راہ گمراہی سے۔ ارشاد ربانی نے واضح کر دیا کہ اسلام وکفر دونوں شخص واحد میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے، اسلام آئے گا تو کفر رفو چکر ہو جائے گا اور کفر گھسے گا تو اسلام رخصت ہو جائے گا، دونوں میں تباین کی نسبت ہے۔ (یعنی دونوں بیک وقت ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے دن اور رات دونوں ایک ساتھ نہیں پائے جا سکتے، جہاں دن ہے وہاں رات نہیں، جہاں رات ہے وہاں دن نہیں) اور علمائے ربانیین کو ان میں فرق وامتیاز کی پوری پوری صلاحیت عطا فرمائی گئی ہے۔ وہ ہرگز کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر نہیں کہہ سکتے۔

علمائے کرام کی کتابیں اٹھا کر دیکھو معلوم ہو جائے گا کہ ضروریات دین کے منکر کی تکفیر بھی ضروریات دین سے ہے اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے، کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے، علما کی تصریحات اور ان کے واضح ارشادات سنو! کہیں ارشاد ہوا اجماع الامۃ علی تکفیر من خالف الدین المعلوم بالضرورۃ یعنی جس بات کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے، اس کے منکر کی تکفیر پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے) کہیں فرمایا: "لا نزاع فی اکفار منکر شئی من ضروریات الدین، و ان کان من اھل القبلۃ" (یعنی جس بات کا ماننا ضروریات دین سے ہے، اس کے منکر کے کافر کہنے میں کسی کا اختلاف نہیں وہ منکر اگرچہ اہل قبلہ سے ہو) کہیں علما نے یوں تصریح فرمائی، " خرق الاجماع القطعی الذی صار من الضروریات کفر" (ایسا قطعی اجماع جو ضروریات دین سے ہے اس کا نہ ماننا کفر ہے) شامی میں ہے:

وقد شرح فی التحریر فی باب الاجماع بان منکر حکم الاجماع القطعی یکفر عند الحنفیۃ وطائفۃ۔ (ج ۲۔ ص ۴۴۰ باب الوتر والنوافل دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا قرآن وحدیث اور علما اسلام کی ظاہر و باہر تصریحات سے اندھے ہو کر سب سے الگ اپنی ڈفلی بجا بجا کر اپنا راگ الگ الاپو گے؟ استغفر اللہ

میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ ضروریات دین کے منکر کی تکفیر کرنی اطلاع شرعی

یقینی کے بعد واجب ہے، اگر نہ کرے گا خود کافر ہو جائے گا، اسی لیے تو فرمایا گیا ہے: "من شك في عذابه و كفره فقد كفر" (ج۔٦ ص ۳۷۰ ردالمحتار باب المرتد، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی ضروریات دین کے منکر کی تکفیر اور اس کے عذاب میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ مولوی قاسم اور مولوی اشرف علی وغیرہما کی تکفیر ضروریات دین کے انکار کی وجہ سے کی گئی ہے۔

مولوی قاسم نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں حضور خاتم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا ہے، بل کہ اس عقیدے کو محض عوام کا خیال بتایا ہے، جب کہ حضور خاتم النبیین کا آخری نبی ہونا ایسا عقیدہ ہے جو بالاتفاق ضروریات دین سے ہے، چنان چہ فتاویٰ یتیمۃ الدہر، فتاویٰ عالم گیری اور الاشباہ والنظائر میں ہے اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات۔ (الاشباہ والنظائر ج۲۔ ص۹۱ کتاب السیر، باب الردۃ، کراچی)

یعنی جب کوئی شخص حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان ہی نہیں ہے، کیوں کہ آپ کو آخری نبی ماننا ضروریاتِ دین سے ہے۔ اسی طرح مولوی اشرف علی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں اور مولوی خلیل احمد و مولوی رشید احمد وغیرہم نے براہین قاطعہ میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں جو ضروریات دین کے صریحاً خلاف ہیں۔ اس لیے ان پر حکم کفر قطعی اور جزمی ہے۔ اہل قبلہ ہونا اور پوری زندگی عبادت و ریاضت میں گزار دینا ان کو حکم کفر سے نہیں بچا سکے گا۔ عزازیل (شیطان) وہ بیت المعمور (فرشتوں کے قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا وہ بھی اہلِ قبلہ میں سے تھا۔ عالم و فاضل، عابد و زاہد تھا جب ضروریات دین کے انکار کرنے کی وجہ سے کفر سے نہ بچ سکا تو ایرے غیرے کی کیا حقیقت ہے؟ مزید تحقیق اور تسلی کے لیے میری کتاب الموت الاحمر کا مطالعہ نافع ہوگا، اور ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ سارے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

سبحان اللہ، ماشاء اللہ، حضرت کا کیا علمی استحضار تھا، جواب اتنا مدلل دیا کہ سائل بالکل مطمئن ہو گیا، مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ حضرت والا جب وہابیہ کی تکفیر کے مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے، اس وقت روانی گفتار کے ساتھ چہرہ انور پر علمی جلالت کے آثار، گستاخانِ رسول سے نفرت کا اظہار اور آپ کا پورا وجود محبت رسول سے سرشار نظر آ رہا تھا۔

اس وقت حضرت والا جب کتابوں کے حوالے مع اصل عبارت ارشاد فرما رہے تھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کتاب سامنے ہے اور دیکھ کر پڑھتے جا رہے ہیں، آج کی گفتگو میں بڑی شگفتگی اور روانی تھی، کہیں رکاوٹ اور تکلف کا احساس نہیں ہوتا تھا، جب کہ آپ گفتگو رک رک کر فرمانے کے عادی تھے، اس

کو کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو وہاں چند حضرات اور بھی موجود تھے، حضرت والا کی گفتگو سن کر سبھی لوگ محظوظ ہوئے۔ دورانِ گفتگو مذکورہ حوالوں کے علاوہ حضرت والا نے اور کئی کتابوں کے نام لیے اور ان کتابوں کی طویل عبارتیں بھی پڑھیں، مگر مجھے یاد نہ رہ سکیں، کاش کہ وہ تمام گفتگو ضبطِ تحریر میں آ جاتی تو ایک قیمتی علمی سرمایہ ہوتا، اپنی کوتاہی کا مجھے افسوس ہے۔ (جہان مفتی اعظم ۴۷۶۔۴۷۸)

ملی اور قومی کارنامے:

آپ نے ملک وملت کی حفاظت کے لیے اپنی اسلامی سیاسی بصیرت اور قوم مسلم کے عروج وارتقا کے لیے حسن تدبیر کو بروئے کار لا کر بر وقت رہنمائی فرمائی اور میدان عمل میں تشریف لا کر اپنی رہبری و پیشوائی کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

آپ کا دور نہایت پر آشوب تھا، ایک فتنے کے بعد دوسرے کا ظہور، پیہم غیر شرعی تحریکات اور ملک میں قابض حکمرانوں کا جبر واستبداد۔ ان سب مشکلات سے امت مسلمہ دو چار تھی۔ مزید اس پر یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے دین اسلام ہی سے برگشتہ کرنے اور اہل اسلام کی تعداد گھٹانے کے لیے مشرکین نے شدھی تحریک شروع کر دی جس کے سیلاب میں لاکھوں مسلمان بہہ گئے اور مرتد ہو گئے۔ ادھر آزادی وطن کی تحریک نے اسلامی امور میں مداخلت شروع کر دی، کبھی تحریک خلافت اور کبھی تحریک ہجرت کا شوشہ چھوڑا گیا جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو بے وطن، مفلس اور کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ غرض کہ فتنے بے شمار اور قائد ورہبر اقل قلیل۔

ان تمام فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور بر وقت رہبری و پیشوائی کرنا، پھر شرعی امور سے آگاہ کرنا۔ یہ وہ تمام خدمات تھیں جن کے لیے آپ نے جماعت رضائے مصطفیٰ کو پلیٹ فارم بنایا اور ہر موقع ومقام پر پہنچ کر مسلمانوں کی دستگیری فرمائی۔ صرف شدھی تحریک کے انسداد کو لے لیجئے جس میں آپ اور آپ کے رفقا نے شہر شہر بستی بستی، اور قریہ قریہ پیدل سفر کر کے پانچ لاکھ سے زیادہ مرتدین کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔

اس تحریک کے انسداد میں حضور مفتی اعظم کی جہد مسلسل اور جانفشانی کا ایک گوشہ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

اس وقت کی مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔ تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا۔ سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے تھے۔ مگر مجدد اعظم کے وارث علم وفضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔ تن بہ تقدیر یکا وتنہا چند اپنے رفقا کو لے کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔

چوں کہ اس فتنے کا زور نواح آگرہ میں بہت تھا اس لیے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ دورہ شروع کر دیا۔ جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے، وہیں پہنچ جاتے۔ جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے اور ساتھ ہی ساتھ بطور حفظ ما تقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے جہاں ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے۔ گرمی ہو یا جاڑا ہو یا برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ناز و نعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو، میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں، گرمیوں کے لوکے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پراوہ، نہ آرام کا خیال، دھن ہے تو یہ ہے کہ جس طرح ہو مسلمانوں کو بچایا جائے۔ کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنہ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفاصیل آج مل نہیں سکتیں ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔ [جہان مفتی اعظم ص ۳۳۷]

اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ایک ایسا موقع بھی آیا کہ آپ ۱۱ر مہینے تک اپنے وطن بریلی شریف تشریف نہیں لائے۔

شارح بخاری نے اس سلسلہ میں تفصیل سے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

۱۹۲۰ء بل کہ ایک دو سال پہلے سے ہندوستان سخت سیاسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس نا قابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان اپنے انجام سے بے خبر کانگریس کے دیوانہ وار شریک تھے اور مسلم لیڈران تو لیڈران علما نے آنکھ بند کر کے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جامد کر لی تھی حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے بارے میں یہ تک فرما دیا:

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستی کر دی

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے؟ حتیٰ کہ دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی بھینٹ چڑھا دی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے رہا نہ گیا اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں جن کی دلیل اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ کانگریس کا مقصد تمھیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے ۔اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھیے، آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب خطروں کی نشاندہی ملے گی جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں، جو مسلسل چالیس سال سے پولس ایکشن کے ذریعے مسلمانوں کے قتل عام، اموال کی لوٹ کھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگل پور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے۔ مسلم لیگ نے تو مطالبہ پاکستان بہت بعد میں کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کر دیا اور اس کے مضر اثرات بیان فرما دیے، اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔ اس سلسلے کی مفتی اعظم کی تصنیفات طرق الہدیٰ والارشاد وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بدباطن کانگریسی لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔ انگریز کانگریس کے اس زور وشور سے گھبرا اٹھا تھا۔ ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا اور جیل میں لے جا کر شیشے میں اتارا اور پھر رہا کر دیا۔ اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگھٹن کی تحریک چلائی۔ ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے۔ وہ بڑے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے نکلا۔ عمدہ سے عمدہ باجے، اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت پری پیکر لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

تفصیل میں نہ جا کر صرف ایک واقعہ سن لیں، اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک اور رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے۔ جہاں تک ریل تھی، ریل سے گئے اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لیے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب

مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انھیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کیے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کرلو۔اس نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں، اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔اس پر حضرت شیر بیشہ اہل سنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم کی غیرت ملی جوش پر آ گئی۔شیر بیشہ اہل سنت سے فرمایا : کہ مجمع والوں سے کہیے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کود ے۔جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔حضرت شیر بیشہ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچادیا۔اس کے بعد ایک جوش وسرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں۔ہیبتِ حق سے وہ تھر تھر کانپنے لگا اور مبہوت دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آ کر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا۔ٹس سے مس نہ ہوا۔کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔گانے والے گانا بھول گئے۔حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں۔سارا مجمع ساکت وجامد دیکھتا رہا۔تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو مکھیا وغیرہ قسم کے تھے،تخت کے قریب آئے اور کہا : مولوی جی اسے چھوڑ دو۔اب ہماری سمجھ میں آ گیا کہ تمھارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔اس کے بعد حضرت مفتی اعظم کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی ،کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہوگئے۔حضرت شیر بیشہ سنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا،نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔اب مجھے کہنے دیجیے۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی
اہل چین چین میں ایران میں ایرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

(جہان مفتی اعظم:۳۳۸)

فضل وکمال:

شہزادۂ محدث اعظم شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں حضور مفتی اعظم ہند کی جلالت علمی کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آ سکی۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے:

''ھذاحکم العالم المطاع وماعلینا الا الاتباع'' یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین ۔سند المحققین ، سر آمد علما وصوفیا، سراج خانوادہ اشرفیہ تھا بل کہ خود حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت ومحبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ وکعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضور محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کراسکیں گے ۔ جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع واجب الاتباع قرار دے۔

یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم کی اتباع عین اتباع رسول تھی ورنہ اسے محدث اعظم ہند جیسا فقیہ و محدث واجب قرار نہ دیتا۔ عشق رسول کے سمندر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے والے حضور مفتی اعظم کے لیے آل رسول فرزند بتول کی یہ عظیم شہادت کیا کچھ کم اہمیت رکھتی ہے؟ بریلی شریف کے افق سے اٹھنے والا یہ سحاب رحمت اٹھا اور اٹھتا ہی چلا گیا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ برسا اور برستا ہی چلا گیا۔ دین دیانت اور علم ودانش کی کھیتیاں سرسبز وشاداب ہوگئیں۔ امام احمد رضا کی آواز مفتی اعظم کی شکل میں ہند وبیرون ہند کے لاتعداد شہروں اور بے شمار قریوں میں پہنچی۔

وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جاکر پیاس بجھاتے وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جاکر برس آتے۔ اپنوں پر برسے غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں

پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے، یہی وجہ ہے کہ

جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا چیخ پڑی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۰ لاکھ انسانوں کا جم غفیر ہر طرف سے اکٹھا ہو گیا۔ (جہان مفتی اعظم ۲۳۱)

شارح بخاری لکھتے ہیں:

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج و زیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی، اس کو اپنی عیاشی کے لیے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ و گیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا۔ تو اس حریص ننگِ اسلام و مسلمین نے مجبور و بے کس حجاج پر یہ ظلم کیا کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔

ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر وتشدد کا عالم یہ تھا۔ ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں گستاخی کرنے والوں کے لیے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمرانوں پر صحیح تنقید کرنے والوں کو سزائے موت ہے۔ علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکہ معظّمہ میں نجدی ٹیکس کے حرام و گناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا جس کا نام: القنابل الذریہ علی اوثان النجدیہ جسے مطالعہ کر کے علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا ان ہذا الا الہام اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت، شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا۔ بطور تبرک قرآن و احادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہونے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے کہتا رہتا ہوں۔ اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والدِ مکرم مجدد اعظم نے نوعمری میں دارالقضا کا رکن بنایا اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ اپنے عہد میں پوری دنیائے سنّیت کا امام بنا، سلطان بنا، سرتاج بنا۔

(جہان مفتی اعظم ۳۲۶)

محاسن وخصائل:

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت کو ان خوبیوں سے بھی نوازا تھا جہاں عام طور پر انسان نہایت محنت ومشقت کے بعد بھی نہیں پہنچ پاتا۔ پھر ان پر آپ کے کسبی خصائل ومحاسن جو آپ کی طبیعت

میں ایسے راسخ ہو گئے تھے کہ گویا یہ آپ کی فطرت میں ودیعت ہے۔ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لیے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہل دل صوفی اور باکمال بزرگ تھے، بل کہ میرے نزدیک معمولات ذکر وفکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے۔ داد و دہش اور بذل و عطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مدتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ انھوں نے ہزاروں مقدمات کا منصفانہ فیصلہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ آپ کی کسبی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے بیسیوں عنوان ہیں اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف اتباع شرع و متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے۔

”من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسرا الی جھنم“

(مشکوٰۃ شریف، حدیث ۱۳۹۲۔ دار الفکر، بیروت)

جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں، اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

اس فرمان والا شان کے بموجب شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے۔ ہاں اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پُر کرنے کے لیے آگے جایا جا سکتا ہے کہ صف پُر کیے بغیر پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو مدنظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

(۳۰،۳۵) سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا نثار احمد صاحب غالبًا پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو لائے اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لیے عوام اہل سنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہو سکی۔ دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا نثار احمد

صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہنچے کہ مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لیے مصلیوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لیے بالکل مسجد سے ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

حضرت کرتا پائجامہ اور غالباً زرد رنگ کی صدری اور دو پلی ٹوپی اوڑھے ہوئے تشریف لائے، گرمی سے بچنے کے لیے تولیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔

آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل اہل مبارک پور کے دل میں، علما و مشائخ کی جو قدر و منزلت تھی، ادھر حضرت کا پرنور چہرہ اور دلکش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا نثار احمد لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لیے آپ کو راستہ دینے لگے کیوں کہ مسجد میں علما کے ساتھ ان کے احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم ہند!

غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ ! مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لیے اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لیے۔

آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ احیاے سنت بھی پائی جا رہی ہے۔ کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امور دنیا کے لیے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علماے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امور دنیا سے منع فرمایا صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو اور اسی لیے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے اور کچھ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اگر بہ ضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نشین کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصہ میں میلاد شریف کی تقریر تھی۔ حضرت کے ساتھ میں بھی شریک جلسہ ہوا جلسہ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم یا حضور حافظ ملت ہوں

وہ جلسہ بے حد پرکیف ہوجاتا تھا۔تقریر خوب جمتی تھی اور مقرراور سامع دونوں ہی کافی محظوظ ہوتے تھے۔

چنان چہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی۔مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پرکیف اور کامیاب رہااور آپ حسب معمول جلسہ میں آنکھیں بند کیے تشریف فرما رہے۔کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم وعظ کے بعد صاحب مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی تھی جس نے نہ کی ہو اب کرلے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے۔دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ساتھ ہی اس واقعہ سے رفع شبہ اور ہدایت خلق کے اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(جہان مفتی اعظم ۲۴۶۔۲۴۸)

شہزادۂ صدرالشریعہ مولانا بہاءالمصطفیٰ قادری تحریر فرماتے ہیں:

بندوں کی حاجت روائی آپ کا خاص وصف تھی۔کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر لوگوں کی حاجتوں کو سننا پھر اس کا مداوا کرنا،تعویذ کے پردے میں اپنی کرامت ومحبوبیت کو چھپانا۔جن مریضوں کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، لاعلاج مرض بتایا آپ نے تعویذ دے دیا۔دم فرمادیا چندروز میں بھلا چنگا ہوگیا۔

اختر حسین نام کے ایک صاحب سنبھل سے آئے جن کی کمر میں ایک گانٹھ ہوگئی تھی۔ڈاکٹروں نے کینسر تجویز کرکے آپریشن کرنا بتایا۔اس غم میں چلنا پھرنا بند۔بہت لاغر ہوگئے۔کسی طرح بریلی شریف حاضر ہوئے۔کیفیت بیان کی حضرت نے ہاتھ رکھ کر دم فرمایا۔تعویذ دیا چندروز میں کینسر غائب۔ایسے ایسے کام کے لیے تعویذ لینے آتے کہ سن کر ہنسی بھی آتی تھی مگر کیا مجال کہ حضرت کی پیشانی پر بل آئے۔عصر کا وقت تنگ ہوگیا تھا،نماز کے لیے اٹھنے والے تھے بل کہ ایک پیر میں جوتا بھی پہن لیا تھا،اتنے میں ایک خاتون لسڑ پسڑ کرتی آئیں اور بلاتمہید فریاد کرنے لگیں۔میاں میری لڑکی روتے روتے ہلکان ہوگئی اس کی مرغی غائب ہوگئی ہے، تعویذ دے دو۔یہ سنتے ہی سب ہنسنے لگے۔حضرت نے جلال میں فرمایا نماز کی دیر ہورہی ہے۔میں نماز پڑھوں گا خاتون ڈر کر واپس دروازہ تک پہنچ گئیں۔آواز دے کر بلایا۔تعویذ دیا اور فرمایا لوگوں نے اب یہ نکال لیا ہے کہ میاں جس پر ناراض ہوجاتے ہیں اس کا کام یقیناً ہوجاتا ہے۔(جہان مفتی اعظم ۳۰۶۔۳۰۷)

حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

۲/یا ۳/ یا۴/ ۱۹۷۴ء اپریل ء کا واقعہ ہے،(جب حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ مدرسہ دار القرآن، ذاکرنگر، جمشید پور کے جلسے میں تشریف لے گئے تھے) کہ مولانا غلام آسی علیہ الرحمہ کا ایک مرید سرکار مفتیِ اعظم کا پاوں دبانے لگا۔حضور نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ مولانا غلام آسی صاحب نے عرض کیا،حضور یہ میرے مریدوں میں ہیں،ان کا نام ہے سید صاحب۔ یہ سنتے ہی کہ یہ صاحب سادات کرام سے ہیں استغفر اللہ پڑھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑلیا اور پھر پاوں دابنے سے روک دیا، ہر چند وہ اصرار کرتے رہے،لیکن حضرت نے پھر انھیں خدمت کا موقع نہ دیا، یہی نہیں بل کہ ان کے ہاتھ کو بوسہ بھی دیا۔

تعظیمِ سادات کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولانا سید کاظم پاشا قادری حیدر آبادی جب مبارک پور دارالعلوم اشرفیہ میں زیرِ تعلیم تھے اور پھر جامعہ منظرِ اسلام بریلی شریف میں بھی چند سال تھے، وہیں سے فراغت ہوئی۔ان کا کئی بار کا واقعہ ہے کہ کسی جلسے اور کانفرنس میں جب سرکار مفتیِ اعظم تشریف فرما ہوتے اور سید کاظم پاشا صاحب جلسہ گاہ میں کہیں نظر آجاتے تو مفتیِ اعظم ان کو آدمی بھیج کر بلاتے اور اسٹیج پر بٹھاتے باوجود کہ وہ طالب علم تھے۔

درس وتدریس:

آپ نے فراغت کے بعد ہی سے درس کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا،منظر اسلام میں آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی ،آپ کی تدریس کا زمانہ تقریباً چالیس سال ہے،اس زمانہ میں آپ سے درس لینے والی وہ عظیم ہستیاں بھی ہیں جن کو ہندو پاک کے جلیل القدر علما وفضلا میں شمار کیا جاتا ہے اور جو بجائے خود اساطین ملت شمار کیے جاتے ہیں۔

مثلاً: شیر بیشہ اہل سنت مناظر اسلام حضرت علامہ مفتی محمد حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی
آپ نے ان کو بخاری شریف کا درس دیا
محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا سردار احمد صاحب لائیلپوری
ان کو آپ نے قطبی ،رضی اور مطول کا درس دیا۔[جہان مفتی اعظم ص ۱۰۷]

اسی طرح آپ سے دوسرے فقہا اور علمانے استفادہ کیا۔اور یہ سلسلہ ۱۳۶۵ھ تک رہا۔چوں کہ آپ کو فراغت کے بعد سے سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنی خدمت میں رکھ لیا تھا جہاں اعلیٰ حضرت تصنیف وفتویٰ نویسی میں مشغول رہتے تھے،حضور مفتی اعظم آپ کے شریک کار حوالوں کی تتبع تلاش اور اعلیٰ حضرت کے حکم سے تصنیف وتالیف میں مشغولیت ،اس بارہ سالہ مدت میں آپ نے بھی متعدد اہم علمی کتابیں

تصنیف فرمائیں اور اعلیٰ حضرت کے علم وفضل سے خوب خوب سیراب ہوئے۔

پھر بھی آپ کے تلامذہ ومستفیدین کی بہت بڑی تعداد ہے۔

ذات شیخ میں فنائیت:

حضور مفتی اعظم فنافی الشیخ کی منزل رفیع پر فائز تھے، آپ کے شیخ نے پہلے ہی دن آپ کو اپنی ذات میں اس طرح جذب کرلیا تھا اور مصلیٰ امامت پر بیعت کرکے اور اپنے ملبوسات عطا فرماکر ان پر اپنے انوار وتجلیات کی ایسی بارش فرمائی کہ سرکار نور کا یہ چہیتا مرید بھی نوری ہوگیا جس کا اشارہ خود آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا:

فقط نسبت کا جیسا ہوں، حقیقی نوری ہو جاؤں
مجھے جو دیکھے کہہ اٹھے میاں! نوری میاں تم ہو

ہاں اور یہ تعلق بھی نور علی نور ہے کہ سرکار نور نے اپنے فیوض وبرکات ظاہری لباس تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ آپ کے پورے وجود کو شرسار کردیا جس کی تمثیل یوں عمل میں آئی۔

شہزادۂ سید العلما سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں صاحب بریلی تشریف لے جاتے ہیں، نومولود کو نہالچہ میں سرکار کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔نوری میاں صاحب بڑی شفقت سے گود میں لیتے ہیں۔ یہ کون ہے؟ یہ چشم وچراغ خاندان برکات کا لخت جگر ہے۔جن مبارک ہاتھوں نے اس کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی، آج وہی ہاتھ اس پر شفقت برسا رہے ہیں۔نوری میاں صاحب کلمہ کی انگلی بچہ کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔شاید بچہ کو معلوم ہے کہ میرے والد کے قلم سے یہ شعر نکلا ہے ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہ نوری گھرانے کے نوری فرد نوری میاں کی انگلی ہے۔ بچہ بڑے چاؤ سے انگلی چوس رہا ہے۔ نوری میاں بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اپنے خاندان عالی کا نور بچے کے سینے میں انڈیل رہے ہیں۔قطب مارہرہ کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا ہے کہ یہ بچہ آگے چل کر ولایت کی منزلیں طے کرے گا۔ سچ ہے : ولی را ولی می شناسد

نوری میاں کی ساری دعائیں اس بچے کے حق میں صحیح ثابت ہوئیں اور وہ بچہ آگے چل کر مفتی اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔

حضور مفتی اعظم اپنے مرشد کے وصال کے وقت ۱۴ ؍سال کے تھے، کیوں کہ سرکار نور کا وصال

۱۳۲۴ھ میں ہوا۔اس لیے آپ کو اپنے مرشد کی بارگاہ اقدس میں حاضری کا بہت مختصر زمانہ ملا۔اس قلیل مدت میں آپ نے جتنی مجالس کا فیض پایا وہ تو اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں ہی،مگر سرکار نور کے وصال کے بعد آپ کو تقریباً اٹھتر (۷۸) سال کا طویل زمانہ ملا جس میں آپ ہر سال بذوق وشوق بارگاہ مرشد میں حاضری دیتے۔حضرت امین ملت صاحب سجادۂ آستانہ عالیہ برکاتیہ بیان کرتے ہیں کہ:

آپ سرکار نور کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے اور گھنٹوں مراقب رہتے پھر حضور صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضری دیتے۔ [جہان مفتی اعظم ص ۱۸۴]

استغنا اور بے نیازی:

مفتی اختصاص الدین اجملی سنبھلی رقم طراز ہیں:

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان مال ودولت سے قطعاً رغبت نہیں رکھتے تھے۔۱۹۷۳ء میں مدرسہ اجمل العلوم کے جلسہ دستار فضیلت میں حضرت قبلہ بحیثیت سرپرست سنبھل تشریف لائے۔جلسہ کا انتظام وانصرام میرے ہی ہاتھ میں تھا۔جلسہ سے فراغت کے بعد علماے کرام کی خدمت میں نذرانے پیش کیے گئے۔حضرت قبلہ کو بھی میں نے لفافہ پیش کیا۔حضرت نے فرمایا مولانا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔حضور یہ زادِ راہ ہے۔ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کے والد ماجد حضرت اجمل العلما سے بھی کبھی جلسہ کا نذرانہ نہیں لیا اور نہ ہی مولانا یونس صاحب سے لیا۔اور میں کسی بھی دینی مدرسہ سے نذرانہ وکرایہ نہیں لیتا ہوں۔یہ مدارس خود امداد واعانت کے مستحق ہیں،یہ حضرت قبلہ کی انتہائی تقویٰ واحتیاط کی بات تھی۔

اس کے بعد حاجی غلام محمد خاں صاحب سابق ممبر پارلیمنٹ اپنے مکان واقع موضع محمد گنج حضرت قبلہ ودیگر علماے کرام کو لے کر گئے۔رخصت کے وقت سب علماے کرام کو حاجی صاحب نے نذرانے وکرایے پیش کیے۔سب نے قبول کر لیے۔حضرت قبلہ کو بھی بطور نذرانہ حاجی صاحب نے ایک سو روپے کا نوٹ پیش کیا۔ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب مجھے نذرانہ وکرایہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔حاجی صاحب نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ پانچ روپے کا نوٹ دے دو،باقی رقم غربا ومساکین کو دے دو،ان کا فائدہ ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ شہر امروہہ میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ شاہی چبوترہ کے جلسہ دستار بندی میں حضرت قبلہ تشریف لے گئے،بعد اختتام جلسہ حضرت قبلہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا گیا،ارشاد فرمایا۔مجھ کو نذرانہ وکرایہ کی ضرورت نہیں ہے۔بعد اصرار شدید صرف پانچ روپے لیے اور پنچانوے روپے مدرسہ کو واپس کر دیے۔ایسا متقی حضرت قبلہ کے سوا اس دور میں کون ہو سکتا ہے۔؟ (جہان مفتی اعظم ۲۶۳)

علامہ قمر الزماں خاں لکھتے ہیں:

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں فتنہ ارتداد (شدھی سنگھٹن) اپنی پوری قوت کے ساتھ تمام مادی وسائل سے مسلح ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوا۔ ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان اصلاً ہندو ہیں، مغلوں نے انھیں بزور شمشیر مسلمان کیا تھا، اب مغل ختم ہو چکے ہیں، اس لیے ان کو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔ آگرہ وغیرہ کے ہزاروں مسلمان ہندو بن گئے۔ انھوں نے معاذ اللہ داڑھیاں منڈا دیں اور سر پر چوٹیاں رکھنے لگے۔ اس فتنہ ارتداد کو ہندوؤں کے پنڈت، سرمایہ دار اور راجاوں کا ہر طرح سے تعاون حاصل تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ چند سالوں میں مسلمانان ہند ہندو بن جائیں گے اور اس طرح ان کے اکھنڈ بھارت اور رام راج کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے گا۔ ہندو ساہوکاروں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے اور غریب مسلمانوں کو دولت کی لالچ دے کر ہندو بنانے لگے اور جن علاقوں میں مسلمان ہندو بننے کے لیے تیار نہیں ہوئے، ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ در پردہ اس میں حکومت وقت بھی ملوث تھی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر تحریکِ آزادی کا راستہ بھی روکا جا سکے گا اور مسلمانوں کی متحدہ قوت کو کمزور بھی کیا جا سکے گا۔

اسی زمانے میں متعدد پنڈتوں نے اسلام کے خلاف انتہائی دل آزار کتابیں لکھیں جس میں اسلام کے عقائد، قرآن عظیم اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کا مذاق اڑایا گیا۔ سوامی شردھانند کی ستیارتھ پرکاش اور ایک اور گستاخ کی کتاب رنگیلا رسول اس دور کی پیداوار تھیں سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ علماے دیوبند اور ان کے ہم خیال مسلم سیاستدانوں نے اسی دور میں انگریزوں کے مقابلے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک چلائی اور سوامی شردھانند جیسے گستاخ کو دلی کی جامع مسجد کے منبر پر بٹھا کر تقریریں کروائیں اور فتنہ ارتداد سے یکسر آنکھیں بند کر لیں۔

ہندو مصنفین نے اس دور میں دست یاب قرآن عظیم کے تراجم کو سامنے رکھ کر اس طرح کے عنوانات اپنی کتابوں میں قائم کیے۔ معاذ اللہ۔ مسلمانوں کا خدا مکار ہے۔

اور نیچے ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ [آل عمران:۵۴]

لکھ کر دیا بنہ کے ترجمے پیش کر دیے جنھوں نے عربی مکر کا ترجمہ اردو میں بھی مکر ہی سے کیا تھا۔

مسلمانوں کا خدا ٹھٹھا کرتا ہے۔ اس سرخی کے نیچے ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ [البقرة:۱۵] والی آیت لکھ کر استہزا کا وہ ترجمہ لکھا جو اس دور میں بعض تراجم میں موجود تھا۔ ایسے نازک ترین دور میں فتنہ

ارتداد کے خلاف حضور مفتی اعظم نے سنت صدیقی پر عمل کرتے ہوئے ایک عظیم تحریک چلائی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم پر اکابر علماے اہل سنت کو جمع فرمایا، متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا۔ پنڈتوں سے مناظرے کیے اور بعض بعض علاقوں میں کئی کئی ماہ خیمہ زن رہ کر ارتداد کے سیلِ رواں کو روکا، مرتد ہوجانے والے مسلمانوں کو دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل فرمایا۔ آپ کی جماعت کے ساتھ کچھ حجام بھی ہوتے تھے جو دوبارہ اسلام قبول کرنے والوں کے آثارِ ہندومت کو سروں سے غائب کردیتے تھے۔

یوں تو جملہ علماے اہل سنت حضور مفتی اعظم کے زیر قیادت اس جہادِ عظیم میں شامل تھے مگر اعلیٰ حضرت کے چند عظیم خلفا حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مناظرانہ طرزِ استدلال سے حالات کا رخ بدل دیا۔ اس تحریک میں پنجاب کے ایک عظیم شیخ طریقت عاشق رسول حضرت علامہ پیر جماعت علی محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا سرکار مفتی اعظم کی دعوت پر اپنے رضا کاروں کے ساتھ جو ہمیشہ مسلح ہوتے تھے ان علاقوں کا دورہ فرمایا اور اپنی نظر کیمیا اثر سے ارتداد کے فتنے کو ختم فرمایا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مفتی اعظم کا عہد شباب تھا اور ان کی دعوت پر اور ان کی قیادت میں معمر علمانے اس جہادِ عظیم میں شرکت فرمائی۔ (جہان مفتی اعظم:۲۷۴)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے یہ بات کہ وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دے اور برائی سے باز رکھے، قرآن کریم نے اس امت کو خیر الامم فرمایا تو ساتھ ہی یہ ذمہ داری بھی سونپی بلکہ اس کو امت کی فضیلت کا سبب بتایا۔ یہ حکم ہر فرد کے لیے ہے اور علما کا منصب تو خاص طور پر یہی ہے، مگر آج اس چیز سے جو بے اعتنائی برتی جاتی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ حضور مفتی اعظم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں کبھی کسی کی رعایت نہیں فرمائی۔

مفتی عنایت احمد نعیمی بیان کرتے ہیں:

۱۹۶۴ء میں راقم السطور کی دستار بندی وفراغت مظہر اسلام بریلی شریف سے ہوئی ہے جلسہ اور مدرسہ کے سرپرست کی حیثیت سے اس جلسہ دستار میں حضرت کی بھی شرکت تھی۔ ناظم جلسہ نے افتتاحی تقریر کے لیے مظہرِ اسلام ہی کے ایک نئے مقرر کردہ مدرس کی تقریر کا اعلان کیا دوران تقریر مقرر نے حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے وہ واقعات وحالات جو قبل از قبول ایمان ان سے صادر ہوئے تھے بیان کرنا شروع کیا مگر بیان میں ادب والے الفاظ کی رعایت نہ تھی مثلاً تھے کی جگہ تھا، کرتے کی جگہ کرتا

ایسے الفاظ جو عموماً چھوٹوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ایسے الفاظ سن کر توبہ واستغفار کرتے رہے۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے رہے۔جوں ہی ان کی تقریر ختم ہوئی حضرت نے گرجدار آواز میں فرمایا مولانا توبہ کیجیے ساتھ ہی وجہ توبہ بھی واضح فرمائی الاسلام یہدم ما کان قبلہ جس کا مطلب یہ کہ قبل از قبول اسلام جو بھی خلاف اسلام معاملات آپ سے صادر ہوئے ان کو بنیاد بنا کر حضرت کی شان میں کوئی بھی ایسا لفظ شرعاً استعمال کرنا جائز نہیں جس سے تحقیر شان ہو کیوں کہ بعد ایمان وہ صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند مرتبہ و مقام سے مشرف ومکرم ہوگئے لہٰذا دور کفر کے بھی اگر حالات وواقعات بہ ضرورت بیان کیے جائیں تو ادب ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

افسوس کہ آج یہ چیز ہمارے درمیان باقی نہ رہی۔حضرت کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد ہی ہمارے مقرروں اور اسٹیجوں کا عجب حال ہوگیا۔کتنے واعظین ومقررین دوران خطابت ایسے جملے یا باتیں پیش کرتے ہیں جن کی ضرب براہ راست اسلام کی بنیادی باتوں پر پڑتی ہے۔اولاً تو کوئی ٹوکتا نہیں۔الا ماشاءاللہ۔اور اگر کسی بندہ خدا نے احساس ذمہ داری کے تحت کسی ایسی خطا پر توجہ بھی دلائی تو بجائے ممنون ومشکور ہونے کے جنگ وجدال اور بحث ومباحثہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

روحانیت، کرامات، تصرفات:

مفتی عنایت احمد نعیمی بیان کرتے ہیں:

بہت سے ذمہ دار اور مستند علماے کرام کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی کرامتوں کا مشاہدہ اپنوں نے تو بار بار کیا ہے۔مگر غیر مسلموں کے دلوں میں بھی آپ کی عظمت وبزرگی کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کے جلوے آشکار ہوئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہدایت ان کی قسمت میں نہ آئی۔

واقعہ : یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ آج کل کی طرح دیہاتوں میں پہنچنا اور وہاں سے شہروں میں پہنچنا آسان نہیں تھا۔لوگ ریل اسٹیشنوں بس اسٹینڈوں تک بیل گاڑی یا پھر معززین پالکی کے ذریعہ پہنچائے جاتے تھے۔مزدور اپنے کندھوں پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔حضرت کو خلیل آباد اسٹیشن پہنچ کر کوئی ٹرین پکڑنی تھی، ملنے جلنے والوں اور دست بوسی کے آرزومندوں کے ہجوم وازدحام کے سبب ٹرین کی آمد میں بہت کم وقت بچ سکا۔پالکی اٹھانے والے کہار سبھی غیر مسلم ڈبر یلے کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر خودرو کانٹوں اور جھاڑیوں سے اپنے ننگے پیروں کو بچانے کے لیے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔حضرت نے گھڑی پر نظر ڈالی ٹرین کے معینہ وقت میں لحہ بہ لحہ کمی ہوتی جارہی تھی کہ حضرت نے کہاروں سے کہا تم لوگ سیدھے کیوں نہیں چلتے۔کہار اپنی زبان میں بولے۔مہاراج کھیتوں میں کانٹے بھرے ہیں ہم لوگ ننگے پیر ہیں

ان کانٹوں میں سیدھے چلیں گے تو ہمارے پاوں لہولہان ہو جائیں گے۔حضرت نے فرمایا سیدھے چلو ہمیں تو کانٹے نظر نہیں آتے، حضرت کے حکم پر پالکی لے کر وہ کھیتوں میں سیدھے دوڑنے لگے۔تھوڑی ہی دیر میں خلیل آباد اسٹیشن آ گیا کسی کہار کے پاوں میں کوئی کانٹا نہ چبھا یہ غیر مسلم پالکی بردار عالم حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ٹرین نہیں آئی تھی اب حضرت کی ٹرین اپنے وقت معین پر آئی۔حضرت کو جہاں جانا تھا روانہ ہوئے مگر یہ کہار جس سے بھی ملتے اس سے یہی کہتے کہ یہ بہت بڑے گرو، بہت بڑے مہاتما ہیں۔واپسی میں ان کہاروں نے کہا لاو اب دیکھا جائے کہ ہمارے پیروں میں کانٹے چبھتے ہیں یا نہیں، مگر اب وہ بات کہاں پیر رکھتے ہی کانٹے اپنا کام دکھانے لگے۔سچ کہا ہے کسی نے:

کانٹے بھی میرے حکم پر چلتے ہیں دوستو
کرتا نہ دیکھیے میرا حلیہ نہ دیکھیے

بات آپ کی کرامتوں کی آئی تو ایک واقعہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو سیف زبان بنادیا تھا جس کے حق میں جو کہہ دیا وہ پورا ہو گیا، اور آپ کی دعاوں کے لیے اجابت بہر استقبال آیا کرتی تھی جو کھلی دلیل اور واضح نشانی تھی کہ آپ مقبول عنداللہ اور مستجاب الدعوات تھے۔ ہمارے شہر اترولہ اور اس کے مضافات کی سرزمین کو بھی حضرت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔خوش نصیبی سے یہاں کے کافی لوگ حضرت کے نیازمندوں، حلقہ بگوشوں میں داخل وشامل ہیں، یہیں اترولہ کے مضافات کے ایک صاحب جن کا نام محمد اسلام تھا بڑے کھرے سنّی تھے۔انھوں نے الہ آباد سے ڈاکٹری پاس کیا تھا۔ جب انھوں نے پریکٹس کا آغاز کرنا چاہا تو اجازت اور دعا لینے کے لیے بریلی شریف اپنے پیرومرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مطب قائم کرنے کی اجازت طلب کی کہ حضور اجازت اور دعا سے نوازیں حضرت نے دریافت فرمایا آپ کا نام کیا ہے؟ انھوں نے بتایا محمد اسلام حضرت نے برجستہ فرمایا آپ کے مطب کا نام شفاے انام ہے۔اللہ اکبر یہ نام اتنا بابرکت و با فیض ہوا کہ اترولہ کے سارے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹروں کا چراغ ان کے سامنے گل نظر آنے لگا۔اس امر کا مشاہدہ خود راقم السطور نے کیا ہے کہ بڑے بڑے ڈاکٹر بیکار بیٹھے ہیں، کوئی مریض ان کی جانب رخ نہیں کرتا اور ڈاکٹر محمد اسلام کے یہاں مریضوں کی بھیڑ لگی ہے۔ یہ ہے جلوہ شفاے انام ڈاکٹر محمد اسلام کا جو درحقیقت فیض ہے اس کامل درویش کا جو لوگوں کا مرکز نظر بنا رہا مفتی اعظم کی حیثیت سے مگر اس کا وہ مرتبہ جسے قرب خداوندی اور عشق رسالت پناہی کا نام دیا جائے بہتوں کی نظر سے اوجھل رہا، سچ کہا اقبال نے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو عقیدت ہو تو دیکھ ان کو یدبیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(جہان مفتی اعظم ۲۹۴۔۲۹۵)

شارح بخاری نے تحریر فرمایا ہے:

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے جن میں دس ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتی اعظم کا تبحر علمی، دقت نظر، نکتہ رسی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔

یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی۔ کبھی چار گھنٹے کی بھی ہوجاتی تھی۔ میں تھک جاتا، اکتا جاتا مگر حضرت مفتی اعظم پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان، رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قوی کے بس کی بات نہیں۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ان منتخب روزگار نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قویٰ بشری بھی لدنی اور دل و دماغ بھی لدنی ان کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔ اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے۔ حضرت کے لیے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی، حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی، اچانک فرمایا اگر کوئلہ اور ہوتا تو انگیٹھی ہی گرم ہوجاتی اور تمبا کو ابھی پورا جلا نہیں ہے، وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ مانگ لوں۔ فرمایا دن بھر کی تھکی ہاری بے چاری سوگئی ہوگی، جانے دیجیے۔

مظفر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آ کر آستانہ عالیہ پر قیام کرتے، دو دو مہینے تک رہتے، بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا میں نے ایک دو بار پوچھا بھی تو یہ کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لیے آجاتا ہوں، جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے یہ کیسے آ گئے۔ انھوں نے حاضر ہوکر عرض کیا، حضرت یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی میں انڈیل دیا۔ اور کوئلے چلم میں ڈال دیے۔ انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کر دی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا مگر نہ پنکھا ملا نہ دفتی ملی۔ مجھے آنے جانے میں بمشکل دو ڈھائی منٹ لگے ہوں گے واپس آ کر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے ہیں۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی مگر میں اپنے کام میں لگ گیا۔ بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ شاہ صاحب نماز و جماعت کے پابند تھے، ہمیشہ با جماعت نماز پڑھتے تھے مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے۔ مجھے ایک خیال تو ہوا مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی

تلاش ہوئی تو غائب اور کھانے میں بھی غائب۔ تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ رات کو جب پھر مسائل سنانے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلہ لے کر آئے پھر پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ فرمایا چلے گئے ہوں گے آپ اپنا کام کریں۔ میرا ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بکثرت مریدین جن بھی ہیں۔

(جہان مفتی اعظم ۳۲۷۔۳۲۸)

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ انھوں نے عیدگاہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، میں نے خود پڑھی۔ سب حاضرین نے متفق اللفظ ہو کر یہی بتایا۔ انھوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مدینہ منورہ، مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔ لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمھیں دھوکا ہوا ہوگا۔ حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے حج کے لیے نہیں گئے تھے مگر انھوں نے پھر بتاکید کہا دھوکا کیسا؟ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے۔ ان کی دست بوسی کی۔ بات چیت کی اور بلا کسی شبہ کے مسجد نبوی اور مواجہہ اقدس میں دیکھا ہے۔ اس کا عام چرچا ہوا۔ سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لیے نہیں گئے تھے۔ حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے انھیں بہت پیار سے دیکھا، جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے، ٹکٹکی باندھے، حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھیے گا۔ اسی سے متاثر ہو کر یہ حاجی صاحب مرید ہو گئے۔

پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں جس سے اترنے کے لیے صرف ایک زینہ تھا۔ قل کے وقت بے پناہ اژدحام ہوتا تھا۔ قل ختم ہونے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد

حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے مگر ایک سال کے قل کے پندرہ منٹ بعد ہم بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نیچے تشریف لے آئے اور کاشانہ مبارک میں تشریف لے گئے ۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے، میں نے انھیں بتایا کہ جی ہاں دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرما نہ تھے۔انھوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے، پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں۔میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف رکھتے ہوں گے۔ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے ۔انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔انھوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے ۔اور میں سوچتا رہ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔پھر وہ لوگ جنھوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم لوگوں کا دماغ پھٹ جائے گا۔یہ معاملہ کیا ہے؟ میں نے ان کو سمجھانے کے لیے کہا کہ یہ سرکار غوث اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جونا گڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا۔جس پیر کی کاٹھیاواڑ میں آمد کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر کسی سے دل نہ بھرتا۔ ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہانہ انداز میں بیدار ہوا۔اور مجھ پر رقّت طاری ہوگئی۔روتے روتے میں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما۔اسی حالت میں سو گیا۔خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں۔اچھی طرح دیکھ لے۔حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیہ جمال کا ہر نقش دل پر کالحجر کرلیا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ کہاں کے باشندے ہیں؟ کیا نام ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں؟ کہاں ڈھونڈوں؟ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہونچ گیا اور پورے کاٹھیاواڑ سے مضبوط رابطہ قائم کرلیا کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرنا۔ پیر آتے رہے جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نہ نظر آیا۔اجمیر مقدس حاضر ہوا وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا مگر میرا قبلہ مقصود کوئی نہ تھا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ حضرت مفتی اعظم دھوراجی فلاں تاریخ کو آ رہے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔مفتی اور پیر یہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

لیکن چوں کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا معتقد تھا اس لیے اس ناطے کہ چلوان کے وارث ان کے فرزند کی زیارت کرلوں۔ میں دھوراجی گیا۔ جب حضرت کے روے زیبا پر نظر پڑی تو سکتہ طاری ہوگیا۔ خواب میں جسے میرا پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھا۔ کچھ حیرت و استعجاب، فرحت وانبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا مرآۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا۔ جب قویٰ قابو میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے، فرماتے رہے، یہ کیا کررہے ہو؟ یہ کیا کررہے ہو؟

جب آنسو کے ساتھ طوفانِ شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرمالیں جو بلاتاخیر قبول ہوئی۔ اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔ (جہان مفتی اعظم ۳۳۳۔۳۳۵)

مولانا ساجد علی مصباحی لکھتے ہیں:

جاؤ پھانسی نہیں ہوگی:

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی بارگاہ عالیہ میں سرزمین احمد آباد پر ایک مظلومہ اپنے ننھے ننھے بچوں کی انگلی پکڑے حاضر ہوئی اور اشکوں کی برسات برسانے لگی۔ قدرے سکون کے بعد اس نے کہا: حضور! بے قصور شوہر کو پھانسی کی سزا ہوگئی ہے۔ آقائے نعمت کی آنکھیں بھی اشک بار ہوگئیں اور اپنے معمول کے مطابق تعویز دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جاؤ پھانسی نہیں ہوگی۔

نطق کو سو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

وہ دل دکھی عورت فوراً جیل کی جانب دوڑی اور اپنے شوہر کے گلے میں تعویذ ڈال دیا اور اپنے سر تاج کو ان الفاظ سے تسلی دیتی رہی کہ بریلی کے بہت بڑے بزرگ نے فرمایا ہے کہ جاو پھانسی نہیں ہوگی۔ وقتِ مقررہ پر جلاد آیا اور پھانسی کے روم میں لے گیا۔ ساتھ میں دیگر حکام کے علاوہ جج بھی تھا۔ گلے میں پھندا ڈال دیا گیا اور جب بٹن دبایا تو بجلی فیل ہوچکی تھی۔ جج نے کہا کہ وقت ختم ہوگیا، میں مقدمہ کی سماعت پھر کروں گا، ملزم موت کے تختے سے اتر کر کٹھرے میں آیا اور اپنی بے قصوری کا اظہار کرتا رہا۔ جج کی چشمِ تصور نے اسی پیکر کرم آقا کو دیکھا جس نے فرمایا تھا کہ جاو پھانسی نہیں ہوگی اور رہائی کا پروانہ دے دیا۔ (مفتیِ اعظم کی استقامت وکرامت، ص-:۱۹۹۔۲۰۰، جامِ نور دہلی)

جاں بلب بچہ مسکرا پڑا-:

حضور مفتیِ اعظم قدس سرہ کی یہ کرامت محدث امروہہ حضرت علامہ مبین الدین علیہ الرحمۃ

والرضوان اپنے ایک مبسوط مقالے میں یوں تحریر فرماتے ہیں: شاید آپ کو یاد ہوگا جبل پور کا وہ تاریخی واقعہ کہ جب آپ اپنے مرید کے بے حد اصرار پر جبل پور کے علاقوں میں اپنے چند خادموں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ بڑا پر خطر اور پر پیچ ہے، جگہ جگہ سواری رکتی اور چل پڑتی، گھوڑا انتہائی پریشان، تانگے میں بیٹھنے والے حضرات اور بھی پریشان، لیکن آپ ایسے ضعف و نقاہت میں بھی تانگے میں اور لوگوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ لوگوں کو اپنی تکلیف کے ساتھ ساتھ آپ کا زیادہ خیال آرہا ہے، جگہ جگہ تانگے میں جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں، لوگ اچھل اچھل جاتے ہیں، تانگہ اپنی رفتار پر آگے بڑھتا جارہا ہے، چلتے چلتے ایک گاؤں سے گزرتا ہے کہ سڑک پر ایک بچہ کھیلتا کودتا اچانک تانگے کے نیچے آجاتا ہے، تانگے کا پہیہ اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان سے اتر جاتا ہے، لوگوں میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے، چاروں طرف ہو کا عالم ہے، پوری سڑک پر سناٹا چھا گیا، ہر انسان اپنی اپنی جگہ پریشان، ہر طرف بے چینی ہی بے چینی نظر آرہی ہے، ہر دل اداس ہی اداس دکھائی دے رہا ہے۔ سڑک کی پوری دنیا ماتم کدہ بنی ہوئی ہے، باپ دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے، ماں بچے کی حالت دیکھ کر پچھاڑیں کھا رہی ہے۔ کسی کو سکون و چین نہیں، مگر ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اسی مجمع میں اللہ کا ایک ولیِ کامل، رسولِ عربی کا سچا عاشق، غوث الوریٰ کا صحیح جانشین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کا لختِ جگر اور نورِ بصر ہے، جن کے چہرہ انور پر عزم و استقلال کی ایک چٹان ہے، تحمل و بردباری کا ایک دریا ہے، جو انتہائی سکون واطمینان کی موجیں مار رہا ہے، وہ اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ کے لب گل فشاں ہوئے اور آپ نے خادم سے فرمایا: اس بچے کو اٹھا کر لاؤ۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی، چوں کہ بظاہر اس کے جسم میں جان نہیں تھی، دنیا ظاہر پر نظر رکھتی ہے مگر اللہ کے خاص بندے ظاہر و باطن پر یکساں نظر رکھتے ہیں، وہ حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ قضائے حقیقی نہیں بل کہ قضائے معلق ہے۔

بقول عارفِ رومی :ع: لوحِ محفوظ است پیشِ اولیا

حضور مفتیِ اعظم کے مکرر ارشاد فرمانے پر ایک خادم آگے بڑھا اور اس نے بچے کو حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خدمت میں حاضر کر دیا۔ وہ بچہ جو بظاہر دم توڑتا ہوا نظر آرہا تھا، زندگی کی آخری سسکیاں لے رہا تھا، جو اپنی عمر کی سانس پوری کر کے دنیا کو خیر باد کہنا چاہتا تھا حضرت کے ہاتھوں میں ہے۔ لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں، ایسے پُر پیچ ماحول میں، ایسے غم زدہ وقت میں ایک مقدس ذات مفتیِ اعظم کی تھی، جن کے چہرے پر ملکوتی حسن تھا، جن کے لبوں پر خاموش مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ آپ نے اس بچے کے سینے اور پیٹ کے درمیان اپنا دستِ شفا پھیرا، پھر کیا تھا کہ اچانک وہ مسکرا پڑا،

چہرے پر طمانیت اور آنکھوں میں زندگی کی مسکراہٹ رقص کرنے لگی، جیسے اس کے زخموں کو مرہم دے دیا گیا ہو، جیسے نکلی ہوئی روح دوبارہ واپس آ گئی ہو، جیسے مرجھائے ہوئے درخت پر ہریالی دوڑ گئی ہو۔ چند ہی لمحوں میں اضطراب کی ساری تلخی سکون کی مٹھاس میں بدل گئی۔ وہ بچہ جو ابھی زندگی کی آخری سانس لے رہا تھا، دنیا نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہ منظر ملاحظہ کیا کہ حضور مفتیِ اعظم کے دستِ شفقت و محبت سے مس ہوتے ہی وہ بچہ اچھل پڑا اور فوراً اپنے گھر کی طرف دوڑا۔ لوگ اسے بلاتے رہ گئے اور بچہ یہ پیغام دیتا ہوا گھر چلا گیا کہ

مدینے کے گدا ہوتے ہیں دنیا کے امام اکثر بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

جب لوگوں نے حضرت کی یہ زبردست کرامت اپنی نظروں سے دیکھی تو یکے بعد دیگرے سبھی لوگ حضرت کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ (جہان مفتی اعظم ۴۲۳)

فقیر غفرلہ القدیر کو حضرت فقیہ اعظم، سیدی وسندی، مولائی وملجائی، حامی سنت، ماحی بدعت، قامع کفر وضلالت مولانا الحاج مفتی حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خاں نوری صاحب قدس سرہ العزیز سے بیعت کا شرف حاصل ہے اور آقائے نعمت سیدی وسندی، عمدۃ المحققین کا سر کفر وضلالت، راس المفتیین مولانا الحاج مصطفیٰ رضا خاں نوری مفتی اعظم صاحب قدس سرہ العزیز سے خلافت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے میں نے عرض کیا۔ حضرت میرے لیے حج بیت اللہ کی دعا فرمادیں۔ حضرت نے دعا فرمادی۔ حضرت کی دعا قبول ہوئی ۔۱۴۰۲ھ میں حضرت کا وصال ہوگیا۔ میں نے ۱۴۰۳ھ میں حج بیت اللہ کی درخواست گزاری، پہلے ہی سال منظور ہوگئی۔ اس وقت لوگوں کو چار چار پانچ پانچ سال لگ جاتے تھے اور درخواست منظور نہ ہوتی تھی۔ بحری جہاز سے جانے کی درخواست گزاری تھی۔ میں ہاتھ میں بڑا رومال رکھنے کا عادی ہوں جیسا کہ بزرگوں کا معمول ہے۔ اپنے اساتذہ کو بھی دیکھا ہے۔ حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنبھل مدرسہ اہل سنت اجمل العلوم کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے۔ مریدین کا سلسلہ جاری تھا تعداد زیادہ تھی میں نے اپنا رومال حضرت کے دست مبارک میں دے دیا اور دوسری جانب مرید ہونے والوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ تبرکاً میں نے اس رومال کو رکھ لیا اور استعمال ترک کردیا تھا۔ جس وقت میں حج کو روانہ ہوا میں نے ۵ ؍کلو چاول اس رومال میں باندھ دیے۔ سنبھل سے ۲۲؍اگست ۱۹۸۳ء کو روانہ ہوا تھا۔ نومبر ۱۹۸۳ء کو سنبھل واپس آیا وہ رومال معہ چاول بکس میں رکھ دیا تھا، چار مٹھی چاول نکالا، پکایا، پتیلی سے باہر نکل جاتا تھا، تین مٹھی پکائے وہ بھی برتن سے باہر، پھر دو مٹھی چاول پکائے۔ یہ برکت تھی حضرت کے دست اقدس کی اور بکس سے باہر نکال کر رومال نہیں

دیکھا کہ اب کتنے چاول باقی ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یاد تھا،ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے جَو کسی برتن میں تھے،وہ اس میں سے نکال کر کھاتی رہیں۔ایک مرتبہ باہر نکال کر دیکھنے لگیں،کتنے باقی رہے ہیں؟اس کے بعد وہ جَو ختم ہو گئے۔میرے چاول ایک وقت کی خوراک کے باقی تھے۔جدہ میں ایک صاحب نے جو سنبھل کے رہنے والے تھے دعوت کر دی تھی،ان کا کھانا کھایا۔ وہ چاول اور دال ومصالحہ وغیرہ مسافر خانہ جدہ پر ہی چھوڑ دیے۔ (جہان مفتی اعظم ۲۸۰)

تعویذ نویسی:

خدمت خلق کے متعدد شعبے ہیں:اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا یہ عمل نہایت پسند ہیں کہ وہ اس کے بندوں کی خیر خواہی میں لگے رہیں:حضور مفتی اعظم کی تعویذ نویسی بھی بلا شبہ محض خدمت خلق کے لیے تھی اوراس میں جو خوبیاں تھیں وہ آپ پر بخوبی منکشف تھیں،لہذا آپ کی تعویذ نویسی محض ٹالنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ خاص اہتمام کے ساتھ فنی اصول کے تحت تعویذ رقم فرماتے تھے۔

مفتی اشرف رضا لکھتے ہیں:

تعویذ نویسی کے لیےعلم الاعداد،آیات واسما کے برکات وخصوصیات اورنقوش کی چال اور بروج اور سیاروں کی رفتار وتاثیر کا علم ضروری ہے۔حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کو ان سب میں کمال تھا بل کہ اس فن میں امام کی حیثیت حاصل تھی۔سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ ۲۵ / ہزار طریقوں سے نقش پر کر لیتے تھے۔آپ اس فن میں اپنے والد مکرم سرکار اعلیٰ حضرت ومرشد کریم،عارف حق،قطب دوراں،سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدست اسرارہما العزیزہ کے شاگرد رشید اور مظہر اتم تھے۔بعض نقوش وعملیات خود آپ کے وضع کردہ ہیں جس کے فوائد وبرکات بیشمار ہیں جس کا نقش بنانے اور پر کرنے میں بڑے بڑے ماہر وعامل کا زہرہ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ان ہی نقوش میں سے ایک تحفہ نوری بھی ہے جس کے فوائد وبرکات بے شمار ہیں۔تقسیم ہند کے وقت برصغیر میں افراتفری مچی ہوئی تھی،بڑے بڑوں کے قدم اکھڑ گئے تھے،ہر کوئی خوف زدہ تھا،مملکت خداداد ہی میں اپنے لئے عافیت وسکون سمجھتا تھا،مسلمان کڑوروں کی جائیداد واملاک کوڑی کے بھاؤ بنیوں کے حوالے کر رہے تھے،مسجد وخانقاہ کی حفاظت وبقا کی عام لوگوں کو پرواہ نہ تھی،ہر کسی کو اپنی جان،اولاد،مال ومتاع کی فکر تھی۔حضور سرکار مفتی اعظم نے سب کو ڈھارس وتسلی دی،ثبات قدمی وجوان مردی کی تلقین کی،بھیڑوں کی طرح بھاگنے کی بجائے شیروں کی طرح اپنی جگہ قائم رہنے کا حوصلہ بخشا،حرز نوری جو عمل بے نظیر کے نام سے مشہور ہے،بزرگوں اور مشائخ کے معمولات کا اہم جز ہے،اسے ترتیب دے کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کر عام کیا،اس کی برکتوں

سے عاملین کی جان و مال اور عزت وآبرو بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ رہیں۔اس وقت سے لے کر آج تک لاکھوں کی تعداد میں وہ چھپ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندے فائدہ پا رہے ہیں۔

جن لوگوں نے سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا یا ان کے تعویذ سے فیض پایا،ان میں سے چند کے تاثرات پیش کر رہا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کے فیض کا دریا کس قدر تلاطم خیز تھا؟

شہزادہ خاندان برکات،مخدومنا الکریم،حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری مارہروی فرماتے ہیں :۱۹۷۳ء میں مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہوا جس کا علاج بڑے بڑے ڈاکٹر نہیں کر سکے۔والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم سے نقش منگاو۔چنان چہ یہی کیا اور اللہ کے فضل سے شفا کلی حاصل ہوگئی۔

(ماہنامہ استقامت ص بابت ماہ مئی ۱۹۸۳ء)

جانشین حضور مفتی اعظم علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری مدظلہ النورانی تحریر فرماتے ہیں : حضرت کے نقوش وتعویذات کی برکتیں بے شمار ہیں ایک بار میرے بچے کو سخت بخار آیا گھر والے گھبرا اٹھے،میں نے حضرت سے تعویذ لیا،بخار بہت جلد اتر گیا۔

(ماہنامہ استقامت ص مئی ۱۹۸۳ء)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا مفتی ریحان رضا خان رحمانی میاں رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: حضرت بعد نماز فجر کچھ دیر آرام فرماتے اور ناشتے سے فارغ ہو کر اپنی نشت گاہ میں تشریف لاتے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حاجت مندوں کا میلہ لگ جاتا تھا جس میں ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگ آتے تھے۔آپ ہر ایک سے اس کا مدعا پوچھتے اوراس کی حاجت براری کرتے۔کتنے لوگ تھے جن کی حاجتیں پوری ہوتیں تو وہ نذرانہ لے کر حاضر ہوتے لیکن آپ یہ کہ کر ان کا نذرانہ واپس فرمادیتے کہ یہاں دعا فروخت نہیں کی جاتی۔تعویذ کا سودا نہیں کیا جاتا ہے۔مفتی اعظم کی تعویذ نویسی بھی ذکر الٰہی کا ایک طریقہ تھا۔وہ خدا کا خاص بندہ اپنے خدا کا ذکر بھی کرتا جاتا اور ذکر الٰہی کی برکت سے خدا کے بندوں کی حاجت روائی بھی فرماتا۔اور یہی تعویذ ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ تبلیغ حق اور اصلاح احوال کا بھی ایک موثر ذریعہ تھا۔چنان چہ آپ حاجت مندوں میں کوئی شرعی خامی دیکھتے تو فوراً اسے شرعی مسئلہ بتاتے۔مسلک ودین حق پر استقامت، رسول خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے محبت۔بدعقیدگی سے اجتناب ،نماز کی پابندی،شریعت کی پاس داری،وضع قطع اور عادات واطوار میں بندہ مومن کا امتیاز،آپ کے خاص موضوع تھے۔کسی کے سر پر ٹوپی نہیں ہوتی تو اسے پہننے کی تلقین فرماتے۔کسی کے ہاتھ میں سونے یا پیتل کی

انگوٹھی ہوتی تو اسے اتر وادیتے اور مسئلہ بتاتے کہ سونا پہننا مردوں کو جائز نہیں ہے۔عورتوں کو پردہ کا سخت حکم فرماتے،کبھی نرمی سے سمجھاتے کبھی ناراض ہوتے تو ڈانٹتے۔مفتی اعظم کی ذات میں جلال و جمال کا ایک حسین امتزاج تھا،جس پر جلال فرماتے اسے محبت سے نوازتے۔یہی وجہ ہے کہ جسے ڈانٹتے وہ کبیدہ خاطر ہونے کی بجائے خوش ہوتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اب میرا کام ہوگیا اور دیکھنے میں بھی آیا کہ جس پر ناراض ہوتے اس کا کام ضرور ہوا۔ (جہان مفتی اعظم ۴۰۵۔۴۰۶)

رد بدعات ومنکرات:

ہنود کے میلوں میں شرکت:

سوال: ہنود کا مشرکانہ میلہ جو بتوں کی پرستش کے لیے ہوتا ہے جیسے دسہرہ،جنم اشٹمی درگا پوجا،ہولی وغیرہ جس میں مراسم کفریہ وشرکیہ کے علاوہ ہرقسم کے ناچ تماشے اور دیگر لہو ولعب ہوتے ہیں ایسے میلوں میں مسلمانوں کا بہ حیثیت تماشائی شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب: ایسے میلوں میں بہ حیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام اشد حرام،بہت اخبث نہایت ہی اشنع کام بہ حکم فقہاے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔حدیث کا ارشاد ہے: مَن کثَّرَ سوادقوم فھو منھم۔ (کنز العمال)

جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا وہ انھیں میں سے شمار ہوگا۔

خزانۃ الروایات میں ہے:

”فی الفصول قال الشیخ ابوبکر الطرخانی من خرج الی السدة فقد کفر لان فیه اعلان الکفر وعلی قیاس مسئلة السدة الخروج الی فیروز المجوس والموافقةمعھم فی مایفعلونه فی ذلك الیوم“

فصول میں ہے شیخ ابوبکر طرخانی فرماتے ہیں کہ جو شخص کفار کے میلوں میں گیا تو اس نے کفر کیا۔ کیوں کہ اس میں اعلان کفر ہے۔اور انھیں میلوں کے حکم میں ہیں مجوسیوں کے یوم عید میں جانا۔اور اس دن کے ان کے کاموں میں شمولیت اور موافقت بھی۔

اسی میں ہے:

”کذلك الخروج فی اللیلة التی یلعب فیھا کفرة الھند بالنیران والموافقة معھم فیما یفعلونه تلك اللیلة فیلزم ان یکون کفرا و کذا الخروج الی لعب کفرةالھند فی الیوم الذی یدعوه الکفرة والموافقة معھم من تزیین البقور والافراس الذھاب الی دور الاثریاء یلزم ان

یکون کفراً“

اور یوں ہی جس شب ہندی کفار آگ بازی کرتے ہیں ،اس میں شرکت اور جو افعال انجام دیتے ہیں،ان میں ان کی موافقت سے کفر کا لزوم ہوتا ہے۔یوں ہی کفار ہند کے ان میلوں میں جانا اور ان کے افعال کی موافقت مثلاً گھوڑوں اور گاڑیوں کی آرائش اور مالداروں کے گھروں تک جانا ان امور سے بھی کفر لازم آتا ہے۔

ان لوگوں پر توبہ،تجدید ایمان،تجدید نکاح لازم،واللہ تعالیٰ اعلم فتاویٰ بزازیہ میں اس قدر اضافہ کے ساتھ ہے۔

”واکثر ما یفعل ذلك من کان اسلم منهم فیخرج فی ذلك الیوم و یوافق معهم فیما یفعلونه فی ذلك الیوم فیصیر بذلك کافراً ولا یشعر به“

بسا اوقات ان امور کا صدور ان افراد سے ہوتا ہے جو مجوسیت کے بعد ایمان لائے وہ اس دن اس میلے میں جاتے ہیں اور انھیں جیسے افعال کرتے ہیں اور وہ اس سے غیر شعوری طور پر کافر ہو جاتے ہیں۔

بحر الرائق اور شرح فقہ اکبر کی عبارتیں بھی اسی مضمون کی مؤید ہیں۔

کیا ان اقوال میں جذبہ اصلاح وارشاد ملی و روحانی اور دینی تڑپ کی کارفرمائی نظر نہیں آتی؟ بدعات ومنکرات کا استیصال کسی اور شئی کا نام ہے؟ اصلاح امت کے لیے صرف ان کی تردید وابطال ہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اسلامی فکر سے خوابیدہ قوم کے اذہان کو ہم آہنگ کرتے ہوئے رہ نمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔بلاشبہ یہ آپ کے روحانی جذبہ دین کی بہترین عکاسی ہے۔

مشرکوں کے تیوہار کی تعریف:

سوال: زید نے کہا ہولی ان کا پاک تیوہار ہے۔مگر یہ اس میں چوری کرتے ہیں۔یعنی چوری کے مال سے ہولی جلاتے ہیں تو بکر نے جواب دیا یہ ان کا ناپاک تیوہار ہے۔لڑکی ابھی گوبر لیپ کر گئی ہے ۔حکم فرمایا جائے۔زید مذکور خارج از ایمان تو نہ ہوا۔

جواب: زید بے قید توبہ کرے،تجدید ایمان کرے جس نے مشرکوں کے تیوہار کی تعریف کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوؤں کا ایمان زبردست ہے یہ کہنا کیسا؟:

سوال: زید کا وضو کرنے کی جگہ پر چشمہ اور ڈبی میں کچھ روپیہ رہ گیا۔اعلان کے بعد ایک شخص

نے روپیہ وغیرہ دے دیا۔اس پر بکر نے یہ بات دیکھتے ہوئے بھی یہ کلمے ادا کیے کہ ہم لوگوں میں کوئی چیز گری ہوئی پالے تو دیتا ہی نہیں اور ہندوؤں میں اس بات کا اتفاق ہے کہ کوئی چیز گری ہوئی پالے تو معلوم ہونے پر دے دیتا ہے۔تو ہم سے ہندوؤں کا ایمان زبردست ہے۔لاکھ درجے ایمان اچھا ہے۔بکر پر حکم شرعی فرمایا جائے کہ ایمان ثابت رہایانہیں؟

جواب: جس نے وہ بکا وہ توبہ کرے،تجدید ایمان،تجدید نکاح کرے۔واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی منڈانا:

سوال: زید داڑھی منڈاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں ہوتے تو وہ داڑھی منڈاتے۔ایسے شخص پر حکم شرع کیا ہے؟

جواب: داڑھی شعار اسلام ہے۔تمام انبیاے کرام کی سنت کریمہ ہے۔زید نے وہ کلمہ بکا، حضور علیہ التحیۃ والثنا پر افترا کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کے لیے اپنے پہلے حکم کے خلاف حکم دیتے۔داڑھی منڈانا شعار کفر ہے۔رکھنا شعار اسلام،شعار اسلام کو میٹنے اور شعار کفار کو اختیار کرنے کا حکم دیتے ؟ والعیاذ باللہ تعالی کفار کی وضع پسند فرماتے۔ولاحول ولاقوۃ الا باللہ،اس نے دوسرا کلمہ شنیعہ فظیعہ خبیثہ لعینہ کفریہ بک کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کی۔والعیاذ باللہ۔

سوانگ کا مسئلہ:

سوال: زید مومن نے اپنے اہتمام سے سوانگ کرایا اور مسجد سے بیس قدم کے فاصلے پر تخت جمایا ،اور شور وغوغا کروایا۔اس پر بکر کہتا ہے کہ زید پر کفر عائد،اس نے اپنی خوشی سے اپنے اہتمام سے سوانگ کرایا تو کیا از روے شرع زید کافر ہوگیا اور جن مسلمانوں نے سوانگ دیکھا کیا ان کے نکاح خارج ہوگئے ؟ بعد اختتام یہ بھی کہا کہ رات اس نے نقل اچھی اتاری تو اس طرح دیکھنے اور کہنے والے مسلمانوں کا ایمان درست رہایانہیں؟

جواب: سوانگ یا کوئی تماشا کرانا اس کا دیکھنا،اس سے لذت حاصل کرنا،اس کی تعریف کرنا، حرام حرام حرام ہے۔سوانگ کرنے والے اگر کفر کرتے ہوں،کلماتِ کفریہ بکتے ہوں تو اس صورت میں جو اس سے راضی ہوا اس کی عورت اس کے نکاح سے خارج،اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے،تجدید اسلام کرے اور عورت سے پھر سے نئے مہر پر نکاح کرے،وہ سب لوگ جنھوں نے سوانگ دیکھا،اس کی تعریف کی اشد گنہ گار مستحق نار ہوئے اور تحسین قول وفعل کفر کی ہو تو ان کا بھی حکم ہے کہ پھر سے مسلمان ہوں اور پھر سے نکاح بہ مہر جدید کریں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکر شہادت میں سوگ منانا:

سوال: امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوگ منانے کو مفتی شرع نے بتایا حرام ہے۔ زید کہتا ہے جب ذکر شہادت ہوتا ہے تو لوگ روتے ہیں۔ یہ کیوں کر؟ کیا سکوت کے عالم میں سننا چاہیے۔ نہ خوشی کرے نہ رنج، حکم فرمایا جائے۔

جواب: سوگ منانا اور بات ہے اور ذکرِ شہادت میں رقت طاری ہونا اور بات ہے۔ یعنی سوگ منانا حرام ہے صرف بیوی کے لیے شوہر کی وفات پر سوگ تین دن منانا جائز ہے۔ اور ذکر شہادت میں محض رقت کے طاری ہونے کی وجہ سے اس پر سوگ کا اطلاق نہیں ہوسکتا) واللہ تعالیٰ اعلم

محرم میں لنگر وغیرہ لٹانے کا حکم:

سوال: محرم میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ صرف امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی نیاز ہونی چاہیے اور کسی کی نہیں، اور ہرے کپڑے پہننا چاہیے۔ اور قلادجس میں سرخ اور ہرے رنگ کے گنڈے پڑے ہوتے ہیں اس کو گلے میں پہننا چاہیے اور عطر وغیرہ نہ لگانا چاہیے اور عشرہ سے تیرہ تک گھر میں جھاڑو نہ دینا چاہیے اور کام بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ حکم فرمایا جائے کہ مذکورہ بالا کام درست ہیں؟

جواب: یہ سب باتیں غلط ہیں۔ محرمیوں کی اختراع، ایسا کہنے اور کرنے والوں پر توبہ لازم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ٹائی باندھنا:

بعض لوگ مغربی تہذیب وتمدن پہ اس طور سے فریفتہ ہوتے ہیں کہ اسے اختیار کرنے اور تشہیر کرنے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے۔ انھیں یہ بھی فکر نہیں ہوتی کہ شریعتِ اسلامیہ نے کیا کیا حدود مقرر کر رکھی ہیں۔ نومبر، مطابق شوال ھ میں الجامعۃ الاشرفیہ مجوزہ عربی یونیورسٹی کے جشن افتتاح کے موقع پر حضور مفتی اعظم (علیہ الرحمہ) مبارک پور تشریف لائے۔ ایک صاحب انگریزی وضع کے دلدادہ اور جدید تہذیب کی مکمل تصویر، ٹائی باندھے ہوئے آپ سے ملنے کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوئے۔ جب قریب آئے تو حضرت مفتی اعظم نے ان کی ٹائی پکڑی اور پوچھا یہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا۔ یہ انگریزوں کی تقلید ہے جسے وہ صلیب کی جگہ استعمال کرتے ہیں، جو قرآن سے متصادم عقیدے پر مبنی ہے۔ آپ نے ان کے گلے سے فوراً ٹائی اتروائی اور توبہ وغیرہ کروائی۔ اسی جگہ شمس العلما حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب جون پوری (علیہ الرحمۃ) نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انگریز چوں کہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو سولی دی گئی ہے اور وہ

اپنے اس عقیدے کی بنا پر جگہ جگہ سولی کا نشان بناتے ہیں اور اسے اپنے گلے میں بھی لٹکاتے ہیں۔مگر ان کا یہ عقیدہ قرآن کے بالکل مخالف ہے۔قرآن کا ارشاد ہے۔وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَہُم کہ انھیں نہ قتل کیا گیا، نہ سولی دی گئی۔بل کہ ان کے لیے ان کی شبیہہ کا ایک بنا دیا گیا۔بَلْ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ بل کہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا۔ایسی صورت میں ان کا یہ گلے میں سولی لٹکانا، زنّار باندھنے کی طرح ہوا۔ ایسے صلیبی نشان کی جگہ انھوں نے ٹائی کے استعمال کو رواج دیا ہے، جو کسی طرح ایک مسلمان کے لیے درست نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا کیا تو اسے توبہ وتجدید ایمان کرنا ہوگا، جیسے بت کے آگے سجدہ کیا تو توبہ و تجدید ایمان کی ضرورت ہے۔

اس طرز اصلاح کی سادگی پر سیکڑوں رعنائیاں قربان۔یہ ایسی خوبیاں ہیں جن سے ہر کہہ و مہ بہرہ ور نہیں ہوتا، بل کہ یہ خاص عطیہ خداوندی ہے اور مخصوص انعام الٰہی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سوال: زمانہ عرس میں مسجد کی چہار دیواری سے ایک دیوار پر دونوں جانب دونو بتیں مع نضیری بجوائے کیا یہ گناہ نہیں؟ اگر ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد کی دیوار کو اپنے کام میں لانا حرام نہ کہ اس پر یہ کچھ نجاست ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

مسجد میں دنیاوی لغویات:

سوال: مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا فحش وغیبت، لغویات، خلافِ شرع کام، لڑائی جھگڑا کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا تو ناجائز ہے۔فحش وغیبت کا کیا پوچھنا جو خود حرام ہیں اور مسجد میں سخت تر حرام۔ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غنیّۃ میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"یجب ان تصان من حدیث الدنیاہ مختصراً"۔

(ص ۶۱۰ فصل فی احکام المسجد، لاہور)

دنیاوی باتوں سے مسجدوں کو بچانا واجب ہے۔اسی میں ہے۔والکلام المباح فیہ مکروہ و یاکل الحسنات کما تاکل البھیمۃ الحشیش۔(ایضاً ص) مباح کلام مسجد میں مکروہ ہے۔وہ نیکیوں کو ایسے ہی نگل جاتا ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔یہ مضمون خود حدیث شریف میں موجود ہے۔یہی علامہ اسی غنیّۃ میں فرماتے

ہیں، کذا ذکرہ صاحب الکشاف۔ اسی مضمون کی حدیث صاحب کشاف نے ذکر کی ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا دریافت کرنا ناجائز ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

من سمع رجلا ینشد فی المسجد ضالۃ فلیقل لاردھا اللہ علیہ فان المساجد لم تبن لھٰذا۔ (الترغیب والترہیب حدیث۔ ۴۴۱، دارابن حزم، بیروت)

جو شخص کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کی تلاش میں آواز لگاتے ہوئے سنے تو کہے کہ خدا وہ تجھے واپس نہ دلائے کیوں کہ مساجد اس کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ان لوگوں پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان ارشادات راشدہ کی روشنی میں اپنے کردار و عمل کی خبر لیجیے کیا آپ کی روش اس سے ہم آہنگ ہے۔ اگر نہیں تو اپنے خسارے کا سامان کیوں فراہم کرتے ہیں۔؟

سوال: مسجد میں چھوٹے بچے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے اپنے بچے خود ہم راہ لاتے ہیں۔ اکثر نماز ہوتی ہے اور یہ لوگ شور مچاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے والدین سے کہتا یا ان بچوں کو ڈانٹتا ہے تو وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو لوگ مساجد میں اپنے بچوں کو لاتے ہیں یا ان کے بچے جاتے ہیں وہ انھیں نہیں روکتے، روکنے والوں سے لڑتے ہیں، گنہگار ہیں۔ اس ارشاد حدیث سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ومخالفت کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا:

”جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شرائکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم واقامۃ حدودکم و سل سیوفکم“

(غنیۃ المستملی، حلبی کبیر ص ۶۱۱ بہ حوالہ مصنف عبدالرزاق عن معاذ ابن جبل)

تم اپنی مسجدوں میں بچوں اور پاگلوں کو نہ داخل ہونے دو۔ اس میں خرید و فروخت، لڑائی جھگڑا نہ کرو، اس میں آواز بلند نہ کرو، نہ اس میں حدیں قائم کرو اور اس میں اپنی تلواریں نیام سے باہر نہ کرو۔

غنیۃ (ص فصل فی احکام المسجد، لاہور) میں ہے۔

”یجب ان تصان عن ادخال المجانین والصبیان لغیر الصلوٰۃ“

یہ ضروری ہے کہ مسجدیں مجنونوں اور بچوں کو نماز کے علاوہ داخل ہونے سے بچائی جائیں۔

ذرا چشم دل سے ملاحظہ تو کریں کہ یہ کیسی ضیائیں ہیں جن سے نہاں خانہ دل جگمگاتے جا رہے ہیں، افکار کے زاویے روشن ہوتے جا رہے ہیں، آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں۔ کیا یہ نور اس قابل نہیں کہ اسے دامن میں جگہ دی جائے۔ ” الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا“۔

(تفسیر ابن کثیر ج۔۶/۳۵)

ایمان کا تاج ہمارے سروں کی زینت ہے۔سنت کی قبا ہمارے ہی شانوں پر سجنی چاہیے۔اس خلعتِ بے بہا کے حق دار ہم ہی تو ہیں۔ہمارا ہی کاروان فکر شہنشاہ کونین کے گداؤں کی صف اول کا امین ہے۔ہمارے ہی اذہان اس دامن نوری کے فیض کرم کے خوشہ چیں ہیں۔ہماری وابستگی کس در سے ہے کبھی غور کیا؟آہ !جس کی زلف گرہ گیر کی اسیری کا دعویٰ۔اسی سے یہ برگشتہ روی،اسی سے دامن چھڑانے کی سعی،یہی سبب ہے کہ نگاہیں ہماری جانب اٹھتی ہیں۔طنز،طعنہ وتشنیع بھری نگاہیں۔ہم کیا تھے کیا ہوگئے،ہم خود ہی اس کے سزاوار ہوئے۔لیکن ان سیہ بخت گھٹاؤں میں بھی کامرانی وسرفرازی کی قندیلیں ہمیں کوفروزاں کرنی ہیں۔کاروان شوق وعشق کومنزل دوام ہمیں ہی بخشنا ہے۔

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دور گراں خوابی

طاعت پر اجرت:

سوال:ایک شخص نماز جنازہ پڑھانا جانتا ہے پھر بھی نہیں پڑھاتا،بلکہ یہ کہتا ہے کہ گاؤں کی نکاح خوانی کے حقوق مجھے دیے جائیں اور لوگ میری زمین کی لگان میری جانب سے اپنی جیب سے ادا کریں تو پڑھاؤں۔ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب:طاعت پر اجرت ٹھہرانا حرام ہے،یہی اصل مذہب ہے۔متاخرین نے بخوف ضیاع بعض طاعت کا استثنا کیا ہے۔وہ وہی ہیں جن میں ضرورت ظاہرہ ہے۔پھر خاص طاعت پر عقد کرنا تو برا ہی ہے۔کسی کے نزدیک نہ چاہیے۔دربارہ اجرت بر طاعت شامی میں فرمایا:

”قد اتفقت كلمتهم جميعا على التصريح باصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع و برهان ساطع على ان المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة بل على ما ذكره فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن اصل المذهب۔“

(ردالمحتار ج۔ص،کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدہ،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

ان تمام فقہا کے الفاظ اس صراحت پر متفق ہیں کہ اصل مذہب یہی ہے کہ طاعت پر اجرت ناجائز ہے۔پھر اس کے بعد فقہاے عظام نے کچھ کا استثنا فرمایا،جسے آپ ابھی جان چکے۔پس یہ اس بات کی دلیل قطعی اور برہان روشن ہے کہ مفتی بہ قول یہ نہیں کہ ہر طاعت پر اجرت لینی جائز ہے،بل کہ

صرف مذکورہ چیزوں پر اجرت لینا جائز ہے کیوں کہ ان میں ایسی واضح ضرورت ہے جو اصل مذہب سے رجوع کو مباح کر دیتی ہے۔

پھر صاحب بحر کا قول جوہرہ کے حوالے سے اور شیخ رملی کا حاشیہ بحر کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اقول المفتی به جواز الاخذ استحسانا علی تعلیم القرآن لاعلی القراء ة المجردة کما صرح به فی التاتارخانیة حیث قال لا معنی لهذه الوصیة ولصلة القاری بقرآنه لان هذا بمنزلة الاجرة والاجارة فی ذلك باطلة وهی بدعة ولم یفعلها احدمن الخلفاء ، و قد ر ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علی استحسان یعنی للضرورةولاضرورة فی الاستیجار علی القراة علی القبر اه"۔ (ردالمحتار)

میں کہتا ہوں کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے پر اجرت لینا استحساناً جائز ہے۔مگر صرف قرآن پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں، جیسا کہ اس کی تصریح تاتارخانیہ میں موجود ہے۔انھوں نے فرمایا کہ اس وصیت کا کوئی معنی نہیں،اور قاری کا قرآن پڑھنے پر صلہ لینے کا کوئی مطلب نہیں، کیوں کہ وہ اجرت کے مرتبہ میں ہے اور اس پر اجرت کے لین دین کا معاملہ باطل ہے اور یہ ایسی بدعت ہے کہ جسے خلفا میں سے کسی نے نہ کیا۔رہا تعلیم کا مسئلہ تو ہم نے بتایا کہ وہ استحسان یعنی ضرورت کی بنیاد پر ہے۔اور قبر پر قرآن خوانی کے لیے اجرت لینا کوئی ضرورت نہیں۔

پھر اجرت بھی کیسی معقول کہ نکاح خوانی کے حقوق مجھے دیے جائیں۔

نیز فتاویٰ عزیزیہ میں ہے:

قاعدہ اجارہ آنست کہ بر واجب ومندوب منعقد نمی شود و تعلیم القرآن فرض بالکفایہ ومندوب علی العین پس محل اجارہ نیست و تعلیم قرآن را متاخرین جائز داشتہ اند، کہ اجرت بقرآن کرد اما مراد ایشاں ہمیں تعلیم است کہ در وے افعالِ دیگر وراے تعلیم مشروط باشند کہ محلِ اجارہ توانند شد نہ محض تعلیم مثلاً شخصے بباید کہ مرا فلاں آیت تعلیم کنی وایں از وے مزدوری خواہد کہ ایں اجرت بالاجماع بین المتقد مین والمتاخرین حرام است۔

اجارہ کا قاعدہ یہ ہے کہ واجب ومستحب پر یہ منعقد ہی نہیں ہوتا اور تعلیم قرآن فرض کفایہ اور مندوب عین ہے۔تو یہ محل اجارہ نہیں اور تعلیم قرآن کو متاخرین نے جائز فرمایا کہ قرآن پر اجرت ٹھہرائی ہے۔اس سے ان کی مراد وہ تعلیم ہے جس میں تعلیم قرآن کے علاوہ دوسرے ایسے افعال بھی مشروط ہوں

جو محل اجارہ ہو سکتے ہیں نہ کہ صرف تعلیم قرآن جیسے کوئی شخص آئے کہ مجھے فلاں آیت سکھا دیجیے اور یہ اس سے اجرت طلب کرے تو ایسی اجرت متقدمین ومتاخرین دونوں کے یہاں بالاجماع حرام ہے۔

اسی میں فرمایا:

نکتہ درآں کہ اجارہ بر ادائے طاعت خواہ فرض باشد خواہ نفل، جائز نیست، آں است کہ شخصے مباشر طاعت شدہ است بحکم وعدہ الٰہی مستحق اجرت اخروی گشتہ۔ پس اگر اجر دینوی از مخلوق برآں طلب نماید اجتماع اجرین وعوضین در حق یک کس بیک فعل لازم خواہد آید مثل آنکہ شخصے اجیر خاص یک کس قرار یافتہ او رانمی رسد کہ اجیر خاص شخصے دیگر شود در ہماں وقت کذا فی الہدایہ

کسی بھی طاعت پر خواہ فرض ہو یا نفل اجرت لینا جائز نہیں، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص طاعت بجا لایا تو بہ حکم وعدہ الٰہی، اجرت اخروی کا مستحق ٹھہرا تو اگر مخلوق سے بھی اس پر اجرت دنیوی طلب کرے تو شخص واحد کے لیے ایک کام کے بدلے دو دو اجر وعوض کا اجتماع لازم آئے گا۔ جیسے کوئی شخص کسی خاص آدمی کی ملازمت قبول کرے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی دوسرے شخص کا بھی خاص اسی وقت میں ملازم بن جائے۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

”لایحل اخذ الاجرۃ علی الامۃ والتاذین بالشرط“ اذان وامامت پر مشروط طور پر اجرت لینا جائز نہیں۔

یہاں امامت صلوٰۃ جنازہ پر وہ اجرت ٹھہرا رہا ہے۔ اور اجرت بھی کیا؟ نکاح خوانی کے حقوق، تو یہ ناجائز در ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوستو! تصورات کی دنیا سے باہر نکل کر حقائق کی دنیا میں قدم رکھو، دیکھو تمھارے کردار کے چمن کتنے خزاں رسیدہ ہو گئے۔ انھیں بہاروں سے آشنا کرو، انھیں زندگی کی دھڑکنیں عطا کرو۔ یہ تمھاری ہی ذمہ داری تو ہے۔ خواب غفلت میں کیوں پڑے ہو۔

غیر عربی میں جمعہ کا خطبہ پڑھنا:

سوال: جمعہ کا خطبہ غیر عربی میں اردو آمیز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جمعہ کا خطبہ خالص عربی ہو، خطبہ جمعہ میں کسی اور زبان کی آمیزش مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔ اس بدعت سیئہ کی ترویج میں وہی حضرات پیش پیش تھے جو مسنون اور مستحسن امور پر بڑی بے باکی سے ناجائز اور بدعت ہونے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ مگر اس مکروہ کو ایسا محبوب بنالیا کہ اس کے لیے دور کی

کوڑی لاکر اسے رواج دینے کی سعی ناکام میں مبتلا ہوئے۔حضور مفتی اعظم اور شیر بیشہ اہل سنت کے فتاویٰ نے ان کے لبوں پر مہر سکوت ثبت کردی۔اس کے عدم جواز کے سلسلے میں مختلف فتاویٰ اشاعت سے ہم کنار ہوئے۔شیر بیشہ اہل سنت نے اپنے رسالہ السنۃ السنیہ فی کون الخطبۃ بالعربیۃ مطبوعہ بریلی میں نقایہ، ہدایہ، کفایہ، مجمع الانہر در منتقی شرح ملتقی، درمختار، فتاویٰ عالمگیری، شرنبلالیہ، حاشیہ درر، مراقی الفلاح برجندی عینی، شرح کنز، ردالمحتار، فتح القدیر وغیرہا کتب فقہیہ کے حوالے سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک قراءت، خطبہ اور تشہد پہلے غیر عربی میں جائز مع الکراہت تھے لیکن آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں اپنے صاحبین کے قول کی جانب رجوع فرمالیا۔اور عدم جواز کا قول ہی صحیح، مفتیٰ بہ، معتمد اور مختار ٹھہرا۔اس لیے امام صاحب کے قول اول کی بنیاد پر غیر عربی میں جواز خطبہ کی راہ باقی نہ رہی۔یوں آپ نے مسلکِ حق کے قلعہ کو اپنی جولانی اور خداداد فہم و فراست اور قوت ادراک کے ذریعہ استحکام بخشا۔مزید تفصیل کے لیے نفس رسالہ کا مطالعہ کیا جائے۔فتاویٰ علما الہند علی منع الخطبۃ بغیر العربیۃ مطبوعہ ترکی استنبول میں بھی اس کی تفصیل مذکور ہے جس میں امام نووی کی تصنیف روضہ اور فتح المعین، ردالمحتار اور شرح منہاج کے حوالے سے علامہ رملی وغیرہ کے اقوال قلم بند کیے گئے ہیں۔اور کافی شرح و بسط کے ساتھ اس کا پورا مستحکم ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ غیر عربی میں خطبہ دینا مکروہ اور بدعت سیئہ ہے۔

مزامیر کے ساتھ قوالی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین کہ ایک شخص اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور پرنور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔اور فرمایا تو بہت کم زور ہوگیا ہے۔تجھ کو نماز معاف ہے۔ہر سال قوالی مزامیر کے ساتھ عرس میں کراتا ہے۔خود سنتا ہے اور لوگوں کو سنواتا ہے۔ایسا فعل کرنا یا ایسے کی تعظیم کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس سے اس کی کیا شکایت کہ وہ اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے، جب وہ اپنے لیے نماز ہی معاف جانتا ہے۔ماعلی مثلہ یعد الخطاء جب کہ اس کی عقل کا دیا اس کی کھوپڑی میں ٹمٹمارہا ہے۔(المعتمد المستند، ردالمحتار، شفا شریف سے ایسے اشخاص کے بارے میں حوالہ جات نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں) اس کا یہ قول صریح کفر ہے، اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً افتراے قبیح، یہ یوں بھی کفر ہے۔اور فرضیت نماز کا انکار ہے، یوں بھی، اس کے قائل کے کافر اور مستحقِ عذابِ نار ہونے میں کیا شک۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، ایسے سے قوالی مع مزامیر سننے سنانے یا کسی حرام کے ارتکاب کی

کیا گنجائش؟ بدمذہب کی تعظیم بھی حرام ہے جب تک ایسے لوگ توبہ نہ کریں، مسلمان ان سے میل جول موقوف رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محترم قارئین ! نفس قوالی کے بارے میں تو مختلف مشاہیر امت کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ لیکن مزامیر کے ساتھ قوالی کی حرمت پر تو اجماع امت ہے۔ فریقین اس موڑ پر آ کر متفق دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن جب کہ معاشرہ کی نیرنگی حرمت وحلّت سے بالاتر ہو کر سوچنے کا عادی ہو چکا ہے۔ رقص وسرود اور نغموں کے ہجوم میں مزامیر کے ساتھ قوالی کی حرمت پر کس کی نگاہِ التفات اٹھتی ہے؟

کیا تثویب بدعت ہے؟:

سوال: اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت سیئہ کہتے ہیں اور اگر جائز تو ہر وقت کی اذان کے بعد کہہ سکتے ہیں یا کسی خاص وقتمیں؟ اور دیگر اوقات میں جائز نہیں؟

جواب: صلوٰۃ بعد اذان، اعلام بعد اعلام ہے۔ بلاشبہہ یہ جائز ومندوب ومستحسن ہے۔ عامہ کتبِ معتبرہ میں اس کا جواز مزبور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسانِ بدعت سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے۔ بے شک ہر وقت کی اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کا یہی حکم ہے مگر مغرب کہ اس میں اعلام بعد اعلام کی ضرورت نہیں، لوگ اذان کے ساتھ ہی خود چلے آتے ہیں اور اگر مغرب میں بھی کہیں تو حرج نہیں۔ اکابر ائمہ اور فقہا متاخرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مطلقاً سب نمازوں میں جماعت کے لیے حسبِ عرف عام وعادتِ اہل ہر بلد (شہر) جو کچھ بھی وہ مقرر کر لیں، تثویب کو جائز ومستحسن فرمایا۔ (درمختار)

يثوب بين الاذان والاقامةفى الكل للكل بما تعارفوه الا فى المغرب ۔اه ملخصاً۔

سوائے مغرب کے سبھی نمازوں میں اذان واقامت کے مابین اپنے اپنے عرف کے مطابق تثویب جائز ہے۔ ردالمختار (ج۔ص، باب الاذان دارالکتب العلمیہ، بیروت)

میں نہر سے اور اس میں مجتبیٰ سے ہے۔

”كتنحنح او قامت قامت اوالصلاة الصلاة ولواحد ثواا علاماً مخالفاًلذلك جاز“۔

جیسے کھانس کر یا قامت قامت کہہ کر یا الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اور اگر اس سے کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ایجاد کر لیں تو بھی جائز ہے۔

شامی میں یہ عنایہ شرح ہدایہ سے نقل فرمایا:

احدث المتاخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ما تعارفوه فى

جميع الصلوات سوى المغرب مع ابقاء الاول يعنى الاصل وهو تثويب الفجر۔وما رآه المسلمين حسناً فهو عندالله حسن۔ (ج۔۲ص۵۶،باب)

حزم واحتیاط:

حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

۱۳/ربیع الاول شریف۱۳۹۴ھ کا واقعہ ہے، صبح کے وقت جب رازؔ الہ آبادی صاحب (مرحوم) جو ایک مشہور شاعر اور حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ سے بیعت تھے اور غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے، خدمتِ اقدس میں آئے اور کچھ روپے پیش کر کے عرض گزار ہوئے کہ یہ چادر شریف کا بچا ہوا روپیہ ہے جو ہر سال ہم لوگ مزارِ اعلیٰ حضرت پر پیش کرتے ہیں، تو سرکار مفتیِ اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

میں کیوں لوں؟ جن لوگوں نے دیا ہے انھیں ہی واپس کر دیجیے۔

راز صاحب نے مزید اصرار کرتے ہوئے عرض کیا، حضور قبول فرمالیں، ان لوگوں نے کہا ہے کہ اس کو مزار شریف پر صرف کر دیا جائے۔اس پر بھی حضور مفتیِ اعظم نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا --: میں تو چادروں کا یہ انداز پسند بھی نہیں کرتا، چادرِ مزار کا مقصد ہے لوگوں کی نظروں میں امتیاز پیدا کرنا کہ یہ کسی ولی یا بزرگ کا مزار ہے تا کہ زائرین فاتحہ پڑھیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس مزار پر جو کادم ہو اس کی اس سے امداد کی جائے کہ جب کوئی دوسری چادر پڑے تو وہ پہلی اتار کر اس کو کام میں لائے۔آج کل حال یہ ہے کہ دس ہزار روپے کی چادر اجمیر شریف جا رہی ہے تو دس ہزار کی بغداد شریف، اور مقصد چادر ڈالنے والوں کا یہ ہوتا ہے کہ (یہ نمائش کے لیے) ہمیشہ مزار پر پڑی رہے۔اس ارشاد سے حضور مفتی اعظم قدس سرہ کا چادر مزارات سے متعلق معتدل موقف سامنے آتا ہے اور ان کا تقویٰ بھی ظاہر ہے کہ چادر سے بچی ہوئی رقم قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

تقویٰ کی ایک مثال:

۱۵/ربیع الاول شریف۱۳۹۴ھ کو ہوڑہ تکیہ پاڑہ میں ہونے والی سرکارِ مدینہ کانفرنس میں شرکت کے لیے سرکار مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ بریلی شریف سے بذریعہ پنجاب میل ٹرین تشریف لے جا رہے تھے، حضور کے ہم راہیوں میں مولانا مفتی ریاض احمد سیوانی اور جناب حاجی محمد فاروق صاحب بنارسی، جو حضرت کے خاص خادم و مرید اور خلیفہ ہیں اور راقم الحروف نعمانی قادری تھے۔لکھنو اسٹیشن پر جب ٹرین رکی تو حضور نے کھانے کا ارادہ فرمایا، دروازے پر بیٹھ کر ہاتھ دھونے لگے، اچانک پیچھے سے کرتے کا

دامن گر گیا اور اس میں کچھ کیچڑ لگ گئی جس کی مقدار مشکل سے چوتھائی درہم تھی، میں نے دیکھتے ہی فوراً پیچھے سے دامن اٹھالیا -- جب اس کا احساس ہوا تو استغفر اللہ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنے لگے، اس پر دیگر حضرات نے عرض کیا، حضور کرتا پہنے رہیں، ہم لوگ ابھی دھود یتے ہیں، لیکن حضور نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا کیسے دھووگے؟ پھر کرتا اتار کر دیا اور دریافت فرمایا، کیسے دھلوگے؟ مفتی ریاض احمد صاحب نے عرض کیا، حضور نل میں پانی ہے اسی سے دھل دیتے ہیں۔ فرمایا، پہلے اس کو دھوپ میں سکھا لو اور سکھانے کے بعد جو کیچڑ لگی ہے اس کو کھرچ دو پھر دھلو۔ چنان چہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، سکھا کر دھلا گیا پھر خشک کر کے حضرت کو پہنا دیا گیا۔

اول تو کیچڑ کا نجس ہونا قطعی نہیں، دوسرے پر وہ ایک درہم سے بھی بہت کم تھا جو معاف ہے پھر بھی اس سے پاکی کا اس قدر اہتمام اور وہ بھی سفر میں، یہ سرکار مفتیِ اعظم ہی جیسے صاحبِ تقویٰ کا کام ہے۔

دوسری بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس کیچڑ کو فوراً دھل کر تین بار نچوڑ دیا جاتا تب بھی تطہیر کا عمل پورا ہو جاتا، مگر پہلے خشک کر کے کیچڑ کے جرم کو کھرچ کر دور کرنے کا حکم دیا پھر دھلنے کو کہا تا کہ پانی پڑنے کے بعد کیچڑ کپڑے پر پھیلنے نہ پائے، ہاں کھرچنے کے بعد جو ذرے باقی رہ گئے ہوں گے ان کی مجبوری ہے کہ وہ بغیر پانی کے صاف ہونے والے نہیں، یہ تقویٰ کی اعلیٰ مثال ہے اور ان لوگوں کے لیے باعثِ عبرت بھی جو نجس کپڑوں کی پاکی میں سستی برتتے ہیں۔

داڑھی رکھ کر منڈوانے والے:

جناب فراز الدین صاحب نارکل ڈانگہ کلکتہ بیان کرتے ہیں، ایک شخص نے عرض کیا؛

اس شخص کا کیا حکم ہے جو داڑھی رکھ کر منڈوا دے؟

مفتیِ اعظم نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا، داڑھی کا منڈوانا اور مسجد کا ڈھا دینا برابر ہے۔

سائل نے عرض کیا، حضور ایسا کیوں؟

ارشاد فرمایا، اس لیے کہ جہاں مسجدیں ہوتی ہیں اس کو دیکھ کر ہر ایک سمجھتا ہے کہ یہاں اسلام کے ماننے والے ہیں اور داڑھی کا بھی یہی حال ہے کہ جس کے چہرے پر داڑھی دیکھی جائے گی، یہ پتہ چل جائے گا کہ یہ مسلمان ہے، اسلام کا ماننے والا ہے۔

گویا داڑھی منڈوانا اسلام کے نشان کو مٹانا ہے، وہ لوگ جو صبح وشام داڑھیاں مونڈتے ہیں وہ سبق لیں کہ کیسا سنگین وشدید جرم کر رہے ہیں، اور خدا اور رسولِ خدا کی کیسی ناراضی مول لے رہے ہیں۔

(جہانِ مفتی اعظم: ص ۸۹۹ تا ۹۰۲)

تصانیف:

آپ کی تصانیف میں سے بعض جو راقم الحروف نے مطالعہ کیں اور فتاویٰ مفتی اعظم کی چھ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیں یہ ہیں:

۱۔	وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان	۱۳۳۰ھ
۲۔	ادخال السنان الی حنک الحلقی بسط البنان	۱۳۳۲ھ
۳۔	وقایہ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنہ	۱۳۳۲ھ
۴۔	نفی العارعن معائب المولوی عبدالغفار	۱۳۳۲ھ
۵۔	مقتل کذب وکید	۱۳۳۲ھ
۶۔	الموت الاحمر علی کل انحس اکفر	۱۳۳۷ھ
۷۔	القول العجیب فی جواز التثویب	۱۳۳۹ھ
۸۔	الحجۃ الواہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ	۱۳۴۲ھ
۹۔	الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی	۱۳۳۱ھ
۱۰۔	الہی ضرب براہل حرب	۱۳۳۲ھ
۱۱۔	مقتل اکذب واجہل	۱۳۳۲ھ
۱۲۔	طرق الہدیٰ والارشاد	۱۳۴۱ھ
۱۳۔	القسورہ علی ادوار الحمر الکفرۃ	۱۳۴۳ھ
۱۴۔	النکۃ علی مراء کلکتہ	۱۳۳۳ھ
۱۵۔	شفاء العی فی جواب سوال بمبئی	
۱۶۔	وہابیہ کی تقیہ بازی	
۱۷۔	طرد الشیطان	
۱۸۔	کانگریسیوں کا رد	
۱۹۔	تنویر الحجہ لمن یجوز بالتواء الحجۃ	
۲۰۔	مسائل سماع	
۲۱۔	کشف ضلال دیوبند (حواشی وتکمیلات الاستمداد)	

فہرست کتاب

فہرست

مأخذ ومراجع

(الف)

نمبرشمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
۱۔	الاشباہ والنظائر لابن نجیم المصری	علامہ شیخ زین الدین ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰ھ
۲۔	الاذکار المنتخبۃ	امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۳۔	اشعۃ اللمعات	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲ھ
۴۔	ارشاد العقل السلیم	علامہ ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱ھ
۵۔	اعلام الاعلام بقواطع الاسلام	علامہ احمد بن حجر الہیتمی المکی	۹۷۴ھ
۶۔	احیاء العلوم الدین للغزالی	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ
۷۔	الاختیار لتعلیل المختار	علامہ عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳ھ
۸۔	ارشاد الساری شرح بخاری	علامہ شہاب الدین احمد محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۹۔	الاتقان فی علوم القرآن	امام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۱۰۔	الآثار لمحمد بن حسن	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۱۱۔	ارشیف ملتقی اہل الحدیث	تم تحمیلہ	۱۴۲۹ھ
۱۲۔	اتحاف السادات المتقین	علامہ سید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
۱۳۔	اتحاف الخیرۃ المہرۃ	ابوالعباس شہاب الدین احمد بوصیری کنانی	۸۴۰ھ
۱۴۔	الآداب الشرعیہ لمصالح الرعیۃ	برہان الدین بن محمد بن عبداللہ محمد رابنی	۸۸۴ھ
۱۵۔	الاحاد والمثانی لابن أبی عاصم	محمد بن عباس الخوارزمی ابوبکر	۳۸۳ھ
۱۶۔	الامثال المولدۃ	محمد بن عباس الخوارزمی ابوبکر	۳۸۳ھ
۱۷۔	ادب الدنیا	ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب بصری	۴۵۰ھ
۱۸۔	الآداب الشرعیہ والمنح المرعیہ	علامہ شمس الدین مقدسی	۷۶۳ھ
۱۹۔	ام القریٰ	عبدالرحمٰن ابن احمد بن مسعود کواکبی	۱۳۲۰ھ

(ب)

۲۰۔	البنایۃ شرح الہدایہ	امام بدرالدین ابومحمد العینی	۸۵۵ھ
۲۱۔	البحرالرائق شرح کنزالدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰ھ
۲۲۔	البدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷ھ
۲۳۔	البراہین القاطعۃ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء
۲۴۔	البدء والتاریخ	المطہر بن طاہر المقدسی	۳۵۵ھ
۲۵۔	بریقۃ محمودیہ فی شرح طریقۃ محمدیہ	علامہ ابوسعید محمد بن محمد بن مصطفیٰ خادمی	۱۱۷۶ھ
۲۶۔	بوعلی شاہ قلندر		
۲۷۔	البروالصلۃ للحسین بن حرب	ابوعبداللہ حسین بن حسن ابن حرب	۲۴۶ھ
۲۸۔	البحرالمحیط فی التفسیر	محمد بن یوسف الشہیر بابی حبان	۷۴۵ھ

(ت)

۲۹۔	التقریروالتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹ھ
۳۰۔	تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق	فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۳۱۔	الترغیب والترھیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۳۲۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰ھ
۳۳۔	تنویرالابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمر تاشی	۱۰۰۴ھ
۳۴۔	تاریخ دمشق لابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱ھ
۳۵۔	تاریخ بغداد للخطیب البغدادی	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۳۶۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
۳۷۔	تفسیرالرازی	امام فخرالدین الرازی	۶۰۶ھ
۳۸۔	تفسیرالطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۳۹۔	تفسیر قرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۴۰۔	تفسیرالمظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۴۱۔	تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸ھ
۴۲۔	تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۴۳۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ

۴۴۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۴۵۔	الترغیب والترھیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۴۶۔	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۴۷۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشھیر بالجمل	۱۲۰۴ھ
۴۸۔	تفسیر غرائب القرآن	علامہ نظام الدین نیساپوری	۷۲۸ھ
۴۹۔	تفسیر فتوحات الٰہیہ	سلیمان بن عصر الجمل	۱۲۰۴ھ
۵۰۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	امام حافظ زین الدین عبدالرؤف مناوی	۱۰۳۱ھ
۵۱۔	تحفۃ الذاکرین	نوح ابن موسیٰ رومی	۱۰۷۰ھ
۵۲۔	تقویۃ الایمان	اسماعیل دہلوی	۱۲۴۶ھ
۵۳۔	التبصرۃ لابن الجوزی	امام ابن جوزی	۵۹۷ھ
۵۴۔	تاریخ مختصر الدول	سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی	۱۳۰۴ھ
۵۵۔	التمہیر لمافی المؤطا من المعانی والاسانید	حافظ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی	۴۶۳ھ
۵۶۔	التوسط والاقتصاد	علوی بن عبدالقادر السقاف	
۵۷۔	تاریخ الخلفاء	کمال الدین محمد بن محمد بن علی بن احمد نومیری مالکی	۸۵۷ھ
۵۸۔	تفسیر العز بن عبدالسلام	ابومحمد عزالدین عبدالعزیز عبدالسلام	۶۶۰ھ
۵۹۔	تفسیر ابومسعود	ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ عمادی	۹۸۲ھ
۶۰۔	تفسیر ارشاد	ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ عمادی	۹۸۲ھ
۶۱۔	تفسیر البغوی	امام محمد حسین بن مسعود بغوی شافعی	۵۱۶ھ
۶۲۔	تفسیر الخازن	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی	۷۲۵ھ
۶۳۔	تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ	۱۱۲۷ھ
۶۴۔	تفسیر الکشاف	امام ابوقاسم جاراللہ محمود بن عمر بن محمد زمخشری	۵۳۸ھ
۶۵۔	تفسیر الوسیط للواحدی	ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی	۴۶۸ھ
۶۶۔	التمثیل والمحاضرۃ	قطب الدین احمد بن شمس الدین محمد حنفی	۹۸۸ھ
۶۷۔	تہذیب التہذیب	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۶۸۔	تاریخ اسلام للذہبی	شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	۷۴۸ھ
۶۹۔	تہذیب امام امزی	ابن الحافظ جمال الدین المزی	۷۴۹ھ

۷۰۔	التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر فی اصول الحدیث للنووی	ابوزکریا یحییٰ بن شرف نوری	۶۷۶ھ
۷۱۔	تفسیر ابن ابی حاتم	امام حافظ عبدالرحمٰن ابن محمد بن ادریس الرازی	۳۲۷ھ
۷۲۔	تحفہ لاثانی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۷۳۔	تفسیر جامع البیان	ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبری	۳۱۰ھ
۷۴۔	تفسیر عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق ابن ہمام بن نافع الحمیدی	۲۱۱ھ
۷۵۔	تفسیر رغائب الفرقان	علامہ نظام الدین نیساپوری	۷۲۸
۷۶۔	التوحید لابن خزیمۃ	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ	۳۱۱ھ
۷۷۔	التفسیر النسفی	عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰ھ

(ث)

۷۸	الثمر الدانی شرح رسالہ ابن ابی زید القروانی	صالح ابن عبدالسمیع الآبی لازھری	۱۳۳۵ھ

(ج)

۷۹۔	الجامع الصغیر	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۰۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۸۱۔	الجوہرالنیرۃ علی مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰ھ
۸۲۔	جمع الجوامع	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۸۳۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳ھ
۸۴۔	الجامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۸۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶ھ
۸۶۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ
۸۷۔	جدالممتار حاشیہ ردالمحتار	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ
۸۸۔	جامع الاحادیث	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۸۹۔	الجوہرالنسفی	علاءالدین علی بن عثمان ابن ابراہیم ترکمانی	۷۵۰ھ
۹۰۔	جواہر زکیۃ		
۹۱۔	جمہرۃ الأمثال	ابوھلال عسکری	۳۹۵ھ

(ح)

۹۲۔	الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳ھ

۹۳۔	حاشیہ علی حصن حصین	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳ھ
۹۴۔	حلیۃ الاولیا	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۹۵۔	حیوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	۶۸۲ھ
۹۶۔	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	احمد بن محمد صاوی	۱۲۴۱ھ
۹۷۔	الحموی	ابن الحجۃ الحموی	۸۳۷ھ
۹۸۔	حضرت امیر خسرو		
۹۹۔	حسام الحرمین	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۰۰۔	حواشی علی المیر زاہد	علامہ میر زاہد ہروی	

(خ)

۱۰۱۔	الخصائص الکبریٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۰۲	خلاصہ الوفا باخبار دار المصطفیٰ	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱ھ
۱۰۳۔	خلاصۃ الفتاویٰ	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
۱۰۴۔	خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال	احمد بن عبداللہ بن ابی الخزیمنی	۹۲۳ھ

(د)

۱۰۵۔	الدر المنثور فی التفسیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۱۰۶۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایہ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۱۰۷۔	الدر المختار مع رد المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۰۸۔	درر الحکام شرح غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۱۰۹۔	الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۱۰۔	دیوان بوصیری	امام محمد بن سعید بوصیری	۶۹۴ھ
۱۱۱۔	دیوان المتنبی	ابوالطیب احمد بن حسین کندی	۳۵۴ھ

(ذ)

۱۱۲۔	ذوق نعت	حضرت علامہ حسن رضا بریلوی	۱۳۲۶ھ

(ر)

۱۱۳۔	رد المختار علی الدر المختار	محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۱۴۔	رسائل الارکان		

۱۱۵۔	رضی شرح الکافیہ	رضی الدین محمد بن حسن استرابا ذی	۶۸۶ھ
۱۱۶۔	رویۃ اللہ للدار قطنی	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵ھ

(ز)

۱۱۷۔	الزواجر عن اقتراف الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد بن حجر المکی	۹۷۴ھ
۱۱۸۔	الزہد لاحمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۱۱۹۔	زاد المعاد	امام ابن قیم الجوزیہ	۷۵۱ھ
۱۲۰۔	زاد الاحباب فی ہدی خیر العباد	محمد بن ابوبکر بن ایوب بن قیم جوزیہ	۷۵۱ھ
۱۲۱۔	الزہد والدقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک حنظلی	۱۸۱ھ

(س)

۱۲۲۔	السنن الدار قطنی	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵ھ
۱۲۳۔	السنن لابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۱۲۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ
۱۲۵۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵ھ
۱۲۶۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۴۸ھ
۱۲۷۔	السنن الکبریٰ للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ
۱۲۸۔	السنن الکبریٰ للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۱۲۹۔	السنۃ لابن ابی عاصم	ابوبکر بن ابی عاصم الشیبانی	۲۸۷ھ
۱۳۰۔	السحر الحلال فی الحکم والأمثال	احمد بن ابراہیم بن مصطفی الہاشمی	۱۳۶۲ھ
۱۳۱۔	السراج المنیر للخطیب شافعی	شمس الدین محمد بن احمد الخطیب شافعی	۹۷۷ھ
۱۳۲۔	السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی	محمد ناصر الدین البانی	

(ش)

۱۳۳۔	الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ	ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قاضی	۵۴۴ھ
۱۳۴۔	شرح ابی داؤد للعینی	علامہ بدر الدین عینی	۸۵۵ھ
۱۳۵۔	شرح السنۃ للبغوی	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶ھ
۱۳۶۔	شرح المقاصد فی علم الکلام	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۱۳۷۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ

۱۳۸۔	شرح النووی علی مسلم	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۱۳۹۔	شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی		۱۱۲۲ھ
۱۴۰۔	شرح صحیح البخاری لابن بطال	شیخ علامہ علی ابن خلف	۴۴۹ھ
۱۴۱۔	شرح النقایہ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲ھ
۱۴۲۔	شرح المواہب	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۱۴۳۔	شرح الطیبی	امام شرف الدین حسین ابن محمد ابن عبداللہ طیبی	۷۴۳ھ
۱۴۴۔	شرح القصیدہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹ھ
۱۴۵۔	شرح المختصر لنخبۃ الفکر	علامہ ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۴۶۔	شرح التلویح علی التوضیح	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ حنفی بخاری	۷۴۷ھ
۱۴۷۔	شرح سنن أبی داؤد للعباد	عبدالمحسن بن احمد بن عبدالمحسن بن عبداللہ	
۱۴۸۔	شرح دیوان الحماسہ	ابوعلی احمد بن محمد بن الحسن المرزوقی الاصفہانی	۴۲۱ھ
۱۴۹۔	شرح مسند ابی حنیفۃ	علی بن سلطان محمد ابوالحسن نورالدین ملاہروی قاری	۱۰۱۴ھ
۱۵۰۔	شرح الطحاویہ	صدرالدین محمد بن علاء الدین بن عبدالعز حنفی	۷۹۲ھ
۱۵۱۔	الشریعۃ للآجری	ابوبکر محمد بن حسین بن عبداللہ آجری بغدادی	۳۶۰ھ
۱۵۲۔	شرح الشفا للملا علی القاری	علی بن سلطان محمد قاری	۱۰۱۴ھ
		(ص)	
۱۵۲۔	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
		(ض)	
۱۵۳۔	الضعفاء الکبیر للعقیلی	ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی	۳۲۲ھ
		(ط)	
۱۵۴۔	طریقہ محمدیہ شرح حدیقہ ندیہ	محمد بن بیر علی المعروف ببرکلی	۹۸۱ھ
۱۵۵۔	الطحطاوی علی مراقی الفلاح	سید احمد الطحطاوی	۱۲۳۱ھ
۱۵۶۔	الطبقات الکبریٰ للشعرانی	عبدالوہاب احمد بن علی انصاری شعرانی	۹۷۳ھ
۱۵۷۔	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی	۲۳۰ھ
۱۵۸۔	الطراز لاسرار البلاغۃ وعلوم حقائق الاعجاز	یحییٰ بن حمزہ بن علی بن ابراہیم	۷۴۵ھ
۱۵۹۔	طبقات المدلسین	ابوالفضل احمد بن علی بن احمد بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ

۱۶۰۔	طحطاوی	احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی حنفی	۱۲۳۱ھ

(ع)

۱۶۱۔	العنایۃ شرح الہدایہ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶ھ
۱۶۲۔	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۶۳۔	العقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹ھ
۱۶۴۔	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲ھ
۱۶۵۔	عون المعبود شرح ابی داؤد	علامہ ابوعبدالرحمٰن شرف الحق المعروف محمد اشرف ابن امیر عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
۱۶۶۔	عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹ھ

(غ)

۱۶۷۔	غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶ھ

(ف)

۱۶۸۔	فتح الباری شرح صحیح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۱۶۹۔	الفتاوی الہندیہ	جمیت علما اورنگ زیب عالم گیر	
۱۷۰۔	الفتاوی الخانیۃ مع الہندیۃ	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۷۱۔	الفتاوی البزازیہ مع الہندیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۷۲۔	فتح القدیر لابن الہمام	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱ھ
۱۷۳۔	الفتاوی التاتارخانیۃ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۸۷۶ھ
۱۷۴۔	فتاوی رضویہ	امام احمد رضا خاں محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۷۵۔	فیض القدیر شرح جامع صغیر	عبدالروف المناوی	۱۰۳۱ھ
۱۷۶۔	الفتاویٰ الفقہیۃ الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶ھ
۱۷۷۔	فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳ھ
۱۷۸۔	فتاویٰ خیریۃ	علامہ خیرالدین بن احمد بن علی رطی	۱۰۸۱ھ
۱۷۹۔	فوائد الفؤاد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴ھ
۱۸۰۔	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸ھ
۱۸۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ
۱۸۲۔	فتح البیان فی مقاصد القرآن	ابوالطیب محمد صدیق خاں ابن حسن بن علی	۱۳۰۷ھ

۱۸۳۔	فتاوی عزیزیہ	علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۴۸ھ
۱۸۴۔	فتاوی رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء
۱۸۵۔	فتاویٰ حدیثیہ لابن حجر	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۸۶۔	فتاوی الشبکۃ الاسلامیۃ	لجنۃ الفتاویٰ بالشبکۃ الاسلامیہ	۱۴۳۰ھ
۱۸۷۔	فواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیر وانی	احمد بن غانم ابن سالم ابن شہاب الدین نفراوی	۱۱۲۶ھ
۱۸۸۔	فتح العلی المالک فی الفتاویٰ علی مذہب الامام مالک	محمد بن احمد بن محمد علیس ابوعبداللہ مالکی	۱۲۹۹ھ
۱۸۹۔	الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی	محمد بن حسن ابن عربی ابن محمد الحجوی	۱۳۷۶ھ
۱۹۰۔	الفتوحات الالٰہیہ	سلیمان بن عمر الجمل	۱۲۰۴ھ
۱۹۱۔	فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المبین	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ

(ک)

۱۹۲۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵ھ
۱۹۳۔	الکفایۃ شرح الہدایہ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	۸۰۰ھ
۱۹۴۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۱۹۵۔	کشف الأسرار شرح اصول البزدوی	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰ھ
۱۹۶۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴ھ
۱۹۷۔	کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷ھ
۱۹۸۔	کتاب الاقتصاد	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
۱۹۹۔	الکبائر للذہبی	حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی	۷۴۸ھ
۲۲۰۔	کلیلۃ ودمنۃ	ابن المقفع	
۲۰۱۔	کتاب المواقف	عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی	۷۵۶ھ
۲۰۲۔	کتاب الابریز	سید احمد بن مبارک مالکی	۱۱۵۶ھ

(ل)

۲۰۲۔	لمعات برحاشیۃ مشکاۃ شریف		
۲۰۳۔	اللباب فی شرح الکتاب	عبدالغنی بن طالب بن حمادہ بن ابراہیم غنیمی	۱۲۹۸ھ
۲۰۴۔	لسان الحکام	احمد بن محمد بن محمد ابوالولید ابن الشحنہ	۸۸۲ھ

(م)

۲۰۵۔	معالم التنزیل	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ
۲۰۶۔	ملتقی الابحر	امام برہان بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۲۰۷۔	مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۲۰۸۔	المعجم الکبیر للطبرانی	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۲۰۹۔	المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۲۱۰۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴ھ
۲۱۱۔	مصنف عبد الرزاق للصنعانی	ابوبکر عبد الرزاق بن الہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۲۱۲۔	مدارک التنزیل	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۲۱۳۔	المنار	علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی	۷۱۰ھ
۲۱۴۔	المستند المعتمد	امام احمد رضا خاں محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ
۲۱۵۔	المبسوط للسرخسی	امام شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۲۱۶۔	المصنف لابن أبي شيبة	امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵ھ
۲۱۷۔	المعجم الصغیر للطبرانی	امام سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۲۱۸۔	مجمع الزوائد	علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷ھ
۲۱۹۔	مشکاۃ المصابیح	علامہ شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲ھ
۲۲۰۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶ھ
۲۲۱۔	مراقی الفلاح	علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۲۲۲۔	مجمع الانہر	الشیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
۲۲۳۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۲۲۴۔	المستدرک للحاکم	امام ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵ھ
۲۲۵۔	المواقف	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶ھ
۲۲۶۔	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح	علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۲۲۷۔	المسند البزار البحر الزخار	امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزاز	۲۹۲ھ
۲۲۸۔	الموضوعات لابن جوزی	امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷ھ
۲۲۹۔	میزان الاعتدال	امام محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸ھ

۲۳۰۔	المعجم الاوسط للطبرانی	امام سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۲۳۱۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۳۲۔	مشکل الآثار للطحاوی	امام ابوجعفر احمد ابن محمد ابن سلامہ طحاوی	۳۲۱ھ
۲۳۳۔	موسوعۃ الفرق المنتسبۃ للاسلام	شیخ علوی بن عبدالقادر السقاف	
۲۳۴۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا	امام جلال الدین	۹۱۱ھ
۲۳۵۔	مختصر تفسیر ابن کثیر	امام عماد الدین اسماعیل بن کثیر	۷۷۴ھ
۲۳۶۔	مسند الرؤیانی	امام ابوبکر محمد ابن ہارون رؤیانی	۳۰۷ھ
۲۳۷۔	المآخذ علی شراح دیوان ابی الطیب المتنبی	احمد بن علی بن معقل عزالدین ازدی	۶۴۴ھ
۲۳۸۔	منح الروض شرح الفقہ الاکبر	علامہ ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۲۳۹۔	المدخل لابن الحجاج	امام ابن حجاج ابوعبداللہ محمد بن محمد عبدری	۷۳۷ھ
۲۴۰۔	موسوعۃ العقدیہ	شیخ علوی بن عبدالقادر السقاف	
۲۴۱۔	المعانی الکبیر فی ابیات المعانی الابیات فی العقاب	ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری	۲۶۷ھ
۲۴۲۔	مکالمۃ الصدرین		
۲۴۳۔	مثنوی شریف	ملا جلال الدین رومی	
۲۴۴۔	مساوی الاخلاق للخرائطی	ابوبکر محمد بن جعفر خرائطی	
۲۴۵۔	المراسیل لأبی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۲۴۶۔	مجمع الامثال للمیدانی	ابوفضل احمد بن محمد نیساپوری المیدانی	۵۱۸ھ
۲۴۷۔	المستقصی فی امثال العربی	جاراللہ زمخشری	۵۳۸
۲۴۸۔	مجموعۃ القصائد الزہدیات	ابومحمد عبدالعزیز بن محمد بن عبدالرحمٰن	۱۴۲۲ھ
۲۴۹۔	موسوعۃ اقوال الدارقطنی	علی ابن عمر الدارقطنی	۳۸۵ھ
۲۵۰۔	مغنی اللبیب عن کتب الأعاریب	ابن ہشام انصاری	۷۶۱ھ
۲۵۱۔	معجم المناہی اللفظیۃ	بکر بن عبداللہ ابوزید بن محمد بن عبداللہ	۱۴۲۹ھ
۲۵۲۔	مسئلہ علم غیب	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰ھ
۲۵۳۔	مسند الحارث	ابومحمد حارث بن محمد ابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
۲۵۴۔	المجالس السنیۃ	شہاب الدین احمد حجازی	۹۷۸ھ
۲۵۵۔	الدر المصون فی علوم الکتاب	ابوالعباس شہاب الدین احمد بن یوسف	۷۵۶ھ

(ن)

۲۵۶۔	نخب الافکار فی شرح معانی الآثار	امام بدر الدین عینی	۸۵۵ھ
۲۵۷۔	نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲ھ
۲۵۸۔	نسیم الریاض بشرح الشفا القاضی عیاض	احمد شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۵۹۔	نور الانوار شرح المنار	شیخ المعروف ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۲۶۰۔	نور الایضاح مع الطحطاوی	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۲۶۱۔	نفحۃ الیمن فی مایزول بذکرہ الشجن	احمد بن محمد بن علی بن ابراہیم انصاری	۱۲۵۳ھ
۲۶۲۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۲۶۳۔	نہایۃ الأدب فی فنون الأدب	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱ھ

(ہ)

۲۶۴۔	الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
۲۶۵۔	ہدایہ اولین	ابوالحسن علی ابن ابوبکر الفرغانی المرعینانی	۵۹۳ھ
۲۶۶۔	الہدایہ الیٰ بلوغ النہایہ		
۲۶۷۔	ہدایہ آخرین	ابوالحسن علی ابن ابوبکر الفرغانی المرعینانی	۵۹۳
۲۶۸۔	ہدی الساری	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ

اعتذار

فتاویٰ مفتی اعظم کی ترتیب، تخریج اور ترجمہ کے سلسلہ میں ہماری ٹیم دو سال سے مصروف تھی، مختلف مراحل سے گزار کر ہم نے یہ کتاب قارئین کی ضیافت طبع کے لیے بہتر سے بہتر انداز میں منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ تین مرتبہ اور بعض مقامات کی چار مرتبہ بھی پروف ریڈنگ کی گئی ہے۔ پھر بھی بہ تقاضائے بشریت بھول چوک عین ممکن ہے۔

لہذا قارئین سے مخلصانہ گزارش ہے کہ اگر کوئی اہم غلطی نظر آئے تو اپنی مجلسوں میں تذکرے کے بجائے ہمیں بلاواسطہ تحریری طور پر اطلاع دیں، ہم ان کے ممنون ہوں گے اور آئندہ ایڈیشن میں ضرور اس کی تصحیح کر دیں گے۔

مرتب